

انفقہ فخری

کروں مال و زر کی میں کیوں ہوں مجھے اپنے فقر پر فخر بس
یہی حوزہ جان فہرستیر ہے یہی قول شاہ تجاز ہے

از اعلیٰ حضرت واقف اسرار خفی و علی مولانا الحاج ابو الفاضل
قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی مظلہ العالی

نایف

مرکزی محلہ بس سہروردیہ، لاہور

DATA ENTERED

فہرستِ کتاب

۱۔ معذرت	۵	۱۔ تصوف اور کتاب و سنت	۶۰
۲۔ پیش لفظ	۶	۱۸۔ تبلیغ اسلام اور صوفیائے کرام	۶۹
۳۔ انتساب	۱۰	۱۹۔ صوفیائے عظام اور سیاسیات	۸۹
۴۔ اشارہ	۱۱	۲۰۔ اقتباسات	۹۶
۵۔ حمد	۱۲	۲۱۔ غیر اسلامی اور اسلامی تصوف	۱۱۹
۶۔ نعت	۱۳	۲۲۔ تصوف اور صوفی	۱۲۷
۷۔ انتخابائے فقیر	۱۴	۲۳۔ فقر اور فقیر	۱۳۷
۸۔ الفقر و فخری	۱۵	۲۴۔ ولایت اور ولی	۱۴۶
۹۔ شکر و نعمت	۱۷	۲۵۔ ضرورتِ شیخ اور ثبوتِ بیعت	۱۵۹
۱۰۔ سببِ تالیف کتاب	۱۹	۲۶۔ خرقہ و خلافت	۱۹۶
۱۱۔ عرضِ حال	۲۱	۲۷۔ روالہ مصاحبین شیخ	۲۰۰
۱۲۔ تمہید	۲۲	۲۸۔ اعمال و اشتغال	۲۰۶
۱۳۔ معیارِ ولایت	۲۹	۲۹۔ تعلیمِ تقرب الی اللہ	۲۲۱
۱۴۔ انسانی قیاسات کی بے ثباتی	۳۲	۳۰۔ مبادیات کے نتائج	۲۵۴
۱۵۔ اقسامِ الناس	۳۴	۳۱۔ اوراد و وظائف	۲۸۷
۱۶۔ تصوف اور معترضین	۳۷	۳۲۔ دعائے فیضی	۳۲۱

۱۱۹
۱۲۷
۱۳۷
۱۴۶
۱۵۹
۱۹۶
۲۰۰
۲۰۶
۲۲۱
۲۵۴
۲۸۷
۳۲۱

۳۴۲

۳۵ - خاتمة الكتاب

۳۳۹

۳۳ - تصحيح ضروري

۳۴ - ختم شريف حضرات خواجگان سهروردية

رحمهم الله تعالى اجمعين

معذرت

فقیہ افسوس کے ساتھ اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ یہ باخدا بنانے والی کتاب ”الْفَقْرُ الْفَخْرِي“ جو کتاب و سنت کی روشنی میں علم تصوف کا ایک پاکیزہ سرمایہ ہے بدیر آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہے۔ حالانکہ اس کا مسودہ عرصہ سے مکمل ہو چکا تھا۔ اور خیال تھا کہ فقیر جلد ہی اس کو شائع کر کے دین کی ایک اہم خدمت سرانجام دے سکے گا۔ مگر اپنی علالت اور بعض دیگر ذاتی مجبوریوں نے اس کام کو کچھ ایسا التواء میں ڈالے رکھا کہ آج بجز معذرت کے اور کوئی پہلو نظر نہیں آتا مولا کریم ہی اس کی اشاعت میں فقیر کی دستگیری فرمائیں۔

امید ہے کہ اس کتاب کا خلوص سے مطالعہ معرفت الہی کے ہر متلاشی کے قلب و دماغ میں ایک ایسا نورانی و روحانی انقلاب پیدا کر دے گا۔ جو طالبوں کی اجتماعی اور انفرادی، شاہانہ و فقیرانہ، عالمانہ و صوفیانہ زندگی میں اعلیٰ اخلاق شرافت، خدا شناسی، حق پرستی، سنجیدگی، عملی پاکیزگی اور ضبط و نظم کو تخلیق کرتا ہے۔

پاکستانیوں کیلئے اس کتاب کی اشاعت یقیناً خشک سالی میں بارانِ رحمت ثابت ہوگی۔ کیونکہ دنیا کے عین ایامِ جوانی میں تمام انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے آخر پر خاتم الانبیاء سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اسوہ حسنہ کی روشنی میں یہی دعوتِ عمل دی تھی۔ جس پر عمل پیرا ہو کر آج کم و بیش پچھ سو سال تک اہل اللہ نے اسلام کو صرف زندہ ہی نہیں رکھا بلکہ دنیا کے ہر گوشہ میں پہنچا بھی دیا ہے۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

پیش لفظ

تصوف کے بارے میں اب تک بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور آئندہ بھی یہ سلسلہ بدستور جاری رہے گا۔ کیونکہ جب تک تصوف کے ماننے والے اور اس کا انکار کرنے والے اس جہان میں موجود ہیں اس پر بحث و تحقیق ہوتی رہے گی اور اس بارے میں نئے نئے تصورات پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر آج جس انداز میں بحث ہو رہی ہے۔ وہ کل گذشتہ سے بالکل مختلف ہے اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کل جو کچھ لکھا گیا تھا اس میں مخالفت کے باوجود نیک نیتی کو بہت زیادہ دخل ہوتا تھا۔ اگر کوئی اُن کی تسلی کر دیتا یا وہ کسی حقیقت پر خود بخود مطمئن ہو جاتے تو وہ مخالفت ترک کر کے موافقت پر رجوع فرما لیتے۔ لیکن آج علم و فضل کا دعوے مقدم ہے۔ مخالفت میں جب بھی قدم اٹھایا جائے گا، اس کی غایت اولیٰ دوسروں پر اپنے علم و فضل کا سکہ بٹھانا اور اپنی اپنی علمی فضیلت سے مرعوب کرنا مطلوب ہوگا۔ انہیں اپنے قول و فعل اور دلائل سے لاکھ قائل کرنے کی کوشش کی جائے، وہاں ”میں نہ مانوں“ کی ایک ہی رٹ ہوگی۔

بحث کا یہ انداز مغربی تعلیم کا نتیجہ ہے، کیونکہ نہ جاننے کے باوجود بھی انہیں دعویٰ ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ جانتے ہیں۔ اور تعلیم کے دوران میں یہ بات اچھی طرح ان کے ذہن نشین کر دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کا تمام تر علمی سرمایہ یورپ کے مقابلہ میں ہیچ اور بیکار ہے۔ اس میں شکوک و اوہام کے سوا کیا دھرا ہے۔ اس کا نظام فرسودہ ہے جو علمی معیار پر پورا نہیں اُترتا۔ چونکہ ہمارے تمدن کی اساس روحانیت پر ہے۔ اس لئے وہ سائر مغرب کی افسوس طرازیوں سے مسحور ہو کر اس کے سرے سے منکر ہی ہو گئے ہیں۔ تصوف کی اساس، اس کا نظام، اس کا طریق کار، اس کا محورِ عمل اور اس کے اذکار و افکار روحانیت سے الگ کچھ بھی نہیں ہیں اور وہ سراپا روحانیت ہی ہے۔ اس لئے وہ ان سب سے انکار کر کے تصوف کے سب سے بڑے معترض بن گئے ہیں۔ اگر مرحوم نے سچ کہا ہے۔

مِٹر کو دیکھتا ہوں تصوف پہ معترض * کالج کے کیڑے پڑ گئے دلق فقیر میں

آج تصوف کے بہت دوست اور موافقین اور بہت سے دشمن اور معاندین بھی ہیں۔ ایک جماعت اس کو شریعتِ اسلام سے کوئی الگ نظام کہہ رہی ہے تو دوسری جماعت اس میں اور شریعتِ اسلامی میں سہرِ مو

کا فرق نہیں پاتی اور اسی لئے اس کو اسلام کے مطابق سمجھتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ فقر محمدی کا ہی دوسرا نام تصوف ہے اس لئے اگر صوفی کو سچی درویشی کی تلاش ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ سرکارِ دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیری اور درویشی اختیار کرے۔ اور لفظاً و معنیاً ان کا ہی پیرو ہو جائے۔ اور یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر گامزن ہوئے بغیر وہ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

صوفیائے متقدمین کی زندگیاں ہمارے سامنے ہیں۔ ان پر ایک نظر ڈالنے سے جو بات بہت نمایاں نظر آتی ہے اور جو انہیں دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ تقلید و اتباع سنت نبوی ہے۔ وہ ہر قدم اٹھانے سے پہلے سوچتے کہ اس وقت رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کیا کیا تھا۔ پھر جب انہیں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل معلوم ہو جاتا تو وہ اس سے سیر مؤاخرا ت نہ کرتے۔ ان کی زندگی کی ہر نقل و حرکت اور خاص کر ان کے اخلاق یا کل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں۔ وہ آپ کو اپنا امام و پیشوا سمجھتے ہیں۔ اور آپ ہی سے پیوندِ محبت مستحکم کرتے ہیں۔ وہ آپ کا اہم پاک سُن کر بے چین ہو جاتے ہیں۔ ان کے دل و دماغ اور ان کی آنکھوں میں حضور ہی کی صورت پھرتی ہے۔ زبان آپ کے ذکر کے ایسے مزے لیتی ہے کہ گویا ان کی بنیاد کا رُخ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہے۔ صوفی بننے اور فقر کے میدان میں قدم رکھنے کے امکانات اسی وقت پیدا ہو سکتے ہیں۔ جب ممنوعات سے بچنے اور تعمیل احکامِ الہی کی قدرت حاصل ہو جائے۔ اسکی پہلی منزل یہ ہے کہ طالب اپنے دل کو گناہ کے خیال سے اس طرح محفوظ رکھے جس طرح متقی اپنے جسم کو گناہوں سے پاک و صاف رکھتا ہے۔ گویا فقیر یا صوفی کے دل میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے خلاف کسی خطرہ کا گزر نہیں ہوتا۔ اسے اس بات کی شرم ہوتی ہے کہ خداوندِ عالم جل و علا شانہ کی دوستی کا مدعی ہو اور کسی غیر خدا کو دل میں جگہ دے۔ یہ پہلا قدم ہے اگر اسکی توفیق بھی حاصل نہ ہو تو کہاں کی درویشی اور کیسا تصوف ؟

اس کے بعد دوسرا مرحلہ آتا ہے کہ طالب کے دل میں خدا کی محبت اس قدر غالب ہو کہ دنیا و مافیہا کی ہر بات اس کے مقابل میں محو ہو جائے۔ دل اور دل کی ہر خواہش اس معبودِ حقیقی کے لئے وقف ہو۔ جب یہ کیفیت پیدا ہو جائے گی۔ تو پھر وہ قرآن کریم کے ذوق سے مست اور اس کی ہر آواز پر وجد کرے گا۔ اور جب وہ اس کی تلاوت کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے انوار و تجلیات سے اسکا دل نور ہو جائیگا

یہ ایک سچے درویش (صوفی) کی پہچان ہے اور تصوف ان ہی باتوں کا حامل ہے۔ اگر جاہل لوگوں نے اس میں آمیزش کر کے اسکا ڈھانچہ بدل دیا ہے تو انہیں تصوف یا سچے صوفیاء کا کیا تصور۔ کیونکہ صاف اور پاکیزہ پانی و مال ملتا ہے جہاں سے چشمہ پھوٹتا ہے پھر وہ جہنمی بن سے گزر گیا وہی اس میں رنگ آمیزی ہوتی جائیگی اسلئے معاندین کو تصوف پر خامہ فرسائی کر نیے پہلے متقدمین کے حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ تاکہ ان پر تصوف کی حقیقت منکشف ہو اور اسکی اصل سے واقف ہو سکیں۔ تصوف کی ماہیت اصلیت پر بحث کرنا درحقیقت صاحبِ دل لوگوں کا کام ہے کیونکہ اس میں اکثر کیفیوں کا تعلق وارداتِ قلبی کے ساتھ ہوتا ہے جو لوگ تزکیہ نفس اور ریاضتِ عبادت کے ذوق و شوق کے بغیر تصوف کی حقیقت کو دریافت کرنا چاہتے ہیں۔ وہ اس اندھے کی طرح ہوتے ہیں جو کدو حشمی کے باوجود آئینے میں اپنے خدو خال دیکھنے کا متمنی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کے معاندین جب اس موضوع پر قلم اٹھاتے ہیں تو بصیرت نہ رکھنے کی بنا پر قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے ہیں اور نہایت مضحکہ خیز غلطیاں کرتے ہیں۔

تصوف کے معاندین نے جو بے تعلقی کا لبادہ اوڑھ کر گزشتہ دور فتن میں لکھا ہے۔ اس کے لئے وقت کا تقاضا تھا کہ کوئی صاحبِ دل بزرگ ان کے اعتراضات کا مسکت جواب دیتا۔ چنانچہ میرے مخدوم و محترم حضرت قدوة السالکین مولانا الحاج صوفی ابوالفیض قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی مدظلہ نے اس جانب توجہ فرمائی اور اس موضوع پر قلم اٹھایا۔ حق تو یہ ہے کہ یہ آپ ہی کا حصہ ہے۔ کیونکہ علم و فضل کے ساتھ ساتھ آپ صاحبِ سجادہ و تقویٰ بھی ہیں اور تصوف و درویشی کی انتہائی منازل پر عبور بھی رکھتے ہیں۔ گویا آپ کی ذات گرامی شریعت و تصوف اور علم و عمل کا سنگم ہے۔ اس لئے اس نیک کام کے لئے آپ سے زیادہ اور کون موزون ہو سکتا ہے۔

آپ نے نہایت سیدھے سادھے مگر دل نشین انداز میں کہ تصوف کیا ہے؟ اس کے اجزائے ترکیبی کیا ہیں؟ اس کا اسلام کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ صوفی کسے کہتے ہیں؟ صوفیانہ اخلاق و اعمال کیا ہیں؟ صوفیائے اسلام کی خدمت کس کس رنگ میں کی ہے؟ اور مسلمان بحیثیت قوم تصوف اور ارباب تصوف سے کس حد تک متاثر ہوئے ہیں؟ اسلامی تصوف اور غیر اسلامی تصوف کا کیا فرق ہے؟ متعرضین تصوف کی یادہ گوئی، وغیرہ وغیرہ کے موضوعات پر بحث کی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ آپ نے اپنے سارے استدلال کی عمارت قرآن کریم کی آیات اور احادیث نبوی علیہ السلام پر رکھی ہے اور اپنے دامن کو ادھر ادھر کے غیر مستند اقوال سے آلودہ نہیں ہونے دیا۔ اور نہ ہی بحث میں ذاتی جذبات کو

کو جگہ دی ہے۔

کتاب "الفقر فخری" اس قابل ہے کہ اس کا مطالعہ کیا جائے تاکہ تصوّت کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں ان سے ارباب تصوّت اثر پذیر نہ ہوں۔ اور وہ فرائض جو بہت حد تک صوفیاء کرام نے ادا کئے ہیں وہ معاندین کی رقیبانیہ دراندازیوں سے پریشان ہوئے بغیر برابر ادا کرتے چلے جائیں۔ کیونکہ زمانے کے حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ سلف صالحین کی طرح دورِ حاضر کے متصوّفین جبر سے فریضہ تبلیغ کے لئے آمادہ ہوں۔ غیر مسلموں کو اسلام سے اور مسلمانوں کو اسلامی اخلاق اور طریق کار آشنا کریں کیونکہ انہوں نے اپنی عملی زندگی میں یہ دونوں فرض ادا کئے ہیں۔ بحثوں میں پڑنا قیل و قال میں الجھنا اور مناظروں کے تکلفات سے آلودہ ہونا، صوفیانہ نظام زندگی کے بالکل خلاف ہے۔ انہوں نے جو کیا وہ عمل کی معجزانہ قوت سے کیا اور آج بھی جو ہوگا اسی قوت سے ہوگا۔ آج اسی قوت کی ضرورت ہے۔ اور زمانہ اسی کے لئے چشمِ براہ ہے۔

محمد علم الدین سالک
ایم۔ اے



انتساب

نفیر اس حقیر تصنیف کو پیشوائے اولی الالباب، حافظ افضل شرع
والکتاب، واقعہ اسرارِ احدیت، کاشفِ انوارِ صمدیت، مقیمِ خیامِ جلال
علیمِ حجابِ جمال، حضرت خواجہ میاں غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ ہندوی حیاتِ گرامی
گجراتی کے اسمِ گرامی سے معنون کرتا ہے جن کی ذاتِ معنویہ صفات کے
فیضِ باطنی سے سینکڑوں تشنہ کا مانِ شرابِ معرفت اور ہزاروں تلاشیاں
نورِ ہدایت کیا سے کیا ہو گئے ہیں۔

اشارہ

زندہ جاوید ہو جاتا ہے وہ مردِ خدا
موت تو قبل ان تموت کو جو سمجھے زندگی



قابلِ حمد و ستائش وہ معبود مطلق و محمودِ برحق ہے جس نے ہر زوال و نقص
 سے پاک اور مثال و شرکت سے متبرک ہوتے ہوئے اس ظالم و جاہلِ خاکی پستلے
 کو اعتبار دہتی بخشا اور *الْإِنْسَانُ سِتْرِي وَأَنَا سِتْرُكَ* کے شرف و مجد سے نواز کر
 عقل و خرد کی روشنی عطا فرمائی۔ مگر اسکی چشم ہمیشہ اُس کے مشاہدہ جمال میں
 خیرہ اور دیدہ تر ملاحظہ کمال میں تیرہ رہی۔ پھر صراطِ مستقیم کی کھلی راہیں متعین
 فرما کر نہ صرف پہچان کی صلاحیت ہی مرحمت فرمائی بلکہ لکھو کھسا ابیاء و مرسلین کو
 مبعوث فرما کر اس پر چلنے کی تمام آسانیاں اور سہولتیں بھی بہم پہنچا دیں۔
 فَالْحَمْدُ لِلَّهِ عَلَى إِحْسَانِهِ

نعت

بے شمار درود و سلام اس ہادی سُبُلِ ختمِ رسل، مولائے کل محمد رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچانے والوں نے خاتم الانبیاء مبعوث ہو کر یقین و حق الیقین کی
 محفل کے متلاشیوں کو ضیاء ایمان و نور الیقان بخشا اور اللہ کریم کے آخری
 پیغام کے ذریعہ خلقت انسان کا حقیقی مقصد و تحقیقی راستہ ایسا صاف و
 غیر مشتبہ طریق پر سمجھایا کہ جس کے بعد کسی کو حجت انکار باقی نہ رہی بہر سرکش و
 متمرد انسان کو راہ کے کامل ہونے کا یقین اور ہر سعید روح کو حصول معرفت
 الہی میں کمال نور دین حاصل ہو گیا۔ **وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمَ**

الْحَاجَّاتُ فَقِيرٌ

تو بعلم ازل مرادیدی

ویدی آنکه بعیب بخردی

تو بعلم آل و من بعیب هال

رو من آنچه خود پستیدی

الفقر فخری

یوں کریں فریاد جب ، رکھتے نہیں فریاد رس
ساڑہ برگ کارواں ہے اور نہ آواز ہر سس

دم بخود ہیں اپنے عالم میں اسیران نفس
اپنا مسلک ہے فقط اللہ ہیں باقی ہوس

رات دن کرتے رہے ہیں نفس کی قربانیاں

مخبر الفقر فخری ہیں یہ سبے سامانیاں

بائے استبرق و قاتم سے ہم کو کام کیا
داستان شکوہ ہائے گردش ایام کیا

ساغر جمشید کیا اور بادہ گلغام کیا
رات دن یکساں ہیں ہم کو صبح کیا اور شام کیا

چشم عبرت میں ہمیشہ سے یہ دونوں رنگ ہیں

دل کے پردے اس نواسے ساڑہ ہم آہنگ ہیں

بے بقا ہے جب تو یہ انشا غلط و فقر غلط
جلوہ مہر مبین و تابش اختر غلط

نظم ستیارت و ثوابت صورت محور غلط
نقطہ نقطہ فرد ہستی کا ہے سرتا سر غلط

اس نمود بے بقا سے کسب عبرت کیجئے

عالم کثرت میں رہ کر درس وحدت لیجئے

وہم باطل کار عقل تفرقہ پرواز ہے
ساڑہ نیرنگ جہاں بھی دیکھئے کیا ساڑہ ہے

دل پہ قبضہ ہو جسے وہ مایہ صندان ہے
مختلف پردے ہیں لیکن ایک ہی آواز ہے

نور پیدا ہو رہے ہیں ایک ہی تنویر سے

اتنی تصویریں کھینچی ہیں ایک ہی تصویر سے

عیش فانی کا تصور لغو ہے، بیہودہ ہے
 محبت دُنیا سے دل غم آشنا سودہ ہے
 اک حسیب فقر ہے وہ بھی غبار آلودہ ہے
 صبرِ یوپی ہمارا شیوہ فرسودہ ہے

درو دل را میکنم با ضبط بیوندے دگر
 بر طیب خود تغافل میزنم چندے دگر

ہم کو اُس سے کیا غرض ہو قصر گردول کا جواب
 نقش ہے جس پر لَدُ وَالْمَوْتُ وَالْبُؤْسُ لِلْخَرَابِ
 ہم جہاں ہیں وہ زمیں ہے روکش صد آفتاب
 ذرہ ذرہ ہے ہماری خاک کا حکمت مآب

بارگاہِ حق میں ہیں حاضر ہمیشہ دل بکفت
 خاک کے پتلے ہیں ہم اور نوریوں پر ہے شرف



شکرِ نعمت

شکرِ نعمت ہائے تو چند انکہ نعمت ہائے تو
عذرِ تقصیراتِ ماچستہ انکہ تقصیراتِ ما

انسانِ خاکی کی خاک کا ہر ہر ذرہ اور اس کے مرکبِ جسم کے خون کا ہر قطرہ پر درگاہِ عالم کی بیشمار احسانندہ لیں اور رحمتوں میں جکڑا ہوا ہے۔ اور ہر مسلمان پر سب سے بڑا انعام یہ ہے کہ اس کو ایمان و ایقان اور دین و قرآن کی دولت سے سرفراز فرمایا گیا اور اپنے حبیبِ پاک صاحبِ لواک سید المرسلین رحمۃ اللعالمین سرورِ کائنات مختارِ شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں اور فرماں برداروں میں پیدا کیا۔ یہ وہ عزت افزائی اور سرفرازی ہے جس کے سامنے ہر نعمت بیچ ہے۔ اور جس قدر بھی شکرِ کس نعمت کا ادا کیا جائے کم ہے حقیقتاً انسان شکر گزاری کی ذمہ داری سے سبکدوش ہو نہیں سکتا۔ اور اس شکر گزاری کی پہلی کڑی اُن بزرگانِ دین کا بھی شکر ادا کرنا ہے جن کے ذریعہ سے یہ دولت ہمیں نصیب ہوئی۔ کیونکہ حضور پروردگار شافع یوم النشور علیہ السلام کا ارشاد ہے۔ مَنْ لَمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللَّهَ یعنی جو انسانوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ خدا کا شکر گزار بھی نہیں ہو سکتا۔

ان بزرگانِ دین کے اس احسانِ عظیم کا حقیقی شکر تو یہ ہے کہ ہم اُن کے نقشِ قدم پر چلیں اور جو جہد و جد انہوں نے دین کے تحفظ و بقا کے لئے میدانِ تبلیغ میں کی ہے۔ اس میں ان کے شریکِ کار و حال بنیں۔ اور وہی دولتِ ایمان و ایقان و دین و قرآن جو اُن کی پاک جوانیوں اور مقدس نفوس کے صدقہ میں ہم تک پہنچی ہے۔ ہم بھی دوسروں تک پہنچانے کی کاپی لیں۔ اور ادنیٰ درجہ کی شکر گزاری یہ ہے۔ کہ اپنے آپ میں بصورتِ عمل ان کے ناموں اور کارناموں کو روشن رکھیں۔ جب شریعتِ مطہرہ میں جسمانی انساب کے بقا و تحفظ کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے۔ تو مقصدِ حیات یعنی روحانی سلسلہ کا بقا اور تحفظ بھی یقیناً ضروری و لازمی ہے۔

جن نفوسِ قدسیہ نے اپنے انعامِ طیبہ کو رضا الہی سے سرشار کیا۔ بلاشبہ اُن کے متبرک ناموں کا دروازہ اُن کی

مقدس زندگیوں کا تذکرہ خوشنودی خداوندی کا سبب اور ایمان کی تازگی کا موجب ہوگا۔ اِنْدَا اُنْ کے اسماء گرامی کی برکات سے
 بہرہ ور ہو کر ایک بے پناہ خیر اور بہت بڑی سعادت کا لُحْشِکْ ادا کرنا ہمارا فرض ہے۔

وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ اَتَّبَعَ الْهُدٰی

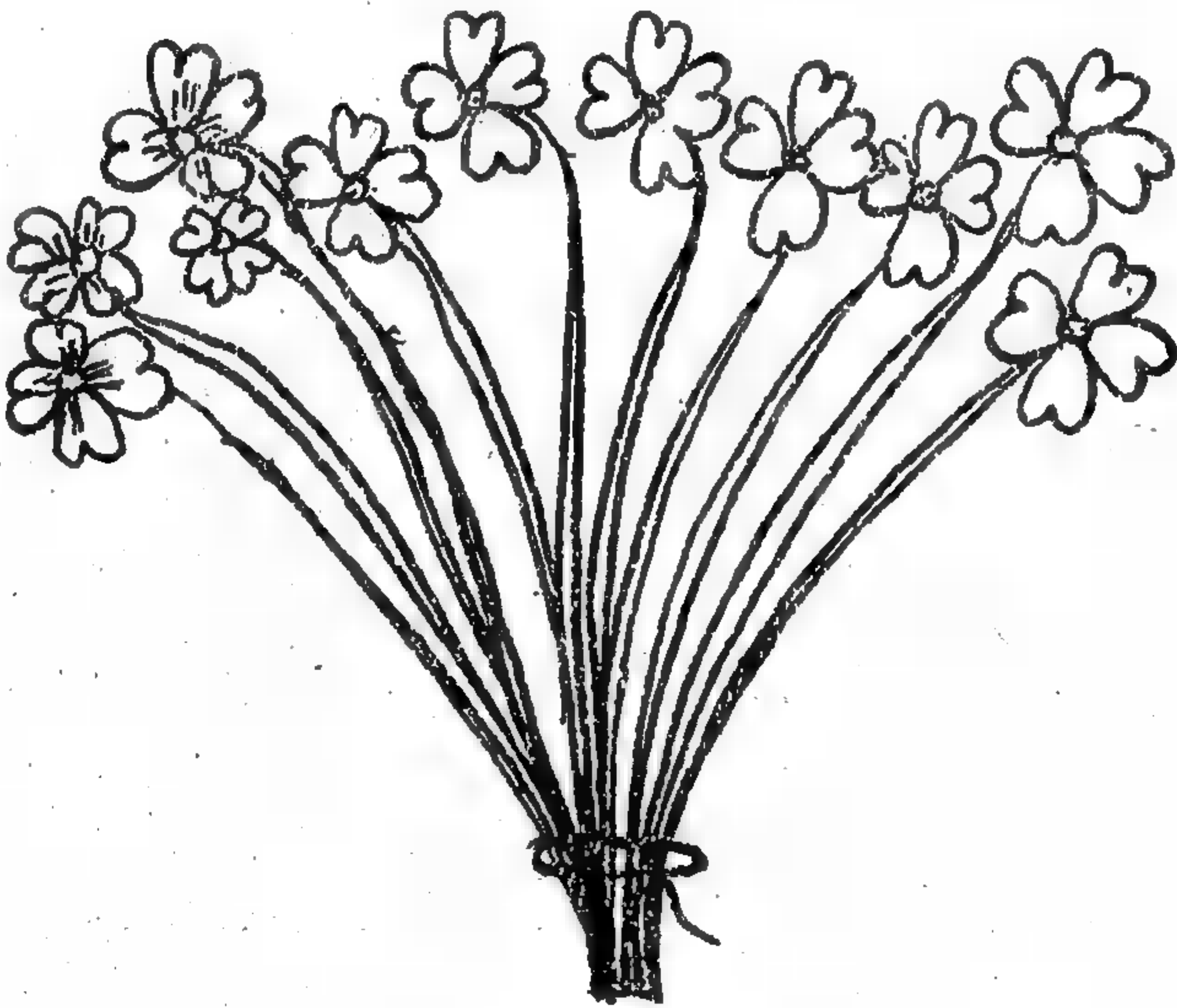


سید تالیف کتاب

یہ کتاب ساری کی ساری اُن نام نہاد درویشوں، جاہل صوفیوں اور لنگوٹ بند ملنگوں کے لئے معرض تحریر میں لائی جا رہی ہے۔ جو امور تصوف اور درویشی کی حقیقتوں سے ناواقف ہوتے ہوئے فریب نفس میں الجھ کر ایک خود ساختہ اور مبالغہ آمیز تصوف کو جو شرک سے ڈانڈے ملا دینے والے تخیل کا حامل ہو ایجاد کر کے بیٹھ جاتے ہیں جس میں نہ حقیقی اعتدال ہوتا ہے اور نہ شرعی اعمال و اصطلاحات کے ساتھ اس کی کوئی حد ملتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بقول پیر رومی یہ لوگ خود نامرد اور مردوں کے راہزن بن جاتے ہیں۔ کیونکہ غیر شرعی درویشی کے حامل معصوم تو ہو نہیں سکتے اور بحیثیت بشر اُن سے معصیتوں کا صدور بھی ناممکن نہیں۔ بلکہ اس درویشی کے دائرہ میں رہ کر بھی وہ مختلف خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ نہیں ہوتے تو تصوف کے عام مسائل میں ان کی رائے بھی وہی درجہ رکھیں گی۔ جو عام انسانوں کی آرا رکھتی ہیں۔ اگرچہ عوام کے مقابلہ میں وہ اپنے فضائل و کمالات کا پلہ بھاری ہی گمان کرتے ہوں یا اُن کی بصیرت کا کوئی روحانی پہلو تقرب الی اللہ کے وسائل میں صاف بھی ہو۔

اس ضرورت کا دوسرا بنیادی پتھر یہ بھی ہے کہ حضرات صوفیاء متقدمین رحمہم اللہ دنیا سے تشریف لے گئے۔ اور اُن کے اوضاع و اطوار اعمال و اشتغال، طور طریقے بھی ان کے ساتھ ہی رخصت و فنا پید ہو گئے۔ اب بجائے اُن کے جو لوگ ہیں اور اُن کی نیابت کے مدعی وہ عبادات شرعیہ کے تارک غفلتوں اور شہوتوں میں مبتلا ہیں۔ حضرات محققین صوفیاء کے اٹھ جلنے کے بعد آج ہمارے زمانے میں اُن مقدس بزرگوں کی بس یاد ہی باقی رہ گئی ہے۔ اُن کے نقش قدم پر چلتے کے دعویدار اُن کے وظائف و اعمال کو تو فخریہ ذکر کرتے ہیں مگر اُن کی درویشی کا اصل طریق کار ان میں مفقود نظر آتا ہے۔ متقدمین کے میدان طریقت میں ایک علاج سناٹا چھا گیا ہے۔ نہ وہ معمر و کم سن سال بزرگ باقی ہیں جن کی راہ پر چلا جائے اور نہ وہ جوان جن کی سیرت کو مشعل راہ سمجھا جائے۔ زہد و تقویٰ کی ساری بساط اُلٹ کر حص و طمع کا دور دورہ ہو رہا ہے۔ شریعت عبرا کا احترام تک دلوں سے مٹ گیا ہے۔ اور دین کی طرف سے بے پرواہی قطعی آسان ہو گئی ہے۔ احکام کی عظمت نہیں رہی اور عبادات شرعیہ نماز روزہ کی بے وقتی دلوں میں گھر کر چکی ہے۔

جب ان مدعیان فقر ہی کی اخلاقی پستی حد سے گزر جائے تو عبادت و طاعت میں انہماک رکھنے والے کیونکر اور کہاں سے پیدا ہوں گے یہی لوگ اگر شریعت کی پیروی کی بجائے اس کی خلاف ورزی کو باعثِ فخر سمجھنا شروع کر دیں۔ اور روح کے تزکیہ سے کوئی واسطہ ہی نہ رکھیں تو فقرِ محرمی علیہ الصلوٰۃ والتسلیمات کی تلاش انہاں سے کی جائیگی۔ پھر طرہ یہ کہ سرتاپا غلبہٴ نفسانیت میں مغلوب ہوتے ہوئے اور مادی حرکتوں کے باوجود بھی ان کا دعویٰ وہی شیخیت اور روحانیت کا قائم رہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہی حضرات کی اس روش سے مخالفین کو حقیقتِ تصوف سے انکار اور منکرین کو مسلکِ حقیقت پر اعتراضات کے مواقع کثرت سے ملنے لگے ہیں۔ لہذا ضروری معلوم ہوا کہ اس جماعت کے سامنے ایک ایسی کتاب پیش کی جائے جو حضراتِ فقرا و صوفیائے متقدمین کے صحیح اخلاق و اعمال اور عقاید و معلومات کی مرقع ہو۔ تاکہ خود ساختہ مہوفیوں اور ان کے گھڑے ہوئے تصوف کے نقوش کی اصلاح ہو سکے۔ واللہ التوفیق۔



عرض حال

فقیہ ابوالفیض قلندر علی سہروردی کو ٹلوچی سیالکوٹی ٹیم لاہوری یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہود ہائے باہود اولیائے کرام و بزرگان عظام و صلحائے نام اہل بہان کے لئے رب العزت جل شانہ کی نعمت عظمیٰ و عنایت کبریٰ ہیں۔ کیونکہ ہمارے آقا و مولا مختار و وہما باعث تخلیق کون و مرکان سپیدائش و جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں تمہیں ابدال ہیں۔ جن کے سبب سے زمین قائم ہے۔ اور انہی کے سبب و برکت سے لوگوں پر مینہ برسائے جلتے ہیں۔ انہی کی وجہ سے مدد و در فتح پاتے ہیں۔ اور ان ہی کی وجہ سے رزق دیئے جاتے ہیں۔ پس جس شخص نے اس نعمت کی شکر گزاری سے منہ موڑا۔ اس نے بارگاہ خداوند عالم کو چھوڑا حقیقتاً افضل ترین عبادت اور موثر ترین اطاعت صحبت اہل کمال و مجالست مقربان بارگاہ ذوالجلال ہی ہے۔ مقدونیہ کے زندہ جاوید حکیم حضرت مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ۱۔ شعر

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

پس اگر کسی کو دولت صحبت و سعادت مجالست میسر نہ ہو تو ذکر اذکار و اتباع و آثار بزرگان دین بھی ایک طرح کی صحبت ہی ہے۔ کیونکہ ”ذکر حبیب کم نہیں و عمل حبیب سے“ ہمت افزائی اور ظلمت زدائی میں اسکی بھی وہی تاثیر ہے جو صحبت اور مجالست کی ہے۔ نیز بزرگان عظام کے تذکار میں بے شمار فوائد ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی کا ذکر دلیل محبت ہے اور محبت محب کو محبوب تک پہنچا دیتی ہے۔ الْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ۔ دوسرے یہ کہ محبوبان بارگاہ کا ذکر بھی باعث تقرب الی اللہ ہے۔ کیونکہ محبوب کو ذکر اپنے محب کا مرغوب اور محب کو یاد اپنے محبوب کی محبوب ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ حسب ارشاد عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ مَوْجِبَ نَزُولِ رَحْمَتِ بَارِي ہے۔ حضرت ابوعلی و تاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مقبولان بارگاہ کا محض ذکر سننا بھی اگرچہ اس پر عمل نہ ہو سکے قائدہ سے خالی نہیں۔ اگر مرد طالب ہوگا تو اس ذکر سے ہمت اس کی بلند ہوگی اور طلب اس کی بڑھے گی اور اگر اس میں رعوت ہوگی تو وہ ٹوٹ جائے گی

یہاں تک کہ اس کو اپنا نیک و بد نظر کرنے لگے گا۔ اور اگر وہ کور باطن نہ ہوگا تو خود مشاہدہ کرے گا۔ چنانچہ حضرت شیخ محفوظ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں لَا تَزِنُ الْخَلْقَ بِمِيزَانِكَ وَزِنَ نَفْسِكَ بِمِيزَانِ الْمُؤَقِنِينَ لِتَعْلَمَ فَضْلَهُمْ وَأَفْلَاسِكَ
یعنی تو خلق خدا کو اپنے ترازو میں وزن نہ کر بلکہ اپنے آپ کو مردان خدا کے ترازو میں وزن کر تاکہ تو اُن کی فضیلت اور اپنے افلاس سے واقف ہو۔ کسی نے حضرت امام المتقین فخر الاولیاء و سید الطائفہ حضرت ابوالقاسم جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کسی ارادتمند کو بغیر عمل کے محض بزرگان سلسلہ کے روایات و حکایات سے کیا فائدہ پہنچتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ کہ یہ ایک شکر اللہ تعالیٰ کے شکر دل سے ہے۔ اس سے مرید کو مدد پہنچتی ہے۔ اور اس کی دل شکستگی و الجھی سے بدل جاتی ہے اس کا ضعف قلب دور ہو کر دل پابا ہو لکھی میں قوی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَكَلَّا نَقْصُصُ عَلَيْكَ مِنَ الْانْبَاءِ الرَّسُلِ مَا نُنْثِثُ بِهِ فَوَادِّكَ يَعْنِي اے محبوب ہم اگلے پیغمبروں کے قصے آپ کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کا دل اس سے ثبت دوام اور مکمل آرام حاصل کرے۔ اور قوی ہو جائے۔ اس کے ماتحت مولانا جلال الدین گروی شتوی میں فرماتے ہیں:-

عاصیاں راسے زباند از عذاب	ذکر نیکو رفتگاں دارد ثواب
ہمنشان ملائک یافتم	پہل بہ نیکو رفتگاں در ساختم
کے بد اند و اصلانش راجد	ہر کرا باشد محبت با خدا
یہج فرق در میاں بود روا	اولیاء اللہ . اللہ اولیاء
یاد نیکاں یاد آں سبحاں بود	ذکر ایشان ذکر آں یزداں بود

پس جب سے یہ عاجز سلسلہ ارادت و سعادت بیعت حضرت ولایت منزلت قیوم زماں واقف اسرار ذات محمد مولانا الحاج قبلہ میاں غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ سروردی میں داخل ہوا۔ ہمیشہ یہی خیال رہا کہ کچھ حال خیر مال مقبولان ذوالجلال کا اس طرح تحریر میں لائے کہ آئندہ آنے والی جماعت تیلانیان تو گوارہ حق و متجسسان فقر اوق کو منزل فقر واضح تر ہو جائے کیونکہ صوفیائے کرام کے خصائص و معارف و حقائق و لطائف کا جس قدر ذخیرہ آج ہمارے سامنے ہے۔ اس سے عوام دو وجہ سے فائدہ اٹھانے سے قاصر ہیں۔ ایک یہ کہ عربی فارسی زبان میں جو اس ذکر خیر کا مجموعہ ہے۔ اس سے موجودہ دور کے عربی فارسی سے ناواقف حضرات بالکلیہ محروم رہتے ہیں۔ دوسرے اردو تراجم جن میں بڑا سقم یہ ہے کہ بعض مترجم

حضرات خود اصطلاحات تصوف و مقامات فقر سے بے برہ ہونے کی وجہ سے بغیر صحیح مفہوم ادا کئے کے بڑے آرام سے وہی الفاظ تراجم میں بھی چپکا دیتے ہیں جو اصل متن عربی و فارسی میں دقیق ہوتے ہیں اور جن کے مطالب بیان کرنے کے لئے ترجمہ کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی یا زحمت اٹھانی پڑی تھی +

مگر فقیر کو ہمیشہ اپنی بے بضاعتی و بے سروسامانی اور بے مانگی و ہیچدانی مانع و مزاحم رہی۔ کہ کیونکر اپنی علمی و عملی کمزوری کے ماتحت اس میدان عرفان میں قلم اٹھانے کی جرأت کرے۔ یہاں تک کہ شمسہ صبحی المقدس آگیا۔ اور یہ مسئلہ لازم فی الذہن ہی رہا۔ ایک روز عالی جناب قبلہ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ تو حضور نے فرمایا کہ فی زمانہ بہت سے جاہل درویش اور نام نہاد فقیر شرعی تصوف و احسان اور کشف و عرفان کے خلاف کلام کرتے ہیں۔ اور راہبان ہند کی تعلیم اور رنگوٹ بندی و بھنگ نوشی کی تفہیم نے ان کو اصل معارف و آیات فقر سے قطعاً دور پھینک دیلے اور وہ اپنے خود ساختہ فقر اور خود کاشتہ سحر پر عوام کو فریب دے کر گمراہ کر رہے ہیں۔ اس موضوع پر کچھ لکھنا چاہئے تاکہ اس فتنہ کا سد باب ہو۔ اور حقیقت یہ ہے کہ طالبان حق اس وقت ایک ایسی عام فہم اور مستند کتاب کے خواہشمند بھی ہیں جس میں غلط تعلیم و تربیت سے پاک اور رہبانیت کی آمیزش سے صاف صحیح اسلامی طریقت کو پیش کیا گیا ہو۔ اور وہ مسائل فقر جو مخلوط ہو کر جوگ و اشراق کے معتقدات سے قریب ہو گئے ہیں۔ مفصل بحث کے ماتحت بالکل روشن اور واضح تر ہو جائیں۔ گویا حضور نے بھی وہی امر فرمایا جو پہلے فقیر کے اپنے ذہن میں تھا۔ اور اس امر کے پورا کرنے پر مستقیم ہونے کے ہدایت فرمائی۔ پھر تو اپنا پرانا خیال تازہ ہو گیا۔ اور وہ تساہل و تردد جو پہلے تھا، رفع ہو کر ارادہ میں دوبارہ استحکام کی صورت پیدا ہو گئی۔ فقیر نے صدق بہت اور خلوص نیت سے اس ارشاد کے پورا کرنے میں قلم اٹھایا۔ اور السَّعْيُ مَسْتَعِيٌّ وَالْإِلْتِمَاعُ مِنَ اللَّهِ پر نظر رکھتے ہوئے لکھنا شروع کر دیا۔ جس کا نتیجہ بتائید رہا یہی اور اوراق پریشان مہمان فقر و فقیر اور خادمان اولیاء اللہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ مولا کریم قبول فرمائیں اور طالبین حق کثیر فوائد حاصل کریں۔ لہذا قارئین کرام سے یہ استدعا ہے کہ جب اولیاء کرام کے پاکیزہ نفوس کی برکات اور ان کے مقدس ارواح کی حسنت سے ان کا وقت خوش ہو۔ تو ان اوراق کے مولف کو بھی دعائے خیر سے یاد فرمائیں۔ بَارِكْ اللَّهُ لَنَا فِي دِينِنَا وَدُنْيَانَا۔

مقدمہ

کہا جاتا ہے کہ یہ زمانہ الحاد و زندقہ و دہریت و مادہ پرستی کا ہے جس میں روحانیت اور متصوفیت سے بعد المشرقین ہے۔ دورِ حاضرہ کے ترقی یافتہ انسانوں کے نقطہ نظر میں کسی تعلیم کے روحانی اثر کا قائل ہونا ایک بے دلیل بات اور لغو عقیدہ ہے۔ روحانی کمالات اور روحانی قوتوں کو تسلیم کرنا پڑانے زمانہ کے احمقوں کا ایک بے معنی تخیل ہے۔ مگر ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا جس قدر مادیت میں ترقی کرتی اور عقلی نظریات و محسوسات کے پھندوں میں پھنستی جا رہی ہے۔ وہ اسی برق رفتاری کے ساتھ تصوت و روحانیت کی طرف بھی آ رہی ہے وہ منبع جس سے مذکورہ بالا قبیح خیالات پھوٹ پھوٹ کر نکلے تھے۔ اسی سے اب روحانی اثر کی آوازیں بھی نکلی رہی ہیں۔ گو ابھی تک وہ نہایت مدہم ہیں۔ مگر سننے والے انہیں سن رہے ہیں اور محسوس کرنے والے انہیں محسوس بھی کر رہے ہیں۔ کہ اہل دنیا کی یہی مادی ترقی روحانی ترقی میں ممد و معاون ثابت ہو رہی ہے۔ اور انسانوں کو مادیت سے بیزار کر کے انہیں روحانیت سے سکون حاصل کرنے کی جانب راہ نمائی کر رہی ہے۔ فَاَلْحَمْدُ لِلّٰہ

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ خدا طلبی اور خدا رسی کا اولین ذریعہ کتاب و سنت ہے اور قرآن کریم نے بتلایا ہے کہ انسانی زندگی کی غرض و غایت صرف عبادت الہی ہے۔ پھر عبادت کے لئے تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کی سخت ضرورت ہے اور تصفیہ قلب و تزکیہ نفس ہی تصوت کی اساس ہیں۔ پھر تصوت کے لئے فقہ کی احتیاج ہے جس طرح شرع شریف کے مطابق عمل کرنے کے لئے فقہائے قرآن و حدیث کے مسائل کو استنباط کر کے فقہ کی صورت میں ایک جگہ جمع کر دیا ہے اسی طرح صوفیائے کرام اور اولیائے عظام نے بھی تصفیہ قلب اور تزکیہ نفس کے اصول و قوانین کو شرع شریف سے استخراج کر کے ایک جامع منضبط فرما دیا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ عوام کیلئے خدا طلبی اور خدا رسی کی راہ آسان ہو جائے۔ لیکن پھر بھی دنیا کی کثافتوں اور نجاستوں سے پاکیزگی حاصل کرنے، نفس و شیطان کے شر سے محفوظ رہنے اور خدا کی بارگاہ تک پہنچنے کیلئے کسی رہبر کی ضرورت باقی رہتی ہے۔ کیونکہ بغیر نور اتباع رسول علیہ السلام اور بغیر ضیائے اولیاء کرام کے کس راہ پر

چلنا دشوار ہے اس لئے کہ راہ جتنی محبوب اور آسان ہے اتنی ہی پیچ در پیچ اور پرخطر بھی ہے۔ شعر
 ہے وادی عشق بھی کیا وادی گلزار بھی ہے پر خار بھی ہے اس وادی کا طے کر لینا آسان بھی ہے دشوار بھی ہے
 اس راہ کے چلنے والوں کے شیاطین جن و انس اس قدر دشمن ہیں کہ بے نور ولایت متلاشی حق کا ایک قدم بھی چلنا
 محال ترین امر ہے حسب ارشاد حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو لا سستتان هلك النعمان یعنی حضرت سیدنا
 امام اعظم آخر عمر میں حضرت سیدنا امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت و ارادت میں رہے اور دو سال فیض باطنی کا حصہ
 پایا۔ تو فرمایا اگر یہ دو سال نعمان کی عمر میں نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا۔ گویا رہنمائی شیخ کامل ہی ایک وہ چیز ہے جس کی طفل
 گمراہی و ضلالت کا مطلقاً خوف نہیں رہتا اور سالک راہ نہایت پُر امن طریق پر ہلاکت سے بچتا ہوا بے فکری کے ساتھ چل
 کر سلوک کی منزل میں طے کرتا ہے اور یہی وہ ضرورت ہے جس کے ماتحت اسلام میں پیری مریدی کا سلسلہ قائم ہوا۔ چنانچہ
 نقشبندیہ سلسلہ کے ایک برگزیدہ بزرگ حضرت خواجہ محمد معصوم فرماتے ہیں:-

”کہ سیر و سلوک سے مقصود رسمی پیری مریدی نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مقصود اداائے وظائف بندگی اور نیستی و گناہی اور ذوال
 رعوت و انانیت نفس امارہ ہے کہ معرفت اسی سے وابستہ ہے“

پس حقیقی پیر اور سچا شیخ وہ ہے جو مرید کو طریقت کی پہنائیوں میں لینے کے بعد اس میں ایک تغیر و انقلاب پیدا کر دے اور
 عملی قواعد کے ضعف و اضمحلال کو دور کر کے اپنے ارادہ مند میں وہ قوت پرواز بھر دے کہ اس کی روح متنازع و متانس کے
 عرصہ حیات سے آسائش گاہ حقیقی کی جانب پرواز کرنے لگ جائے۔ اگر بیعت حاصل کرنے کے بعد مرید میں کوئی تغیر
 واقع نہ ہوا اور اس کی قوت عمل تیز نہ ہو جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ ایسی پیری مریدی محض ایک رسم پسری کی چیز ہے۔ اور دنیا
 میں اس کی غرض و غایت جلب منفعت کے مشغلہ کے سولے اور کچھ نہیں۔

آج کل چونکہ کثرت متکار و دغا باز لوگ ولایت کے مدعی ہو کر سادہ لوح انسانوں کے ایمانوں پر ڈاکہ ڈالتے پھرتے ہیں
 اور عوام میں دینی تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے اس قدر صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ اس قابل ہوں اور یہ دریافت کر سکیں کہ کون ان کی
 روحانی تشنگی کی تسکین کر سکتا ہے۔ اور وہ کسے اپنی رہنمائی کے لئے شیخ کہہ سکتے ہیں۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے
 کہ عوام کی واقفیت کیلئے ولایت کے چند آثار و خواص بیان کر دیئے جائیں۔ جن کے مطالعہ سے یہ تپہ چل جائے گا کہ حقیقتاً
 یہ آثار و خواص کسی غیروہی کا حصہ نہیں ہو سکتے اور نہ ہی وہ کسی غیروہی کی ذات میں جمع ہو سکتے ہیں۔ ان میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر

ہیں:-

اعتماد علی اللہ ، تسلیم و رضا ، استغناء ، تمول و ناداری کی مساوات ، عدم موجودگی کیسانیت
ہمت و شجاعت ، شرافت و نجابت ، جرأت و استقامت ، عزت و حرمت - خودی و
خودداری ، رعب و غلبہ ، غیرت و حمیت ، ہود و سخا ، جذب قلوب ، تاثیر کلام ، برکت صحبت
دلی آسودگی ، نفس و طبیعت کے ساتھ دائمی جہاد ، اور ماسوائے اللہ سے کلی انقطاع وغیرہ وغیرہ
حسنات صرف ایک مرشد کامل اور ولی حقیقی کا ہی سرمایہ حیات ہو سکتے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ پیر کا نہایت صلح ، پرہیزگار اور متبع
سنت ہونا اس کی زندگی کا نہایت پلو ہوتا ہے۔ وہ گناہوں سے پاک اور بدعتوں سے منزہ ہوتا ہے۔ ان شاہد ازان طریقیت
کے یہ اوصاف تصوف کی ہر کتاب میں مذکور ہیں۔ چنانچہ حضرت قبلہ شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سروردی رضی اللہ عنہ
فرماتے ہیں کہ ہم نے مریدوں کی تربیت دودھ پلانے والی عورت سے سیکھی ہے۔ اگر وہ ناخوردنی اشیاء سے پرہیز کرے گی
تو اس کے بچے کی صحت بھی اچھی رہے گی۔ اور پاکیزہ دودھ اس کے پیٹ میں جلے گا۔ ورنہ بصورت دیگر تمام خراب چیزیں
دودھ میں اثر کر کے بچے کی صحت پر بری طرح اثر انداز ہوں گی اور وہ توانا و تندرست نہ رہ سکے گا۔ یہی حال پیر طریقیت کا ہے
اگر پیر خود انفعال شنیعہ اور اعمال فلیحہ کا مرتکب ہوگا۔ تو مرید بھی یقیناً اس کے اتباع میں گناہوں پر زیادہ جری اور دلیر ہو جائے
گا۔ لہذا مرید کو صلح اور پرہیزگار بنانے کے لئے اشد ضروری ہے کہ پیر خود صالح ، پرہیزگار اور عامل و کامل ہو جس کی
مفصل تشریح آگے آئیگی۔ انشاء اللہ (یہاں یہ بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر کسی پیر سے بیعت ہونے کے
بعد یہ ثابت ہو کہ وہ غیر صالح ، ناقص ، نااہل اور خلاف شرع و بدعتی ہے۔ تو اس کی بیعت فسخ کر دینی چاہئے اس مسئلہ
سے متعلق کسی شخص نے حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الہی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص کسی کا مرید
ہو جائے اور بعد ازاں اس پیر کو باطل و بیکار پائے تو کیا وہ دوسرے سے بیعت ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اس پر
فرض ہے کہ دوسرے سے بیعت کرے۔ کیونکہ اگر کوئی شخص حنغل میں ہو اور قبلہ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے اندھیرے میں
کسی ایک سمت پر نماز پڑھ چکا ہو اور بعد میں اس کو معلوم ہو کہ قبلہ اس طرف نہیں جس طرف منہ کر کے میں نے نماز ادا کی
ہے۔ تو اسی سمت پر قائم رہنا اور آئندہ بھی اسی سمت پر نماز ادا کرنا اس کے لئے جائز نہ ہوگا۔ پس اسی طرح اگر کسی نے کسی کو اپنا پیر
بنایا اور بعد کو اس کے غیر شرع ہونے اور طریقیت کے نقص و عیب کا علم ہوا تو وہ اس قبلہ باطن نہیں ہو سکتا اور ایسے

پیر کا اتباع محض ضلالت و گمراہی ہے۔ کیونکہ شریعت ہی اساس طریقت، رہنمائے حقیقت اور پردہ کشائے معرفت ہے بغیر اتباع شریعت حصول کمال تصوّت امر محال ہی نہیں بلکہ اتحاد بھی ہے۔ لیکن فی زمانہ اہل زمانہ کا مذاق کچھ ایسا گہرا ہوا ہے کہ پاسداری علم معرفت کی تعلیمات و ارشادات ان کے سلاسل و شجرات مع تاریخ و سنین عرائس اور ہر خاندان کی امتیازی شان کے اثرات و علامات ہوتے ہوئے بھی بعض لوگ ایسے بے تحقیق طور پر اپنے اکابرین کی تعلیمات ترک کر کے دیتے ہیں گویا ان کے نزدیک کسی پابند شریعت پیر کی متابعت گناہ کبیرہ ہے۔ بلکہ بعض فریب خوردہ لوگ وہ ہیں جن کے نزدیک شریعت اور فقر و متضاد چیزیں ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ سینکڑوں نام نہاد فقراء مختلف لباسوں، رنگ، رنگ گجروں، خوبصورت کلا بوں طرح طرح کی ٹوپوں، قسم قسم کے خرقوں، بالوں کی رسیوں، گاؤ دم ڈنڈوں، شیروں کی کھالوں اور مرداروں کے سینگوں میں ملبوس نظر آتے ہیں جو حقیقتاً جو گیان ہند کی نقل ہے۔ اور وہ اس سب کچھ کی کوئی سند سوائے اس کے نہیں لا سکتے۔ کہ ہم سے پہلے جو گزر چکے ہیں وہ ایسا ہی کرتے تھے۔

حالانکہ اسلام کے عظیم پوش و محرم اسرار خدا رسیدہ حضرات جو پہلے گزر چکے ہیں اور جو اس وقت بھی موجود ہیں۔ اور جنکے مقدس وجود اسلام کی زینت اور مذہب کی رونق کا موجب ہیں۔ اور جن کی پاک جو اینوں کے صدقہ سے یہ معمورہ دنیا باوجود اپنی اس کثرت معصیت کے قائم و برقرار ہے جن کی محبت اللہ کی محبت، جنکی صحبت جنت کی چابی اور جن کی نیاز مندی قلب کی روشنی ہے، نے مسنون درویشی و فقر کی صاف و صاحت فرمادی کہ متبع شریعت ہی درویش ہو سکتا ہے جس نے پہلی منزل پر ہی قدم غلط رکھا ہو وہ جہاں تک چلے گا غلط رو ہی کہلائے گا۔ شعر

نشت اول چون ہند معمار کج تا ثریا سے رود دیوار کج

چنانچہ خواجہ احمد علیؒ فرماتے ہیں کہ ایسے ہی بندگان خدا سے محبت ایمان کی علامت اور ان سے بغض و حسد قہر و شیطان کی عادت ہے۔ جو انسان کسی خباثت باطنی کے ماتحت ان لوگوں سے دشمنی رکھے گا۔ وہ خدا کے دشمنوں میں شمار ہوگا۔ لَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْ شَرِّ ذٰلِكَ الْفَسَا

مگر مال فقیر کو یہ لکھنے میں بھی علامت کا ڈر نہیں کہ اہل اللہ کی محبت اور بے پناہ عقیدت ان کے در کی جہ سائی اور ان سے مخلوق خدا کی عقیدہ مندانہ دوہائی نے ہمارے ملک میں بے شمار نام نہاد و مرکا رجہ پوشوں اور زلفت درازوں کو پیدا کر دیا ہے جن کی کثرت سے کسی بے ریا اور ریاکار، حقیقی اور غیر حقیقی، اصلی و نقلی و رویش کا پتہ لگانا مشکل ہو گیا ہے

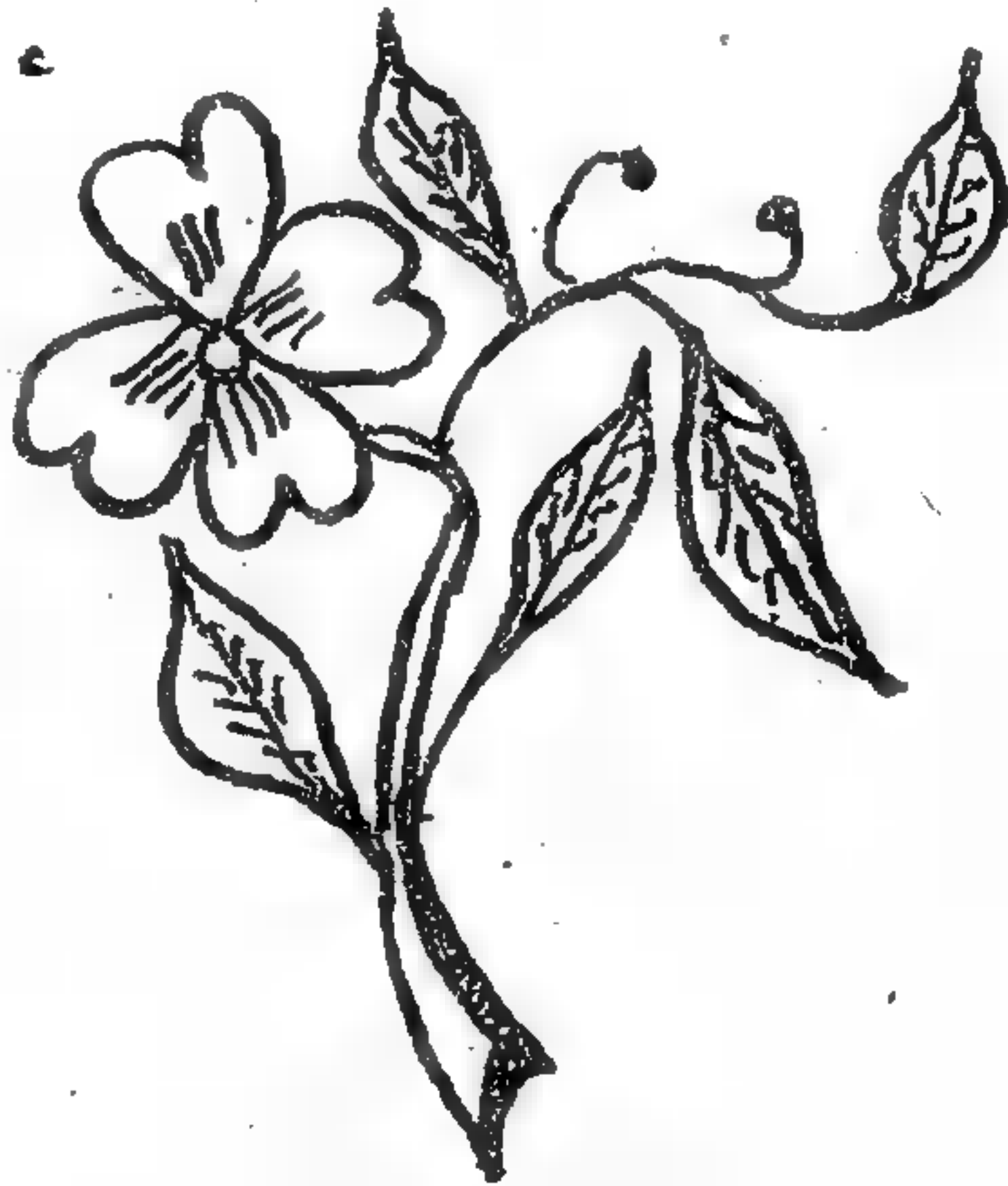
اور انہی کی وجہ سے ہمارے تعلیم یافتہ و سنجیدہ طبقہ میں قواعد طرقت اور رسم و راہ تصوف کی سخت بے حرمتی ہو رہی ہے
 کاش ایسے لوگوں کو جو درویشی کا دم بھرتے ہیں، اپنے آپ کو ملامت کرنے کی توفیق حاصل ہو اور مغالطہ یافتہ گردہ کو بھی
 نگاہ بنیلے تاکہ دونوں مدعی اور متلاشی قطعی انکار و گمراہی کی بجائے خاصانِ خدا کی تمیز و اتباع کر سکیں اور معرفتِ الہی
 سے محروم رہ کر دنیا سے نامراد نہ جائیں۔ چنانچہ اسی ضمن میں حضرت ابوسعید ابوالخیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تو چند اہلِ منزل
 کو دیکھ کر مردانِ راہِ خدا پر طعن نہ کر۔ کیونکہ یہ ایک وہ مغالطہ ہے جو منکر فقر کو تباہی کے گڑھے میں ڈال دیتا ہے
 اور وہ اپنا دین و دنیا کا مفاد کھو بیٹھتا ہے۔ اگر الہ آبادی کیا لطیف رنگ میں توجہ دلا گئے ہیں کہ۔ شعر

نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہو در سے پیدا

دین ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

گویا ان کے نزدیک معرفتِ الہی کے لئے محض علمی ذخیرہ پر اکتفا کرنا ایک فاش غلطی ہے جب تک اس

کے ساتھ کسی عملی نمونے کا اتباع نہ ہو *



معیار ولایت

تفصیل کے ساتھ تو یہ مسئلہ اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ ذکر کیا جائے گا۔ مگر یہاں صرف اتنا ہی بیان کرنا ضروری ہے کہ عوام و خواص کے نزدیک یہ تو ایک مسئلہ حقیقت ہے کہ تعلق الہی کے لحاظ سے مسلمانوں کے دو گروہ ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو خطاؤں اور معاصی کے عادی ہو کر اپنی خطاؤں کی تلافی رجوع الی الخیر سے کرتا رہتا ہے۔ اور دوسرا وہ جو مالک خالق حقیقی کو ہر لمحہ و ہر آن حاضر و ناظر سمجھ کر ہر قسم کی معصیت سے ڈرتا اور بچتا ہے۔ اور اپنی لوح اعمال کو خوف کے آنسوؤں سے دھو کر ہمیشہ ایسا پاک و صاف رکھتا ہے کہ اُس کا اُنیہ قلب انوار الہی کا گنجینہ بن جاتا ہے۔ اسی جماعت کو اولیاء اللہ کا نام دیا جاتا ہے۔ اور اسی جماعت کی طفیل عصیاں شعاروں کے تمام کام نکلتے ہیں۔ صاحب کتاب الاسلام نے اس بحث کو بحوالہ عقائد نسفی یوں لکھا ہے۔ وَالْوَلِيُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللَّهِ تَعَالَى وَصِفَاتِهِ مَا يُمَكِّنُ الْمَوَاطِئَ عَلَى الطَّاعَاتِ الْمُجْتَنِبِ عَنِ الْمَعَاصِي الْمُعْرِضِ عَنِ الْإِثْمَاتِ فِي الذَّلَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ۔ یعنی ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات میں حتی الامکان زیادہ معرفت رکھتا ہو۔ اطاعت الہی میں استغراق رکھنے والا اور گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو اور لذات و شہوات سے بیزار ہو۔ جس طرح تمام بندوں میں نبی خدا کا مقرب ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر نبی کی امت میں سے بعض لوگ روحانی و جسمانی کمالات کے سبب بارگاہ خداوندی میں باریاب اور مقبول ہو جاتے ہیں ان کی علمی اور عملی حالت امت کے تمام افراد سے ممتاز و نمایاں ہوتی ہے۔ ان کو تمام کمالات نبوت کی طفیل ہی حاصل ہوتے ہیں۔ اور نبی کی تابعداری سے ہی وہ اس مرتبہ کو پہنچتے ہیں۔ ان کو بڑی بڑی قوتیں اور نشانیاں دی جاتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں سے کرامت کا اظہار فرماتا ہے تاکہ اس کے نبی کی نبوت سے انکار کرنے والے اس کی کرامت کو دیکھ کر نبی کی صداقت کے قائل ہو جائیں۔ اسی سے اکثر بزرگان دین نے لکھا ہے کہ اولیاء اللہ کا وجود اور ان کی کرامت حق ہے۔ پھر اولیاء اللہ کے ذاتی خصائص کے متعلق لکھتے ہیں کہ شیخ عبد اللہ ابن المبارک نے ایک مرتبہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ولی کی کیا تعریف ہے۔ تو آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا: هُوَ الَّذِي فِي وَجْهِهِ حَيَاءٌ وَفِي عَيْنِهِ بُكَاءٌ وَفِي قَلْبِهِ صَفَاءٌ وَفِي لِسَانِهِ شَاءٌ

وَفِي يَدَيْهِ عِطَاءٌ وَفِي وَعْدِهِ وَفَاءٌ وَفِي لُطْفِهِ شَفَاءٌ یعنی ولی وہ ہے جس کے ہرہر چہارہ آنکھوں میں گریہ
دل میں پاکیزگی، زبان پر تعریف، ہاتھ میں بخشش، وعدہ میں وفا اور بات میں شفا ہو۔

حضرت قطب ربانی، غوث صمدانی، شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب فتوح الغیب میں اولیاء اللہ کے خصائص و اوصاف یوں بیان فرمائے ہیں کہ خدا کی محبت و رضا کو بلا طلب اغراض و اعراض منظور خاطر رکھتے ہیں اور نذل و اخلاص ان کا شیوہ ہوتے ہیں نفس کے ساتھ جہاد اور روح کو ذکر الہی سے زندہ کرتے ہیں۔ امیروں میں جب بیٹھیں تو اپنے ثروت و احترام کا غلبہ رکھیں اور فقیروں کی مجلس میں عاجزی کریں۔ بے شرمی، شوخی اور بدخلقی سے بچیں۔ مسلمانوں سے حسن ظن اور ان کے مفاد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں کوشاں رہتے ہیں۔ اور کسی کی بُرائی اور بغض و کینہ اپنے سینہ میں نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ جو شخص ان پر ظلم کرے اس کے حق میں بھی دعا کرتے ہیں۔ سوائے اپنے خالق و مالک خدا کے کسی کا خوف اپنے دل میں نہیں رکھتے۔ اور خلیق خدا سے بے نیاز ہوتے ہیں۔ ہمیشہ سچائی اور حق و صداقت کے دلدادہ ہوتے ہیں۔ ادا کے فرض میں کسی مصیبت اور آزمائش سے نہیں گھبراتے۔ اپنی روزی و قربت بازو سے پیدا کرتے اور کھانا حلال کھاتے ہیں۔ بقول حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ولی وہ ہے جس میں محبت الہی کی علامات پائی جائیں اور وہ اخلاق و اعمال میں متابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند ہو۔ یعنی اخلاق و افعال میں بہت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادا کرنا ہی علامت اہل اللہ اور سچی درویشی ہے۔

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی درویش کو ہو میں پرواز کرتا ہوا دیکھو تو اس کی اس کرامت سے دھوکا نہ کھاؤ۔ جب تک تم یہ نہ دیکھو کہ وہ حال و قال، حفظ حدود اللہ اور اوامر و نواہی میں کیسا ہے۔ اگر شریعت و سنت محمدی کا پابند پاؤ تو اس کی ولایت کا یقین کرو، ورنہ اس کے برعکس سمجھو۔ گویا جس کے اقوال و اعمال شریعت کے مطابق نہ ہوں۔ اس کو مردان خدا سے خیال کرنا ایک فریب نفس ہے۔ کیونکہ تصوف علوم دین کا خلاصہ ہے۔ جو باطنی اجتہاد سے حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تعلق علم ظاہر کے ساتھ جان و تن کا سا ہے۔ یعنی علم ظاہر تن ہے اور علم باطن اسکی جان ہے چنانچہ افضل الرسل سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ الْعِلْمُ بَدْوَنَ الْعَمَلِ وَبِالْعَمَلِ بَدْوَنَ الْعِلْمِ ضلال یعنی علم بے عمل عذاب ہے اور عمل بے علم گمراہی۔ اس سے ثابت ہوا کہ تصوف کیلئے شریعت اور شریعت کے لئے تصوف کی سخت ضرورت ہے۔ اور وہ دونوں ایک دوسرے کیلئے لازم و ملزوم ہیں۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ بعض اولیاء کرام و صوفیائے عظام جب حضور قلب اور حقیقت و معرفت کے انتہائی مدارج میں پہنچ جاتے ہیں تو کسی غلبہ محال کی وجہ سے ظاہری اعمال کے چندال پابند نہیں رہتے اور کبھی ایسے کلمات بھی منہ سے نکال دیتے ہیں جو کسرامر شریعت کے خلاف ہوتے ہیں اور ان کی یہ حالت اختیار سے باہر خود فراموشی کا سبب اور عالم محویت میں ہوتی ہے۔ مگر بعض وہ بھی ہیں جو ہوش و حواس کی قائمی میں ریاکاری کا اٹھو لگا کر ان شہیدوں میں ملنا چاہتے ہیں جیسا کہ آج کل کے بعض مصنوعی بدعتی فقیروں کا طریقہ ہے۔ اگر ہوش و حواس کے قیام کے باوجود کسی کا قول و فعل شریعت کے خلاف پایا جائے تو ایسے مرتکار اور بناوٹی سے دور رہو۔ اور جان لو کہ وہ اہل اللہ سے نہیں ہے۔ ایسے لوگوں کا احکام شریعت سے ہٹ کر درویشی کا مدعی ہونا اور یہ کہنا کہ اہل طریقت کی شاہراہ جدا گانہ ہے اور ہمارے لئے شریعت کی پابندی لازمی نہیں، شریعت اور چیرہ ہے اور طریقت اور ہمارے درویشانہ مسلک کے آئین و قوانین ہی الگ ہیں۔ وغیرہ وغیرہ محض ایک اولیاء اللہ کے منشاکی کیلئے موزوں سا بہکاوا ہے اور کچھ نہیں، نہ ان کا آئین الگ اور نہ شاہراہ جدا ہے۔ بلکہ حضور سید و شافع یوم النور علیہ السلام ہی کے دونوں طریق کار ہیں جو ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر ناتمام رہتے ہیں۔ کیونکہ ولی کامل کا کوئی قول و فعل شریعت غرا کے خلاف نہیں ہوتا۔

افسوس کہ ولایت اور درویشی کی شناخت کا جو اصل معیار ہے اس پر عوام کی نظر نہیں بلکہ انہوں نے ایسی شعبہ بازیوں کو معیار سمجھ رکھا ہے جن سے بعض اوقات غیر مسلم درویشوں کی حرکات پر بھی حقیقتی اور سچی درویشی کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ اور یہ ایک عظیم ترین غلطی ہے جو عوام میں غلط الفہم صحیح ہو کر جگہ بگڑ رہی ہے۔ ہر طالب ولایت کو یاد رکھنا چاہیے کہ شریعت کی بالعداری اصل چیرہ ہے اور کشف و کرامت اس کی فرع ہیں۔ جب تک اصل ثابت نہ ہو فرع ثابت نہیں رہ سکتی پس اتباع شریعت کی بلند بول طریقت کی پہنائیوں اور علم و عمل کی خوشنمایوں میں بزرگی اور ولایت کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ شعبہ بازیوں اور نام نہاد انکشافی شہرتوں اور حیرت انگیز یوں میں بعض اوقات ٹھوکر لگ جانے کا احتمال ہو جاتا ہے جس سے بچنا واجب ہے۔



انسانی قیاسات کی بے ممانیت

عالم ارواح اور روحانی طاقتوں کی بابت جو انقلاب اہل یورپ میں واقع ہوا اور انہوں نے روحانیت کے متعلق عالم تخیلات میں جو انقلاب بازیاں کھائیں وہ اہل یورپ کے معتقدات و تخیلات کی بوقلمونی اور بے اعتباری کا ایک دلچسپ اور قابلِ دید نمونہ ہیں۔ چند صدیوں کی بات ہے کہ یورپ والوں کے ہاں ہر قسم کے بھوت پریت اور جادو و آسیب کا اعتقاد مذہباً اور قانوناً مسلم تھا۔ حتیٰ کہ صد ہا نا کردہ گناہ عورتیں ڈائل اور چٹیل سمجھ کر زندہ جلادی گئیں۔ چنانچہ ایک صوبہ لوئین میں ۱۵۹۵ء سے ۱۵۹۶ء تک نو سو عورتیں جادوگری کے الزام میں زندہ جلادی گئیں تھیں۔ اس کے بعد اُن کے خیالات نے پھر پلٹا کھاپا اور ایسے خیالات کو اوہام سمجھا جانے لگا۔ اور اس میں اس قدر غلو ہوا کہ روح اور خدا تک کے وجود سے انکار کر دیا گیا۔ شیطانوں، جنوں اور فرشتوں کے وجود کو مضحکہ انگیز اعتقاد بتلایا گیا۔ اس کا اثر اتنا پھیلا کہ جہاں جہاں مغربی تمدن اپنی روحانیت سوز تباہ کاریاں لئے ہوئے پہنچا وہاں وہاں کے تمام اہل مذاہب میں ہلچل ڈل دی۔ اور لگے وہ اپنے اپنے مذاہب میں کترو بکت اور کاٹ چھانٹ کر کے اہل مغرب کے خیالات سے مطابقت کرنے۔ چنانچہ ہندوستان کی ایک مایہ ناز ہستی سرسید مرحوم کو بھی ان ہی ہوائی خیالات کی تقلید میں شیطانوں، جنوں اور فرشتوں کے وجود خارجی کی تردید میں بیجا، رقیق اور دور از کار تاویلوں سے کام لینا پڑا۔ جو اہل مغرب ہی کی موافقت اعتقاد کا نتیجہ تھا۔

اس کے بعد پھر خیالات کی رو بدلی۔ اور سمریزم و ہیناٹیزم کی تحقیق و تفتیش کرتے کرتے فلاسفہ مغرب روحانیت جدید کی حد تک جا پہنچے جس نے سارے پچھلے خیالات و قیاسات کو غلط اور بے بنیاد ثابت کر دیا۔ اس نئے انکشاف سے دنیائے سائنس و فلسفہ کے مشاہیر اور مستند استاد بھی ہر قسم کی روحانی ترقی کے قائل ہی نہیں ہو گئے بلکہ یہاں تک تسلیم کر لیا کہ ارواح جسم ظاہری کے فنا ہو جانے کے بعد بھی مادی اشیاء پر مختلف قسم کا اثر ڈال کر اپنے وجود اور روحانی طاقت کا اظہار کر سکتی ہیں اور ہم کو اپنے حالات بعد الموت سے بھی آگاہ کر سکتی ہیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ دنیائے سائنس میں آٹومیٹک رائٹنگ یعنی غیبی تحریر کا ذکر بھی کئی بار آچکا ہے جس کا مانع روحانی طاقت ہی بتایا

لیکن علمائے باطن میں پوری بے نفسی جلوہ گر ہوتی ہے۔ شیخ عزیز الدین ایک بڑے محدث گذرے ہیں جو کہا کرتے تھے کہ صوفیا بدعات پھیلانے والا ایک طبقہ ہے۔ مہلا کتاب و سنت کی پیروی کے علاوہ بھی کوئی اور طریق ہو سکتا ہے لیکن ایک موقع پر دیماط کی ایک مجلس میں بڑے بڑے مجتہدین، محدثین و فقہاء، شیخ عکیم الدین اور شیخ تقی الدین وغیرہ جمع تھے۔ شیخ عزیز الدین بھی پہنچ گئے۔ حضرت امام قشیری سے رسالہ تصوف کی بعض عبارتوں کے متعلق گفتگو شروع ہو گئی۔ اس دوران میں شیخ وقت شیخ ابوالحسن شاذلی بھی تشریف لے آئے۔ ان سے بھی کچھ فرمانے کی استدعا کی گئی ان کے اصرار سے مجبور ہو کر شیخ نے جو تشریح شروع کی۔ تو شیخ عزیز الدین کی یہ حالت تھی کہ بے اختیارانہ بچار اُٹے کہ سنو سنو یہ وہ کلام ہے جو ابھی ابھی بارگاہ خداوندی سے نازل ہوا ہے۔ اور جس سے حقانیت کے انوار چمکتے نظر آ رہے ہیں۔ حضور غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہمیشہ سے یہی طریق چلا آتا ہے۔ کہ کوئی فیض دیتا ہے اور کوئی لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی کو تربیت کے بغیر مقامات عالیہ تک نہیں پہنچاتا۔

حضرت امام حنبلیؒ اور حضرت شیخ عزیز الدین کتنے بڑے اور یگانہ روزگار محدثین گذرے ہیں۔ مدت تک صوفیاء کا انکار کرنے کے بعد آخر انہیں سے فیض حاصل کرنے پر مجبور ہو گئے۔ حالانکہ اَوَّل الذکر کی یہ حالت تھی کہ اپنے بیٹے کو زور و شور سے نصیحت فرماتے رہتے تھے۔ کہ کہیں ان صوفیاء کی صحبت میں نہ بیٹھنا کہ یہ لوگ احکام شریعت سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں۔ لیکن حضرت ابو حمزہ کی صحبت میں کیا پہنچے کہ انکھیں کھل گئیں۔ پھر بیٹے کو بھی نصیحت کرنے لگے کہ اُن کے متعلق کبھی سو مظلومی سے کام نہ لینا۔ یہی صورت حضرت شیخ عزیز الدین کو حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی کی خدمت میں جا کر پیش آئی۔ کہا جاسکتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر یہ علم اتنا ہی ضروری تھا تو صحابہ کرام نے علانیہ اس طرح تلقین کیوں نہ کی اور اس وقت ایسی صوفیاء نہ مصلحات کیوں نہ پیدا ہو گئیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ وہ زمانہ مبارک تھا۔ علانیہ اس کی تبلیغ کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ فیوض باطنی کا کام خاموشی کے ساتھ جاری تھا۔ لیکن جب زمانہ پر آشوب ہوا۔ فتنہ پھیلا۔ لوگ دنیا کی طرف کثرت سے راغب ہونے لگے۔ اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی۔ کہ فلسفہ نے عقائد پر بجلیاں گرا دیں شروع کیں۔ انوار سنت کی چمک کم ہو چلی تو یہ اشارہ غیبی علمائے باطنی جو حقیقت میں وارث علوم نبوی اور کائنیا ئے بنی اسرائیل تھے۔ اس طوفان متوجہ ہوئے۔ اور انہوں نے تزکیہ نفس اور تصفیہ قلوب کے لئے سعی شروع کر دی۔ خود حضرت امام قشیری نے لکھا ہے کہ امراض باطنیہ کے ظہور کا زمانہ تیسری جماعت یعنی

تبع تابعین کا آخری دور ہے۔

متاخرین میں حضرت حافظ ابن حجر کتنے بلند پایہ محدث گذرے ہیں۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری انہی کی لکھی ہوئی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ہر طالب خدا کو چاہئے کہ وہ اپنی رہنمائی کے لئے کسی شیخ کامل کو منتخب کر لے۔ اور منکرین کی تعصب آمیز باتوں میں ہرگز نہ آئے۔ یہ خیال رہے کہ جو شیخ بھی ہو اور عارف ہو۔ کامل ہو، احکام شریعت و حقیقت کا ماہر ہو۔ اس کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ رسم و عادات کے اسلام سے برطرف ہو جائے اور اپنے شیخ ہی کے حکم پر چلے۔ اور جب کسی شخص کو ایسا رہبر مل جلتے تو پھر اس کے لئے حرام ہے کہ وہ اس کا دامن چھوڑے۔ آپ نے یہ بھی لکھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں کتاب اللہ اور سنت نبوی، اجماع امت اور قیاس چاروں کی پوری پوری شہادت سے کہہ رہا ہوں۔ یہی نہیں بلکہ چاروں آسمانی کتابیں اس دعویٰ پر شاہد ہیں۔

الغرض بالفاظ مختصر تصوف یا طریقت نام ہے۔ راہ خاص کا جو بہت دشوار ہے۔ اور جس میں مجاہدات و ریاضیات کی کٹھن منازل عبور کرنا پڑتی ہیں اور شریعت نام ہے راہ عام کا جو آسان ہے اور جسکی پابندی عوام و خواص دونوں کے لئے ضروری ہے۔

کتاب و سنت کے اتباع کامل میں جب تک نفس پر جبر و تشدد کا تعلق رہتا ہے۔ شریعت کہلاتی ہے۔ اور جب یہ اتباع ذوق و شوق کے ساتھ ہونے لگتا ہے۔ عبادات اور اعمال نیک میں لذت محسوس ہونے لگتی ہے۔ قال سے حال تک نوبت پہنچ جاتی ہے تو اسے طریقت کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اتباع کتاب و سنت خواہ نفس پر جبری سے ہو نجات اخروی کے لئے کافی ہے۔ اور اسی لئے تصوف و طریقت کو فرض قرار نہیں دیا گیا۔ بلکہ مستحب بتایا گیا ہے۔ لیکن یہی حالت میں نفسانی ممالک کا خطرہ ضرور باقی رہتا ہے اور جب طاعت و عبادت میں لذت آنے لگتی ہے تو شیطان کی رخنہ اندازی اور نفس کی نمیش زنی کا اندیشہ زائل ہو جاتا ہے۔ ایک پابند شریعت انسان کتاب و سنت کی پیروی تو کرے گا۔ مگر اسے اپنے نفس پر اس کے لئے کم و بیش جبر ضرور کرنا پڑتا ہے۔ کبھی جنت کے نعماء کے خیال سے اور کبھی ہذا بہنم کے خوف و دہشت سے۔ لیکن بخلاف ازیں ایک صاحب طریقی جو کچھ کرے گا۔ پورے شوق و رغبت اور الوہیت و شفقت کے ساتھ کرے گا۔ اسے نہ جنت کی پرواہ ہوگی اور نہ دوزخ کا اندیشہ ہوگا۔ جو کچھ اس سے صدور میں آئے گا

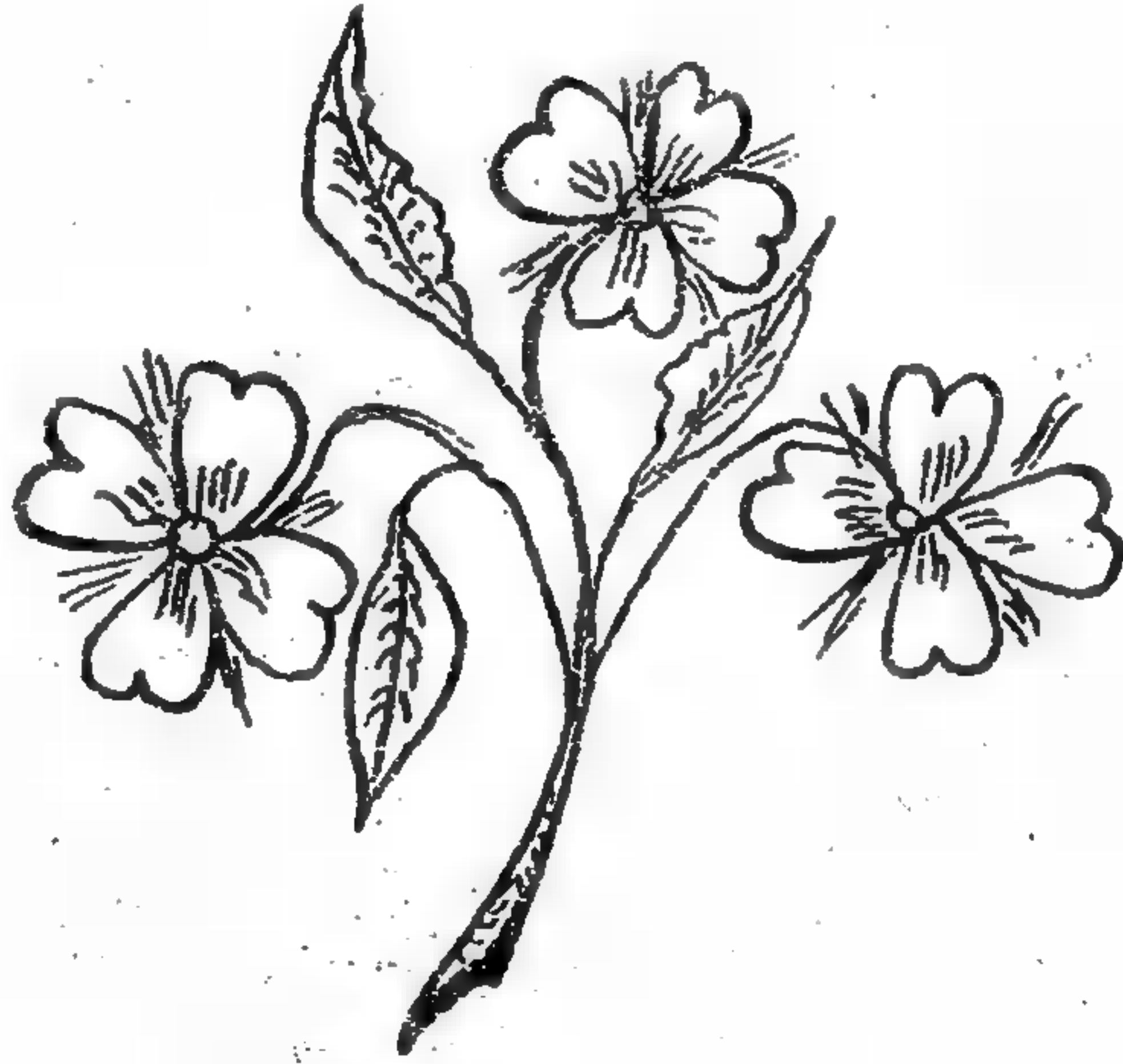
وہ عاشقانہ اور والہانہ نوعیت کا ہوگا۔ اور ایسے لوگوں کا کہنا بے جا نہ ہوگا کہ حقیقتاً یہ اہل طریقت کی جماعت عشاق کی جماعت ہے۔

چونکہ ان کا اتباع کامل ہوتا ہے۔ مرضیات الہیہ پر اپنی مرضیات قربان کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس لئے خدا بھی انہیں برگزیدہ بناتا ہے۔ مستجاب الدعوات ہو جاتے ہیں۔ اور جو کہتے ہیں خداوند عالم پورا فرما دیتا ہے۔ جو خدا کا کہنا مانتے ہیں۔ خدا بھی ان کا کہنا مانتا ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے صرف رضا الہی ہوتی ہے۔ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کے مصداق ہوتے ہیں۔ اس والہانہ طاعت و رضا جوئی میں ایک وہ وقت بھی آتا ہے جیسا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے قدوس فرماتا ہے کہ میں بندہ کی آنکھ بن جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔ کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے۔ پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ ہاتھ بن جاتا ہوں جن سے وہ کام کرتا ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس کو فنا فی اللہ کہتے ہیں۔ بندہ کی ہر حرکت خداوندی حرکت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حدیث جبریل میں جو بخاری اور مسلم میں موجود ہے۔ اسلام اور ایمان کے بعد احسان کا ذکر ہے۔ جس کی تفسیر خود حضور نبی کریم نے فرمائی ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنْكَ تَرَاهُ ۚ فَاِنْ لَّمْ تَرَكَ ۙ تَرَكَ ۚ فَاِنَّهُ يَرَاكَ ۙ یعنی اخلاص اور احسان یہ ہے کہ اللہ کی عبادت اس طرح کرے کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ نہیں تو پھر اس طرح عبادت کر کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

یہ احسان ہی جان تصوت اور روح طریقت ہے۔ اور یہ اشارہ اسی کی طرف ہے جس سے مراد صدق اور توجہ الی اللہ ہے۔ علماء کہتے رہے ہیں کہ مجاہدہ اور کثرت عبادات میں چونکہ نفس کو تکلیف مالا یطاق ہوتی ہے اس لئے شرعاً جائز نہیں۔ ضرورت ہے کہ عبادت اتنی کی جائے کہ وہ باعث طلال خاطر نہ ہو۔ کوئی حق شرعی اس سے فوت نہ ہو۔ لیکن ظاہر ہے کہ صوفیاء کے مجاہدات شوق و لذات کی ایک دنیا اپنے جلو میں لئے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی راتیں بیداری و عبادت کے لئے وقف اور دن رضا جوئی الہی کے لئے معین ہوتے ہیں۔ اس لئے ان میں طلال خاطر کا کوئی شائبہ بھی نہیں پایا جاتا۔ یہی بیعت۔ توبہ حضور نبی کریم کے عمل سے ثابت ہے۔ جسکی مفصل تشریح آگے آئے گی۔ جیسے کہ حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے حضور نبی کریم علیہ السلام نے نماز پڑھنے، زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنے کی بیعت لی۔ اور کسی سے بیعت ہجرت کسی سے ترک گناہ اور بہتان نہ باندھنے اور

پوری نہ کرنے کی بیعت لی *

اسی طرح اگر آج بھی کوئی بزرگ کسی سے کسی نیک کام، ترک گناہ اور روحانی ترقی کی بیعت لے۔ تو یہ عین اتباع شریعت ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ تصوف ایک نہایت مقدس اور شریعت علم ہے جس کا آغاز حضور نبی کریم ہی سے ہوا۔ جنہیں شب معراج میں خرقہ عطا ہوا تھا چونکہ اب اس علم کے ورثاء میں جہال اور بے علم زیادہ ہیں جو صرف نام کے صوفی رہ گئے ہیں۔ اور اپنی جہالت کے باعث شریعت سے بھی دور ہا پڑے ہیں۔ اس لئے لوگوں کو اور سو فطنی کاموں میں مل رہا ہے اور نہ صوفی ہر حالت میں شریعت کا تتبع اور کتاب و سنت کا عامل ہوتا ہے۔



تبلیغ اسلام اور صوفیائے کرام

یہ مسئلہ کہ تصوف کیا چیز ہے اور عوام الناس کے سامنے اس کے مبادیات کے سوا اور کچھ بالتصریح بیان کرنا کہوں ناروا ہے۔ مثلاً پیر صوفیائے کرام و درویشانِ عظام کے حالات و کمالات معلوم کرنے اور انکی معتبر تصانیف کے مطالعہ سے ہی تپہ چل سکتا ہے۔ جیسے شرع ظاہری میں رواجات کے متعلق گفتگو کرنے کی مانعت ہے۔ ایسے ہی وہ حائلت لاعلمی و ظاہریت میں روحانیت کی کسی شاخ سے بھی بحث کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔

(شرع ظاہر اور علم باطن کی تعلیم بھی جیسا کہ آگے آئے گا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھ ساتھ ہی جاری فرمائی تھی۔ عوام الناس کیلئے علم ظاہر تھا اور بواہل تھے انہیں علم ظاہر کے ساتھ تعلیم علوم باطنی بھی دی جاتی تھی جس کی مجالس جداگانہ ہوتی تھیں اور اس طرح اکابر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دونوں صیغوں میں اسلامی یونیورسٹی سے بالکمال ہو کر نکلتے تھے۔ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے آخر دور خلافت تک اکابرین اسلام میں علوم ظاہری و باطنی ساتھ ساتھ تھے۔ لیکن اس کے بعد جب فتنہ و فساد کا زمانہ آیا اور یہ طوفان اپنا اثر چھوڑ کر گزر گیا۔ تو علوم باطن کے جاننے والوں کا گروہ الگ نظر آنے لگا۔ لیکن اس گروہ کے اولوالعزم حضرات نے اپنی سابقہ خدمات سے بھی پہلو تہی نہیں کی۔ جہاں شرع ظاہر کے پھیلانے والے اور کفر کے توہد کو ہموار کرنے والے مسلح ہو کر صف آرائی کرتے تھے۔ وہاں اہل باطن بھی اپنے اوزار حمائل کئے اور مصالحت ساتھ لئے ہوئے برابر موجود رہتے تھے۔ جہاں پہلا مجاہدین کا گروہ اسلامی تہذیب سے لوگوں کی آنکھیں خیرہ کرتا تھا۔ وہاں پچھلا گروہ بھی نور معرفت الہی سے سینوں کو منور فرماتا تھا۔ اسلام کی خوبیوں کا ڈنکا جن باتوں سے تمام عالم میں بجا۔ ان میں دونوں گروہوں کی مساعی جمیلہ مشترک ہیں۔ بلکہ پچھلا گروہ شریک غالب ہے۔ رفتہ رفتہ پچھلے گروہ نے اپنے عمال کے درجے قائم کئے۔ اور ان عمال نے اپنی خفیہ گوش مشوں سے اسلام کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں وہ کارہائے نمایاں دکھائے جو اپنی مثال آپ ہیں۔ پہلا گروہ نہ صرف گروہ ثانی کا احسانت درہا۔ بلکہ اس کا ادب و احترام کرنا اپنے لئے فلاح داین تصور کرتا تھا

یہی وجہ تھی کہ خائفانہ ہیں دارالامارت پر حکمران تھیں۔ جن کا کچھ کچھ تہ عام پسند حکایات سے بھی چلتا ہے یعنی جہاں دارالامارت کے مفتیوں اور قاضیوں کی مرضی کے آئینہ حکایات زباں زد و خلاق ہیں۔ وہاں خائفانہ ہی دیوبندوں کے قصہ جات اس مبالغہ سے بیان کئے جاتے ہیں کہ حد نہیں رہتی۔ گو یہ مبالغہ کا حسن پسندیدہ نہیں۔ تاہم یہ بتانا مقصود ہے کہ سکنائے خائفانہ سے بوجہ ان کے محاسن کے عوام کو جن میں غیر مسلم بھی شامل رہے کس درجہ خوش عقیدتی تھی۔ اور یہی خوش عقیدگی بڑی حد تک اسلام کے پھیلنے میں مدد و معاون ثابت ہوئی۔ مثلاً شاہ قطب الدین ایبک اور حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک ہی زمانہ ہے۔ قطب الدین ایبک کو اس کے آقا نے ہندوستان پر مامور کیا۔ اور خواجہ صاحب کو ان کے پیشوا نے اجیر بھیجا۔ مگر قطب الدین ایبک سے وہ خدمت اسلام انجام نہ پائی جس کا ظہور خواجہ صاحب کی ذات گرامی سے ہوا۔ لوگ مسلم شاہان ہند پر یہ اہتمام لگاتے ہیں کہ انہوں نے بزور شمشیر اسلام پھیلا یا ہے۔ حالانکہ قطب الدین ایبک کو ملکی فتوحات کا شوق تھا۔ اشاعت اسلام سے اسکو واسطہ تک نہ تھا۔ اور اسلام کی خوبیاں بذریعہ درویشانہ کمالات کے دکھا کر دلوں کا سحر کرنا خواجہ صاحب کا کام تھا۔ اور اسلام کی جو روشنی ہندوستان میں پھیلی اس کا اکثر حصہ خواجہ صاحب ہی کے باطنی کمالات کا مرہون منت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقراء کی اصطلاح میں خواجہ صاحب کو سلطان الہند لکھتے ہیں۔ یہ غیر مناسب نہ ہوگا اگر ہم یہاں پر صوفیائے کرام کی تبلیغی خدمات محل طور پر بیان کر دیں۔

برصغیر ہندوستان میں فریضہ تبلیغ اسلام جس جماعت نے باحسن الوجہ ادا کیا وہ صوفیاء ہی کی جماعت ہے انہوں نے اپنے فرض کو سمجھا اور اسے پورے طور پر ادا کیا۔ یہ ان کے نفوس قدسیہ کا اثر ہے کہ آج اس برصغیر میں اس کروڑ کے قریب مسلمان موجود ہیں۔ اگر وہ بھی دوسری جماعتوں کی طرح تغافل و تساہل سے کام لیتے اور اس فریضہ کی جانب توجہ نہ دیتے تو اس کفرستان میں نہ توحید کا چراغ روشن ہوتا اور نہ ہی فرزندان اسلام نظر آتے۔

مرکز لاہور

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں سب سے پہلا مبلغ جو یہاں وارد ہوا وہ شیخ اسماعیل محدث بخاری تھے۔ وہ یہاں اس زمانے میں وارد ہوئے۔ جب سرزمین پنجاب ہندو راہاؤں کے زیر نگین تھی۔ اور محمود غزنوی اور اس کے جانی و سپاہی اس خطہ کو روند رہے تھے۔ شیخ محمد اسماعیل بخارا کے سید تھے۔ اور علوم ظاہری و باطنی میں کامل و متین لکھتے تھے

وہ شائع کو لاہور وارد ہوئے۔ اور وعظ و تذکیر کے ذریعہ تبلیغ اسلام شروع کی۔ آپ کا وعظ اتنا پُر تاثیر ہوتا تھا کہ ایک ایک مجلس میں صد ہا لوگ مشرت باسلام ہوتے تھے۔ چنانچہ مفتی غلام سرور لاہوری اپنی مشہور کتاب خزینۃ الصغیا میں فرماتے ہیں: ”چول شیخ انمعیل در لاہور تشریف آورد۔ بروز جمعہ ثانی پان صد و پنجاہ و بروز جمعہ ثالث یک ہزار کس در زمرہ اہل توحید داخل گشتند“ نیز صاحب تذکرہ علمائے ہند انکی شخصیت کا تعارف کرتے ہوئے لکھتے ہیں ”از علمائے محدثین و مفسرین بود۔ اول کسی است کہ علم تفسیر و حدیث در لاہور آورد۔ ہزار ہا مردم در مجلس وعظ وی مشرت باسلام شد۔ در سال چہار صد چہل و ہشت ہجری در لاہور در گذشت“

تبلیغ اسلام کے سلسلے میں جس بزرگ نے شیخ اسلام سے زیادہ کام کیا اور جس کا نام آج بھی ہر خاص و عام کی زبان پر ہے۔ وہ غزنین کے مشہور صاحب دل بزرگ شیخ علی بن عثمان ہجویری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ جنہیں زبانِ خلق حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کرتی ہے۔ آپ ستلہ کے قریب پیدا ہوئے اور مختلف اسلامی ممالک میں سفر کرنے اور بہت سے پیرانِ طریقت سے فیض حاصل کرنے کے بعد آپ لاہور تشریف لائے۔ آپ کے ہمراہ آپ کے دو اولاد ساتھی بھی تھے۔ اور یہ زمانہ سلطان مسعود ابن سلطان محمود غزنوی کا تھا۔ یہاں آپ نے ایک مسجد اور ایک خانقاہ تعمیر کی۔ درس و تدریس کے ساتھ آپ نے تبلیغ اسلام کا سلسلہ بھی شروع کیا۔ بہت سے لوگ آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ ان میں ممتاز شخصیت رائے راہو کی تھی۔ وہ سلطان مودود ابن مسعود غزنوی کی جانب سے لاہور کا نائب تھا۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ شیخ ہندی کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کی اولاد سے آج تک حضرت داتا گنج بخشؒ کے مزار کے خادم اور مجاور چلے آئے ہیں۔

حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا شمار ہندوستان کے اکابر صوفیاء میں ہوتا ہے، آپ کی مشہور کتاب کشف المحجوب نامی زبان میں تصوف کی قدیم ترین کتاب ہے۔ اور اکثر صوفیائے کبار آپ کے روحانی فیض سے بہرہ یاب ہوئے ان سب میں سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین اجمیریؒ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ انہوں نے آپ کے مزار پر چلہ کشی کی۔ اور جب وہ آپ کے روحانی فیض و برکات سے بہرہ اندوز ہوئے۔ تو اس روحانی سکریستی کے عالم میں یہ شعر بے اختیار ان کی زبان پر جاری ہو گیا ہے

ناقصاں را پیر کامل کا ملال را راہنما

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا

آپ ۱۰۷۲ھ (۱۶۶۵ء) میں فوت ہوئے۔

حضرت داتا گنج بخش کے بعد پنجاب میں رشد و ہدایت اور دعوت و تبلیغ کا کام سلطان سخی سرور رحمۃ اللہ علیہ نے بڑے شد و مد سے کیا۔ آپ ملتان کے قرب دیوار میں ایک گاؤں موضع کرسی کوٹ میں پیدا ہوئے۔ سید احمد نام۔ سلطان سخی سرور یا لکھ داتا آپ کا لقب تھا۔ علوم ظاہری آپ نے لاہور آکر مولانا محمد اسحاق لاہوری سے حاصل کئے علوم باطنی آپ نے اپنے والد بزرگوار اور شیخ شہاب الدین سرور دی سے حاصل کئے۔ ریاضت و عبادت کے لئے آپ نے اپنا پہلا مرکز موضع سودہہ کو قرار دیا۔ اور پتھر ڈے ہی دنوں میں آپ کو وہ مقبولیت حاصل ہو گئی کہ ہر وقت خلقت کا ہجوم آپ کے گرد رہتا۔ اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ دلی مراد پالیتا۔ اس بنا پر آپ کا لقب سخی شہر مشہور ہو گیا۔

سودہہ سے آپ دھونکل تشریف لائے۔ اور ہدایت خلق میں مشغول ہو گئے۔ یہاں سے اٹھے تو ڈیرہ غازی خان کے ایک گاؤں شاہ کوٹ کو اپنا تبلیغی مرکز قرار دیا۔ مگر کچھ عرصہ بعد آپ اپنے وطن تشریف لے گئے۔ وہاں سے پھر شاہ کوٹ واپس آ گئے۔ اور کبھی بھی فریضہ تبلیغ سے غافل نہ ہوئے۔ بلکہ پورے انہماک اور کامل سرگرمی سے ادا کرتے رہے۔ آخر میں آپ کے بہت سے حاسد پیدا ہو گئے۔ انہوں نے موقعہ پا کر آپ کو شہر میں شہید کر ڈالا۔ سلطان سخی سرور بڑے پایہ کے بزرگ تھے۔ آپ کے معتقد نہ صرف مسلمان ہی تھے۔ بلکہ دوا کے اکثر ہندو، سکھ بھی آپ کے عقیدت مند تھے۔ انہیں سلطانی کہتے ہیں۔ یہ لوگ ہر سال وسط فروری میں آپ کے مزار کی زیارت کے لئے قافلے بنا کر اپنے اپنے گاؤں سے نکلتے ہیں۔ اور ڈیرہ غازی خان کا رخ کرتے ہیں۔ سکھوں کے عہد حکومت میں ملتان کے گورنر دیوان ساون مل نے تعصب اور تنگ نظری کی بنا پر یہ سلسلہ روکنا چاہا۔ مگر وہ کامیاب نہ ہوا۔ آخر جل کر اس نے ہر ایک یاत्री سے سوار و پیہ یا تراشکیں وصول کیا۔ مگر یہ بھی بے اثر ثابت ہوا۔ زیارت کا یہ سلسلہ تقسیم ہندوستان تک بدستور جاری رہا۔

سید احمد توختہ جو ترمذ کے رہنے والے تھے۔ وہ بھی لاہور میں مقیم ہوئے۔ جہاں وہ ۱۰۷۲ھ میں فوت ہوئے۔ آپ کا مزار چوک نواب صاحب محلہ چل بیبیاں میں ہے۔ آپ کی تبلیغی سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے مفتی غلام سرور خرنیہ الہی صفا میں یوں رقم طراز ہیں کہ "ہزار باطلان حق را بحق رسانید و خلق کثیر ازال پیر روشن ضمیر بہرہ مند دنیا و آخرت شد"۔

سید احمد توختہ سے کچھ عرصہ پیشتر سید یعقوب زنجانی مبلغ کی حیثیت سے یہاں وارد ہوئے۔ اور فریضہ تبلیغ میں مشغول ہو گئے۔ آپ ۵۳۵ھ میں لاہور پہنچے۔ یہ سید السلاطین بہرام شاہ غزنوی کا دور حکومت تھا۔ اور لاہور میں طغرل بیگ گورنر تھا۔ وہ آپ کے اخلاق اور علم و فضل سے بے حد متاثر ہوا۔ اور آپ کے ارادت مندوں کی صف میں شریک ہو گیا۔ آپ جب لاہور میں مقیم تھے تو خواجہ معین الدین اجمیری یہاں وارد ہوئے۔ اور مزار حضرت داتا گنج بخش پر متعلق ہوئے۔ اس قیام کے موقع پر ان دونوں بزرگوں میں گہری دوستی پیدا ہو گئی۔ دونوں بزرگ لوگوں کی ہدایت کے ساتھ ساتھ گرد و نواح کے علاقوں میں اشاعت اسلام کا کام بھی کرتے رہے۔ سید یعقوب زنجانی کا انتقال ۶۰۴ھ میں ہوا۔ آپ کا مزار لاہور میں آج تک مرجع خلائق ہے۔

ان ہی ایام میں ایک اور بزرگ شیخ عزیز الدین مکی بھی لاہور آئے۔ آپ سید تھے۔ اور بغداد آپ کا وطن تھا۔ چونکہ آپ ۱۲ برس تک مکہ مکرمہ میں تحصیل علوم و فنون میں مشغول رہے۔ اس لئے لوگ آپ کو شیخ عزیز مکی کہتے تھے۔ لاہور والے آپ کو پیر مکی کہتے ہیں۔

پیر مکی ۵۷۷ھ کو وارد لاہور ہوئے۔ یہ زمانہ بھی غزنویوں کی حکومت کا تھا۔ یہاں پر خسرو ملک حکمران تھا۔ جب سلطان شہاب الدین محمد غوری لاہور پر حملہ آور ہوا۔ تو آپ لاہور ہی میں تھے۔ خسرو ملک مقابلہ کی تاب نہ لا کر قلعہ بند ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر طالب دعا ہوا۔ آپ نے مراقبہ کیا اور فرمایا کہ جاؤ تمہیں ابھی چند برس تک کوئی خطرہ نہیں۔ مگر چند برس کے بعد یہ شہر غزنویوں کے قبضہ میں چلا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ سلطان شہاب الدین غوری نے کچھ عرصہ بعد لاہور کا محاصرہ اٹھالیا۔ اور سیالکوٹ کی جانب روانہ ہوا۔ کیونکہ وہاں شورش پیدا ہو گئی تھی۔ اس بغاوت کو فرو کرنے کے بعد وہ غور چلا گیا۔ اور چھ برس کے بعد پھر لاہور پر حملہ آور ہوا۔ اور معمولی سی جھڑپ کے بعد شہر لاہور فتح ہو گیا۔ اور خسرو ملک اس کے قبضہ میں آ گیا۔

پیر مکی نے کمال ۳۶ برس تک تبلیغ و اشاعت دین کا کام کیا۔ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی مخلوق آپ کے فیضان روحانی و علمی سے سیراب ہوئی۔ اور بعض بڑے بڑے قبائل نے آپ کے ہاتھ سے اسلام قبول کیا۔ ۶۱۲ھ میں آپ کا وصال ہوا۔

جن دنوں لاہور علم و عرفان کا مرکز تھا۔ دنیا سے اسلام تار یوں کی لکڑیوں سے پامال ہو رہی تھی۔ بڑے بڑے عالم

اور شائع ایران و توران سے نکل نکل کر ہندوستان اور پنجاب تشریف لائے تھے۔ جو بزرگ تاتاری و زندوں کے ہاتھوں سے بچ کر لاہور پہنچے۔ ان میں سید مٹھہ بھی تھے۔ وہ نہایت فقیر کا کلام تھے۔ اس لئے عوام انہیں سید مٹھہ کہتے تھے کیونکہ ان کا حقیقی نام سید ابی عقاب تھا۔ آپ کے نام پر لاہور میں بازار سید مٹھہ اب تک موجود ہے۔ آپ کی وفات ۷۶۱ھ میں ہوئی۔ آپ بہت بڑے واعظ اور مبلغ تھے۔

لاہور میں علوم و فنون کا خوب چرچا تھا۔ کیونکہ یہاں پر دیگر مقامات کی نسبت زیادہ سکون و اطمینان تھا۔ اور ویسے بھی دنیا نے اسلام کے اکثر خانوادے جو سکون و طمانیت کے طالب تھے وہ تاتاریوں اور منگولوں کے ہاتھ سے بھاگ بھاگ کر لاہور میں آباد ہو رہے تھے۔ ان میں ایک ماورالنہری خاندان یہاں آباد ہوا۔ اس گھرانے میں ۱۱۸۶ھ میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ جو تاریخ میں شیخ حسن صنعانی کے نام سے مشہور ہوا۔ آپ نے حدیث، تفسیر اور دیگر علوم میں بڑا نام پیدا کیا۔ عظیم باطنی بھی کئی بزرگوں سے حاصل کیا۔ آپ بعض حالات سے مجبور ہو کر ۱۱۸۵ھ میں بغداد ہجرت کر گئے۔ جہاں آپ ۱۱۹۰ھ میں فوت ہو گئے اور وصیت کی کہ انہیں مکہ مکرمہ میں دفن کیا جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہندوستان کی سیاسی تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالنے سے یہ حقیقت بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ ملتان و سندھ کی فتح کے بعد فتوحات کا سلسلہ بہت حد تک رک گیا تھا۔ اس کے کئی وجوہ ہیں۔ جن پر بحث یہاں مطلوب نہیں۔ مگر صوفیائے کرام نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں جو قدم آگے بڑھایا۔ وہ بڑی سرعت سے بڑھتا ہی گیا۔ البتہ سندھ میں اسلام کی اشاعت بہت بعد میں شروع ہوئی۔ اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہوا۔ کہ وہاں قرامطہ کا اثر تھا۔ ان کی وجہ سے غالباً صوفیائے کرام نے ادھر کا رخ نہ کیا۔ مگر جب یہ اثر زائل ہوا تو وہاں اسلام بڑی سرعت اور تیزی سے پھیل گیا۔ کیونکہ وہاں زمین پہلے سے تیار تھی۔ فقط تھوڑی سی کوشش کی ضرورت تھی۔

لاہور دہلی کی فتح سے بہت پہلے اسلام کا روحانی مرکز بن چکا تھا۔ کیونکہ وہاں پر بڑے بڑے صوفیاء اور علماء مقیم ہو چکے تھے۔ لیکن دہلی کی فتح کے بعد حالات یک قلم بدل گئے۔ اشاعت اسلام کے سلسلہ میں بے حد کوشش و تحریش اور مستعدی و سرگرمی نظر آئی۔ یہ کیونکر ہوا۔ اس کے کئی اسباب ہیں۔ مگر سب سے بڑا اور اہم سبب یہ تھا کہ دہلی کے تخت پر سلمان بادشاہ متمکن ہو چکے تھے۔ جو اپنی مجاہدانہ سعی سے اس کی سلطنت کا دائرہ روز بروز وسیع تر کر رہے تھے۔ جس کی وجہ سے صوفیائے کرام بلا روک ٹوک سلطنت کے ہر حصے میں آجاسکتے تھے۔ انہیں

نہ تو کسی کا ڈر تھا اور نہ ہی کسی قسم کی رکاوٹ باقی تھی جس کی وجہ سے انہیں مشکلات سے دوچار ہونا پڑتا۔ اس لئے وہ اپنے فریضہ کو زیادہ اہمک اور پرجوش طور پر ادا کرنے لگے۔

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ یورش تاتار اور حملہ مغول نے دنیائے اسلام میں ہر قسم کے نظم و نسق کو رہیم برہم کر دیا۔ زندگی کے تمام ضابطے ٹوڑ پھوڑ دیئے۔ اور طمانیت و سکون کا سرشتہ اتنا پریشان کر دیا کہ وہاں سانس لینا دشوار ہو گیا۔ ان حالات میں مشائخ اور علماء ہندوستان چلے آئے۔ جہاں انہیں زندہ رہنے کے لئے امن و امان اور کام کرنے کے لئے زمین کا ایک وسیع و عریض خطہ مل گیا۔ مشائخ و علماء کی اس مہاجرت اور تاتاریوں کی تاخت و تاراج سے دنیائے اسلام کو بے حد نقصان پہنچا۔ مگر ان نفوس قدسیہ کی آمد سے ہندوستان کو فائدہ حاصل ہوا۔ کیونکہ ان بزرگوں کی کوشش سے اسلام کو بڑی رونق اور ترقی حاصل ہوئی۔

اس دور کی تبلیغی سرگرمیوں میں یہ بات نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ کہ جس طرح مغلوں اور تاتاریوں کی سفاکی اور مظالم کی داستانیں تمام تاریخ عالم میں اپنی مثال نہیں رکھتی ہیں۔ اسی طرح اس دور کی تبلیغی اور اشاعتی جدوجہد بالکل بے نظیر ہے۔ اور اہل تاریخ کی ورتی گردانی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان یہ سمجھ رہے تھے کہ سد سکندری ٹوٹ پھوٹ کر بالکل منہدم ہو گئی ہے۔ اور یاہوج ماجوج بچے کھچے اٹاروں کو بچاند کر دنیائے اسلام پر ٹوٹ پڑے ہیں۔ اب ان کا فرض ہے کہ وہ اپنے متاع عزیز یعنی اسلام کو ان وحشیوں کی دست برد سے بچانے کے لئے ان کے خلاف وڑے جائیں۔ تاکہ انکا یہ مقدس ترین سرمایہ محفوظ ہو جائے۔ یہی وجہ تھی کہ ہر مسلمان اپنے اپنے مقام پر اس فرض کی بجا آوری کے لئے کمر بستہ ہو گیا۔ اور اسلام کی ترقی کے لئے اس قدر شاندار کوشش کی۔ کہ یہ دور تاریخ اسلام کا زریں دور قرار دیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ اسی دور میں اسلام ان علاقوں میں جا پہنچا۔ جو اب تک اسلام کے نام تک سے نا آشنا تھے۔

اوپر بیان ہو چکا ہے کہ حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ کا مقام ہندوستان کے صوفیائے کبار میں یکتا ہے۔ انہیں یہ شرف حاصل ہوا کہ انہوں نے تبلیغ اسلام کے علم کو سب سے پہلے اہل کفرستان میں بلند کیا۔ ان کی کتاب فارسی زبان میں تصوف کی سب سے پہلی کتاب ہے۔ جسے اہل تصوف اور اہل علم سر آنکھوں پر اٹھاتے ہیں۔ ان خصوصیات کے بلوجود انہیں ہندوستان کے صوفیائے کبار میں وہ مقام اور درجہ حاصل

نہیں حضرت خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کو حاصل ہے۔ کیونکہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے اجمیر میں بیٹھ کر جو بیج بویا، وہ آگے اتنا درخت بنا۔ پھلا پھولا اور تمام ہندوستان پر چھا گیا۔

حضرت خواجہ معین الدین سیستان کے رہنے والے تھے۔ ابھی بہت چھوٹے تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے باپ نے ایک باغ اور پین چکی ترکہ میں چھوڑی۔ جن کی آمدنی سے آپ سب اوقات کرتے۔ اسی باغ میں شیخ ابراہیم قندوزی سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے آپ کی زندگی کا رخ بدل دیا۔ چنانچہ آپ سب کچھ چھوڑ کر تحصیل علم میں مشغول ہو گئے۔ سمرقند، بخارا سے ہوتے ہوئے عازم عراق ہوئے۔ گراستے میں نیشاپور کے قریب قصبہ ہارن میں شیخ عثمان سے ملاقات ہو گئی۔ انہوں نے آپ کی روحانی اور باطنی تربیت فرمائی۔ آخر انہیں خرقہ خلافت عطا کیا۔ اور آپ کو تبلیغ اسلام کی تلقین فرمائی۔ اب خواجہ غریب نوازؒ نے بلادِ اسلامیہ کی سیروسیاحت کی۔ اس دوران میں بہت سے مشائخ اور صلحاء سے بھی ملاقات ہوئی۔ ان میں شیخ شہاب الدین سہروردی، نجم الدین کبریٰ خواجہ اوصد الدین کرمانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جب آپ مدینہ منورہ پہنچے تو آپ کو خواب میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ارشاد ہوا کہ اجمیر جاؤ اور اللہ تعالیٰ کا نام بلند کرو۔ چنانچہ جب آپ بیدار ہوئے۔ تو اس سفر کے لئے فی الفور آمادہ ہو گئے۔ اس سفر میں آپ کا سارا اثاثہ ایک عصا، ایک لکڑی کا پیالہ اور ایک چادر اور تن کے کپڑے تھے۔ آپ اسی حالت میں ۵۵۶ھ کو لاہور اور دس محرم ۵۶۱ھ کو اجمیر پہنچے۔ رائے پتھورا والے اجمیر نے آپ کے راستے میں بڑی روکاؤں پیدا کیں اور طرح طرح سے ستایا۔ تاکہ آپ تنگ نہ آکر وہاں سے چلے جائیں۔ مگر آپ نے سب آزمائشوں کا بڑی خندہ پیشانی سے نیر مقدم کیا۔ اور تبلیغ و اشاعت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آخر وہ وقت آگیا۔ کہ رائے پتھورا تباہ ہو گیا۔ اور آپ کے گرد ارادتمندوں کا ایک حلقہ قائم ہو گیا۔ اور راہ چوتانے کے کفر ناز سے توحید کی صدا میں بلند ہوئیں۔ اجمیر میں آپ نے مسجد اور خانقاہ تعمیر کی اور وہاں بیٹھ کر آپ نے ہندوستان کو اسلام کے نام پر مسخر کرنے کے لئے منصوبہ بندی کی۔ اور اپنے خلفاء کو ہندوستان کے مختلف حصوں میں تبلیغ کے لئے روانہ کیا۔ اور خود دلجمعی کے ساتھ یادِ الہی میں مشغول ہو گئے۔ آخر ۹۷ برس کی عمر پاکر ۶۳۳ھ میں فوت ہو گئے۔

آپ کا مزار اجمیر میں ہے۔ اور اس وقت تک زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ سچ ہے کہ

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدہ عالم دوام ما

آج پاک و ہند کا بچہ بچہ آپ کے نام سے واقف ہے۔ آپ کی پاکیزہ زندگی، مبلغانہ سعی اور صلحانہ کوششوں کا دل و جان سے معترف ہے۔ وہ آپ کو پاک و ہندوستان میں سب سے بڑا مبلغ اسلام تسلیم کرتا ہے کیونکہ انہی کی جدوجہد سے آج اس برصغیر میں دس کروڑ مسلمان موجود ہیں۔

خواجہ معین الدین کے معاصرین میں میر سید حسین خنگ سوار اور سید علاؤ الدین نذر باری بہت زیادہ شہرت کے مالک ہیں۔ مومن والذکر نے خاندیش کے علاقہ نند بار میں تبلیغ کا فریضہ ادا کیا۔ آپ کفار کا مقابلہ کرتے ہوئے ۱۲۶ھ میں شہید ہوئے۔

اس وقت ملتان پنجاب کا روحانی مرکز بنا ہوا تھا۔ یہاں سلسلہ سہروردیہ کے نامور شیخ حضرت شیخ بہاؤ الدین زکریا رحمۃ اللہ مقیم تھے۔ اور تمام مغربی پنجاب کو اپنی زبردست شخصیت سے متاثر کر رہے تھے۔ ۱۱۸۶ھ کو پیدا ہوئے حصول تعلیم کے لئے بلخ، بخارا، بیت المقدس اور بغداد کا سفر کیا۔ اور بڑے بڑے مشائخ اور علماء سے فیض حاصل کیا آخر آپ شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور ان کی خدمت میں رہ کر روحانی تربیت اور باطنی تعلیم حاصل کی۔ آخر خلعت خلافت حاصل کیا۔ اس وقت آپ کو شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے حکم دیا کہ ملتان واپس جاؤ۔ وہ تمہارا وطن ہے۔ وہاں کی ہدایت تمہارے ذمہ ہے۔ آپ اپنے شیخ کے حکم سے ملتان آئے۔ اور درس و تدریس شروع کیا۔ مغربی پنجاب اور سندھ کا علاقہ آپ کا گرویدہ ہو گیا۔ اور آپ کی شہرت دور و نزدیک پھیل گئی۔ کبھی کبھی آپ دہلی میں تشریف لے جاتے۔ وہاں کے لوگ بھی آپ کو سرانگھوں پر جگہ دیتے اور بڑے ادب سے پیش آتے۔

عام تذکروں میں ہے کہ جب آپ اپنے پیر طریقت کے حکم سے ملتان پہنچے تو وہاں کے علماء و مشائخ کو آپ کا وہاں آنا شاق گزرا۔ ان کے دلوں میں انقیاض پیدا ہوا۔ چنانچہ اسی بات کے اظہار کے لئے انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا۔ کہ ایک پیالہ دودھ سے لبالب بھرا اور اسے آپ کی خدمت میں ارسال کیا۔ جس کا مطلب یہ تھا کہ ملتان کے شہر میں اہل اللہ اس کثرت سے موجود ہیں کہ یہاں اب کسی اور کے لئے گنجائش نہیں ہے۔ آپ ایک ہی نظر میں ان کا مطلب بجا نہ گئے۔ اور نہایت لطیف پیرائے میں اپنا مطلب ادا کیا۔ کہ گلاب کا ایک پھول لے کر دودھ کے پیالہ میں بکھریا

جس کا مفہوم یہ تھا کہ میں تم میں اس طرح رہوں گا جس طرح یہ پھول دودھ کے پیالہ میں ہے۔ آپ کے اس جواب سے ساری کدورت دور ہو گئی۔ اور آپ کی ذہانت اور نکتہ آفرینی پر سب عجب و شگفتہ ہو گئے۔

اب آپ نے اطمینان سے تبلیغ اسلام کا سلسلہ شروع کیا۔ اور دور و نزدیک سے لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہونے شروع ہو گئے۔ ان میں شیخ فخر الدین عراقی بھی تھے۔ جو فارسی زبان کے مشہور شاعر ہیں۔ آپ کی نظر کیا اثر نے چند ایام میں انہیں ولایت کے مقام پر پہنچا دیا۔ یہاں پر بحوالہ کتاب آب کوثر یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہو گا کہ

تصوف کے ہندوستانی سلسلوں میں سب سے زیادہ شہرت چشتیہ خاندان کو ہے [اور فی الواقع اس میں کئی نہایت

ایسی تھیں جنہیں ہندوستانی مساللات خاص طور پر سازگار تھے۔ مثلاً موسیقی اور سماع کا رواج، ادبیت اور شعر و شاعری

سے انس، ملائمت، غیر مسلموں کے ساتھ غیر معمولی رواداری) جنہوں نے اس کی مقبولیت اور اشاعت میں بڑی مدد کی

مسلمانوں کی روحانی تربیت میں بھی اس سلسلہ کے بزرگان کبار نے بڑا حصہ لیا] لیکن سروردیہ سلسلہ بھی چشتیہ کی طرح

بہت پرانا ہے۔ اور ٹھوس تبلیغی کاموں میں تو شاید اس کا پلہ چشتیہ سے بھی بہت بھاری ہے۔ کشمیر میں اسلام

کبرویہ سلسلہ کے بزرگوں (مثلاً امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور ان کے صاحبزادے میر محمد ہمدانیؒ) نے پھیلایا۔ جو سروردیوں

ہی کی ایک شاخ سے تعلق رکھتے تھے۔ بنگال کے پہلے کامیاب مبلغ شیخ جلال الدین تبریزیؒ تھے۔ جو شیخ شہاب الدین

سروردیؒ کے خلیفہ اعظم تھے۔ اس وقت مشرقی بنگال کی سب سے بڑی زیارت گاہ سلہٹ میں ایک سہروردی

(شاہ جلال مینیؒ) کا مزار ہے۔ گجرات کے قدیمی دارالخلافہ ٹن میں حضرت سلطان المشائخ اور حضرت چراغ دہلیؒ نے

بھی اپنے خلفاء بھیجے، لیکن دارالخلافہ یعنی شہر احمد آباد کی سب سے بڑی زیارتیں حضرت قطب عالمؒ اور حضرت

شاہ عالمؒ کے سرفلک روئے سروردی یادگار ہیں۔ اور پاک پٹن سے مغرب کے علاقے یعنی سندھ مغربی

اور بلوچستان کو تو بابا فریدؒ بھی بہاؤ الدین ذکریا سروردیؒ کی ولایت کا جزو مانتے تھے جس کا ذکر بابا صاحب نے

سیر العارفین کے صفحہ ۱۱۵ میں کیا ہے۔

چشتیوں اور سروردیوں میں بہت سی چیزیں مشترک تھیں اور اس امر کا بھی رواج تھا کہ ایک شخص دونوں سلسلوں

کے بزرگوں سے فیضیاب ہو لیکن اگر ان بزرگوں کے حالات زندگی اور کارناموں کو بہ نگاہ فائر دیکھیں تو ان کا امتیازی

رنگ صاف نظر آتا ہے۔ امام احمد شاہ دلیؒ نے تو یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ وہ بیعت کے وقت چار خانہ دلوں

(چشتیہ، سہروردیہ، قادریہ، نقشبندیہ) بزرگوں کے نام لیتے تاکہ ان سب سے فیض حاصل ہو۔ اور ان کی خصوصیات اخذ ہوں۔ ان رجحانات کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مختلف سلسلوں کے ماننے والوں کے درمیان وہ حد فاصل نہ رہی، لیکن پھر بھی ان کے طریق ذکر و عبادت میں کئی امتیازات ہیں۔

چشتیہ: ان کے ہاں کلمہ شہادت پڑھتے وقت لا الہ الا اللہ پر خاص طور پر زور دیا جاتا ہے۔ بلکہ وہ عیناً ان الفاظ کو دہراتے وقت سر اور جسم کے بالائی حصے کو ہلاتے ہیں، ان میں شبیہ حضرات کثرت سے ہیں۔ اور اس سلسلے کی امتیازی خصوصیت سماع کا رواج ہے۔ حضرات چشت پر سماع کے وقت ایک دھدانی کیفیت طاری ہو جاتی ہے اور وہ بسا اوقات اس سے قلعہ کر چور ہو جاتے ہیں۔ چشتی درویش بالعموم رنگ دار کپڑے پہنتے ہیں۔ اور ان میں زیادہ تر ہلکے بادامی رنگ کو ترجیح دیتے ہیں۔

سہروردیہ: ان کے ہاں سانس بند کر کے اللہ ہو کا ورد کرنے کا بڑا رواج ہے، وہ ذکر جلی اور ذکر خفی دونوں کے قائل ہیں، سماع سے بے اعتنائی برتتے ہیں۔ اور تلاوت قرآن پر خاص طور پر زور دیتے ہیں۔
قادریہ: پنجاب کے شیعری مولوی اس سلسلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ قادری سماع بالمرزا میر کے اخلاص ہیں۔ اور ان کے حلقوں میں موسیقی کو (خواہ وہ بالمرزا میر یا ان کے بغیر) بہت کم بار ملتا ہے۔ قادری درویش بالعموم سبز گپڑی پہنتے ہیں اور ان کے لباس کا کوئی نہ کوئی حصہ ہلکے بادامی رنگ کا ہوتا ہے۔ وہ درود شریف کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے عمل میں ذکر خفی اور ذکر جلی دونوں جائز ہیں۔

نقشبندیہ: وہ ذکر جلی کے خلاف ہیں۔ فقط ذکر خفی کو جائز سمجھتے ہیں۔ وہ بالعموم مراقبہ میں سرگوشیاں، آنکھوں کو بند کئے یا زمین پر لگا کر بیٹھتے ہیں۔ موسیقی اور سماع کے خلاف ہیں اور احکام شریعت پر سختی سے عامل ہیں۔ ان کے ہاں مرشد اپنے مریدوں سے الگ نہیں بیٹھتا۔ بلکہ حلقہ میں ان کا شریک ہوتا ہے۔ اور توجہ الی الباطن سے ان کی رہنمائی کرتا ہے۔

چشتیوں کی خصوصیات تو اوپر بیان ہو چکیں۔ سہروردی امور شرعی میں ان سے زیادہ محتاط تھے۔ ان کے ہاں سماع بہت کم تھا۔ خلاف شرع امور میں وہ فوراً تالپندی کی کا اظہار کرتے، دوسرے نہ ہوں گے سوائے ان کا بڑا و غیر معمولی ردا داری کا نہ تھا۔ تبلیغ کا جوش بھی ان میں زیادہ۔ سیر و سفر کا شوق بھی انہیں چشتیوں سے کہیں

بڑھ کر تھا۔ بالعموم چشتیوں کا رنگ جمالی تھا۔ سہروردیوں کا جلالی، ان سب باتوں کا نتیجہ یہ تھا کہ اگرچہ دارالخلافہ کی نازک فراج اور حساس سببوں کو سہروردی کی بی حد تک مستحضر نہ کر سکے۔ لیکن اطراف ملک میں انہوں نے اسلام کا ڈنکا خوب بجایا۔ اور اسلام کی بڑے پرمجوش طریقہ سے اشاعت کی۔

افسوس ہے کہ سہروردیوں کی مکمل تاریخ مرتب نہیں ہوئی اور آج تو اس کے لئے مواد نہیں ملتا۔ سہروردیوں نے کام زیادہ تر اسلامی ہندوستان کے سیاسی اور ثقافتی مرکزوں سے دُور رہ کر کیا ہے۔ ان کی روحانی کوششوں کو دارالخلافہ کی تیز رفتاری روشنی نے اجاگر نہیں کیا۔ اور اتفاق سے ان میں اہل قلم حضرات کی بھی بہتات نہیں ہوئی۔ چشتیوں میں سے اکثر اصحاب سجادہ (مثلاً حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ، خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ، بابا فرید گنج شکرؒ، حضرت سلطان المشائخؒ سید کیسودرازؒ) ایک خوشگوار ادبی رنگ کے حامل بلکہ شاعر تھے۔ ان کے مریدوں میں امیر خسروؒ، امیر حسن بھٹائیؒ، ضیاء الدینؒ برنیؒ مورخ جیسے کامل الفن ادیب اور شاعر موجود تھے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان کے کارنامے بڑی آب و تاب سے بیان ہو کر ہماری روحانی زندگی کا جزو ہو گئے۔ لیکن سہروردیوں کی ٹھوس مذہبی خدمات سے دُور کی بدولت مشرقی اور مغربی پاکستان میں اسلام کا بول بالا ہوا، ایک عام بے خبری ہے :

شیخ بہار الدین زکریاؒ کے معاصرین میں بابا فرید الدین گنج شکرؒ اور شیخ حمید الدین ناگوریؒ ایک خاص مقام کے مالک ہیں۔ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کی وجہ سے بھٹی راجپوتوں نے اسلام قبول کیا اور شیخ حمید الدین ناگوریؒ نے راجپوتانہ میں تبلیغ کی اور راجپوتوں کو اسلام کا پرستار بنایا۔

شیخ فرید الدینؒ اور شیخ بہار الدین زکریاؒ کے باہمی تعلقات نہایت خوشگوار تھے۔ ان دونوں بزرگوں میں اکثر خط و کتابت رہتی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے انہیں خط لکھا۔ جس میں یہ فقرہ بھی تھا کہ ”میان ما دشما عشق بازی است“ بابا فرید گنج شکرؒ نے لکھا کہ ”میان ما دشما عشق است بازی نیست“ اس واقعہ سے ان بزرگوں کے باہمی تعلقات کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

آپ کے زمانہ میں ناصر الدین قباچہ ملتان کا حاکم تھا۔ وہ سلطان محمد غوری کا غلام تھا۔ جب شمس الدین التمش دہلی کا بادشاہ ہوا تو ناصر الدین قباچہ کے دماغ میں ایک آزادانہ خود مختار حکومت قائم کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ اور وہ منصوبہ بے نیار کرنے لگا۔ شیخ بہار الدین زکریاؒ کو جب اس کے ارادوں کا علم ہوا تو انہوں نے ہلکم و کاست سارا

واقعہ التمش کو لکھا۔ اتفاقاً یہ خط قباچہ کو مل گیا۔ وہ اُسے پڑھ کر بہت برا فروختہ ہوا۔ اس نے حکم دیا کہ شیخ کو حاضر کیا جائے جب آپ حاضر ہوئے تو اس نے شیخ سے باز پرس شروع کی۔ شیخ نے یہ اعتراف کیا کہ خط انہوں نے لکھا ہے کیونکہ وہ پسند نہیں کرتے کہ جنگے جہاں اور مسلمانوں کا خون بہایا جائے۔ تب آپ اس جواب سے خاکوش ہو گیا۔

آپ کی وفات ۶۶۱ھ میں ہوئی آپ کا مزار ملتان میں ہے۔ جہاں ہر سال عرس منایا جاتا ہے اور ہزاروں آدمی اس میں شریک ہوتے ہیں۔

آپ کی وفات کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ صدر الدینؒ آپ کے جانشین ہوئے۔ انہوں نے رشد و ہدایت کے ساتھ ساتھ تبلیغ و دعوت اسلام کا سلسلہ بھی جاری کیا۔ ان کے بعد شیخ رکن الدین ابوالفتحؒ اپنے باپ کے جانشین ہوئے دو اپنے دادا شیخ بہار الدین زکریاؒ کے عریذ تھے۔ دہلی کا شہنشاہ علاؤ الدین خلجی آپ کا بے حد معتقد تھا۔ جب آپ کو ایک دو مرتبہ دہلی جانا پڑا تو خود علاؤ الدین خلجی آپ کے استقبال کے لئے آیا۔ اور رخصت کے وقت رد لاکھ سکے آپ کی نذر کئے۔ آپ نے یہ سب رقم غریبوں، محتاجوں اور مستحقوں میں تقسیم کر دی۔

جب علاؤ الدین خلجی کی وفات کے بعد اس کا بیٹا مبارک خلجی بادشاہ ہوا تو دہلی میں شیخ نظام الدین اولیا محبوب الہیؒ تبلیغ میں مشغول تھے۔ مبارک کے تعلقات ان سے خوشگوار نہ رہے۔ اس نے شیخ رکن الدینؒ کو دہلی طلب کیا تاکہ وہ شیخ نظام الدینؒ کو نیچا دکھائیں۔ مگر آپ بادشاہ کے روبرو حضرت محبوب الہیؒ سے اس تپاک اور گرم جوشی سے ملے کہ بادشاہ کی امیڈل پر پانی پھر گیا۔ اور وہ بالکل مایوس ہو گیا۔ ایک مرتبہ بادشاہ نے آپ سے دریافت کیا کہ جب آپ دہلی تشریف لائے تھے تو اہل شہر میں سے سب سے پہلے کون آپ کے استقبال کے لئے آیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جو شہر میں سب سے بہتر ہے۔ بادشاہ اس جواب سے اور جل گیا۔ اب آپ نے دہلی میں مستقل قیام اختیار کیا۔ اور حضرت محبوب الہیؒ سے پر لطف صحبتیں رہنے لگیں۔ اور جب محبوب الہیؒ کا انتقال ہوا تو آپ ہی نے نماز جنازہ پڑھائی۔

آپ نے بڑی لمبی عمر پائی۔ اور بہت سے بادشاہوں کو تخت پر بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ آخر ۷۲۵ھ میں آپ کا انتقال ہوا آپ کے خلفاء میں شیخ وجہ الدین عثمانؒ اور مخدوم جہانیاں جہاں گشتؒ نے آپ کے مشن کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔

خواجہ معین الدین (سلطان السند) کا قیام اکثر بیشتر اجمیری رہا۔ مگر آپ نے دہلی کا مشن خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ

کے سپرد کیا۔ وہ آپ کے مرید اور خلیفہ تھے۔ جن ایام میں حضرت خواجہ غریب نوازؒ اجمیر میں تھے۔ آپ بغداد میں قیام پذیر تھے۔ حضرت خواجہ کی ارادتمندی کا حلقہ وہیں پر آپ اپنی گردن میں ڈال چکے تھے۔ اور مریدوں میں شامل ہو چکے تھے۔ وہ آپ کے ساتھ ہی اجمیر آنا چاہتے تھے۔ مگر آپ نے تکمیل تعلیم کو اپنی ہمرکابی پر مقدم سمجھا اور انہیں بغداد میں رہ کر تعلیم حاصل کرنے کا حکم دیا۔ جب آپ نے سند فراغت حاصل کر لی تو پھر عازم اجمیر ہوئے۔ کچھ دن ملتان میں ٹھہرے اور شیخ بہاء الدین زکریاؒ اور شیخ جلال الدین تبریزیؒ کی صحبت سے مستفیض ہوئے اور خواجہ غریب نواز سے حاضری کی اجازت چاہی۔ آپ نے فرمایا کہ قرب روحانی کے آگے بعد مکانی بے حقیقت خیر ہے۔ اس لئے تم دہلی کو اپنا مرکز بناؤ۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ نے دہلی میں اقامت اختیار کی۔ ان ایام میں سلطان شمس الدین التمش ہندوستان کا شہنشاہ تھا۔ اس نے شیخ الاسلام کا عہدہ آپ کی خدمت میں پیش کیا۔ مگر آپ نے قبول نہ کیا۔ اور آپ کی سفارش پر یہ عہدہ حضرت خواجہ غریب نوازؒ کے ایک عزیز شیخ نجم الدین صفراء کے سپرد ہوا۔ مگر ان میں بہت جلد ان بن ہو گئی۔ چنانچہ سلطان اسد خواجہ غریب نوازؒ خود ہی تشریف لائے۔ ان کے سامنے یہ معاملہ پیش ہوا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کہ علماء مشائخ میں یہ جھگڑا کیوں ہو۔ دوسروں کو وعظ و تلقین کرنے والوں کا اگر یہی کردار ہے تو پھر عوام کا کیا بنے گا؟ انہوں نے خواجہ قطب الدینؒ کو ساتھ چلنے کیلئے کہا، انہوں نے واپس جانے کی تیاری شروع کی۔ مگر دہلی والوں نے خواجہ قطب الدینؒ کے قیام دہلی پر اصرار کیا۔ آپ نے انکی درخواست قبول کر لی۔ اور خواجہ قطب الدینؒ گو دہلی رہنے کی اجازت دے دی۔

سلطان التمش آپ کا بے حد معتد تھا۔ وہ آپ کے قیام دہلی پر اکثر عداوند کریم کا شکریہ بجا لاتا تھا۔ اور آپ کی صحبت کو اپنے لئے اذیٰب غنیمت سمجھتا تھا۔ آپ نے دہلی کے گرد و نواح میں تبلیغ اسلام کی۔ آخر آپ ۴۴۲ھ ربیع الاول ۷۳۲ھ مطابق ۱۲۴۶ء کو فوت ہوئے اور دہلی میں مدفون ہوئے۔

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کی وفات کے بعد آپ کی جانشینی کا قرعہ بابا فرید الدین گنج شکرؒ کے نام نکلا۔ آپ کا اصل نام مسعود تھا اور آپ بمقام کبوتر وال (ضلع ملتان) میں پیدا ہوئے۔ آپ کی طالب علمی کا زمانہ تھا کہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کا گزر ملتان سے ہوا۔ آپ کی ملاقات ان سے ہوئی۔ آپ ان کے حلقہ ارادت میں شامل ہوئے۔ اور دہلی پہنچ کر اپنی روحانی تربیت میں مشغول ہوئے۔ دہلی میں چونکہ حضرت خواجہ کے عقیدتمندوں کا بہت بڑا ہجوم رہتا تھا۔ اس لئے آپ کو کیسوی حاصل نہ ہوتی تھی۔ آپ اپنے پیر طریقت کی اجازت سے مانسی چلے گئے۔ مگر دہلی اکثر آنا جانا رہتا تھا۔

اپنے مرشد کی وفات کے بعد آپ دہلی آئے۔ پھر اپنے وطن مالوت گئے اور آخر ابو دھمن (پاک پٹن) آئے جہاں آپ کا انتقال ۱۲۶۵ھ کو ہوا۔ آپ نے اشاعت اسلام کا بہت زیادہ کام کیا۔ مغربی پنجاب کے بہت سے قبائل خاص کر سیال، وٹو، بھیٹی راجپوت آپ کے ہاتھ پر ہی مسلمان ہوئے۔ آپ کے واسن تربیت میں مخدوم علاؤ الدین صابر (کلیر) المتوفی ۱۲۹۱ھ، قطب جمال الدین ہانسوی المتوفی ۱۲۵۹ھ، حضرت سلطان المشائخ امام علی الحق (سیالکوٹ) المتوفی ۱۲۸۶ھ نے روحانی تعلیم حاصل کر کے ہندوستان کے مختلف مقامات پر اپنے اپنے مرکز قائم کئے اور تبلیغ و اشاعت اسلام کا فریضہ ادا کیا۔

سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا، محبوب الہی علیہ الرحمۃ۔ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اعظم تھے۔ آپ ۶۳۶ھ کو بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔ آپ کا نام سید محمد تھا۔ آپ نے دہلی پہنچ کر حدیث، تفسیر، ادب اور فلسفہ میں سند فضیلت حاصل کی۔ آپ کے کمالات کا شہرہ دور دور تک پھیل چکا تھا۔ اس لئے حکومت نے آپ کی خدمت میں شیخ الاسلامی کا عہدہ پیش کیا۔ جسے آپ نے ٹھکرا دیا۔ کیونکہ آپ کے دل میں یہ لگن تھی کہ بابا فرید الدین گنج شکر کی خدمت میں حاضر ہو کر روحانی فیوض و برکات حاصل کریں۔ چنانچہ ۶۵۵ھ کو آپ ابو دھمن پہنچے۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور کمال چار برس آپ کی خدمت میں حاضر رہے۔ بابا فرید الدین نے آپ کی زندگی کی رو بدل دی۔ جب آپ کو علوم باطنی میں بھی کمال حاصل ہوا۔ تو حضرت بابا نے حکم دیا۔ کہ آپ دہلی تشریف لے جائیں۔ اور عوام کی اخلاقی تربیت کے ساتھ ساتھ روحانی تربیت بھی کریں۔ رخصت کے وقت آپ نے فرمایا کہ میں تمہیں سلطان الہند کرتا ہوں۔ سلطان کے لئے تلوار کا ہونا ضروری ہے۔ یہ لو یہ قرآن مجید ہے۔ یہ تمہاری تلوار ہے۔ اسے محور عمل بنانا اگر تم نے اس کے خدات کیا تو تمہاری سلطانی ختم ہو جائے گی۔ آپ دہلی آئے۔ اپنے پیڑھائیت کی ہدایت پر عمل شروع کیا۔ آپ شروع شروع میں شہر میں رہتے تھے۔ مگر آخر کار موضع خیاب پور کو اپنا مسکن قرار دیا۔

حضرت محبوب الہی کا آستانہ ایسا تھا کہ بڑے بڑے بادشاہ اس پر جہ سائی کرنا فخر سمجھتے تھے۔ چنانچہ علاؤ الدین خلجی اور اس کے جانشین اکثر آپ کی خانقاہ میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ ہندوستان کے مشائخ میں آپ ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ آپ نے منظم طور پر تبلیغ اسلام کا بندوبست کیا۔ ہر علاقہ میں باقاعدہ اشاعت اسلام کا کام کیا۔ اور وہاں کے لئے اپنے نائب اور خلیفے مقرر کئے۔ چنانچہ ابو علی قلندر پانی پت میں، شیخ نصیر الدین شاہ چراغ دہلی میں، شیخ

برہان الدین غریب دکن میں شیخ سراج الدین عثمان بنگال میں شیخ ثلث الدین بھیری بہار میں تبلیغ اسلام کے لئے نامزد ہوئے۔ اس طرح تمام ہندوستان تعلیمات اسلامی سے روشناس ہوا۔ اور آپ واقعی روحانی ہندوستان کے سلطان ہند ہو گئے۔

مٹان کے بعد پنجاب میں اوج ایک ایسا مقام تھا۔ جو اسلامی حکومت کے ابتدائی ایام میں تبلیغ اسلام کا زبردست مرکز تھا یہاں سے اسلام کی کرنیں راجپوتانہ سندھ اور پنجاب میں پھیل گئیں۔

اوج ایک قدیم قصبہ ہے اور پنج ندی کے قریب واقع ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ محلہ گیلانیہ اور محلہ قادریاں، اول الذکر میں سلسلہ قادریہ کے بزرگ رہتے تھے اور مؤخر الذکر میں سرودھی سلسلہ کے مشائخ کبار اقامت پذیر تھے۔

سب سے اول سلسلہ میں یہاں پر شیخ بہاؤ الدین زکریا ملتانی کے خلیفہ سید جلال الدین منیر شاہ میر سرخ بخاری تبلیغ کے لئے وارد ہوئے۔ اور محلہ بخاریاں کی بنیاد ڈالی۔ یہ زمانہ تھا جب یہاں ہندو اور غیر مسلم ہی آباد تھے۔ اس لئے اسے دیو گڑھ کہتے تھے۔ آپ نے اپنے قیام کے دوران میں سینکڑوں راجپوت قبیلوں کو مسلمان کیا۔ آپ ۹۵ برس کی عمر میں ۶۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

آپ کے بعد شیخ بہاؤ الدین زکریا کے ایک اور خلیفہ شیخ موسیٰ نواب اوج آئے۔ ان کے ہاتھ پر دور راجپوت قبیلے مسلمان ہوئے۔ آپ کے بعد صدر راجو قتال اور ان کے برادر محترم جہانیاں جہاں گشت نے اسلام کی اشاعت کا فریضہ احسن الوجہ ادا کیا۔ نون مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ مخدوم لال شہباز قلندر نے سندھ کو اپنی تبلیغی سرگرمیوں کی جولانگاہ بنایا۔ آپ سلسلہ سرودھی سے وابستہ تھے۔ شیخ بہاؤ الدین زکریا کے مرید تھے۔ آپ کا قیام زیادہ سیوستان میں رہا۔ جہاں آپ کو بے حد مقبولیت حاصل ہوئی۔ آپ سرخ لباس پہنتے تھے۔ اس لئے لکھپ کے ارادت مند اور عوام آپ کو لال شہباز کہتے تھے۔ اس بناء پر آپ کے وابستگان دین بھی لال شہباز کہلاتے۔ یہ بالکل محفل کیفیت ہے۔ ان سرگرمیوں کی جو حضرات صوفیاء اور مشائخ نے تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں اختیار کیں اور جن کی بدولت ہندوستان توحید و مساوات سے آشنا ہوا اور انسانیت کے بلند مرتبہ پر پہنچا۔

بزرگان دین کی ان تبلیغی سرگرمیوں سے اس اعتراض کا بھی قلع قمع ہو جاتا ہے۔ جو انصار نے یہ کہہ کر گڑھ لیا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا یا گیا ہے۔ چنانچہ اس کی تردید میں ۱۲ نومبر ۱۹۴۲ء کو شام کے وقت ایک نجاتی تجدیدی

میں ہندو وزیر ترقیات پنجاب سر چھوٹو رام نے تقریر کرتے ہوئے بتایا کہ موجودہ ہندو مسلم سکھ کشیدگی تاریخی واقعات
 کی دانستہ تحریف کا نتیجہ ہے۔ ہندوؤں اور سکھوں کو جو باتیں کہہ کر مسلمانوں کے خلاف بغض کا یا جانلبے۔ ان میں سے
 ایک فرضی داستان یہ بھی ہے کہ ایک مسلمان فرمانروا اس وقت تک کھانا نہیں کھایا کرتا تھا جب تک کہ ہندوؤں کی اتنی
 تعداد روزانہ مسلمان نہ کر لیا کرتا جن کے جینیو یک وقت سوا من بھاری ہوں۔ میں کہتا ہوں کہ مسلمانوں کے دور حکومت میں
 ہندوؤں کی کل تعداد پانچ چھ کروڑ سے زیادہ نہیں تھی۔ اور سوا من وزنی جینیو اندازاً چالیس پچاس ہزار ہندوؤں کے گٹلے سے
 ہی اتر سکتے ہیں۔ لہذا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر یہ الزام درست ہوتا تو ہندو آج تک بالکل مٹ گئے ہوتے اس من گھڑت
 قصے کے من گھڑت ہونے کا ایک اور ثبوت یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے عام طور پر دہلی اور آگرہ سب سے تمام ہندوستان پر
 حکومت کی۔ لیکن ان دار الخلافوں کے ارد گرد ہندو آبادی علی الترتیب پچتر اور پچاس فیصدی کے قریب ہے۔ اگر کھانا
 کھانے سے پہلے اتنے ہندوؤں کا مسلمان کر لیا ضروری سمجھا جاتا تھا تو مسلمان فرمانرواؤں کی یہ خواہش آگرہ اور دہلی کے نواحی علاقوں میں
 تو بہرست اور نہایت اچھی طرح پوری ہو سکتی تھی۔ حالانکہ انہی علاقوں میں ہندوؤں کی بھاری سے بھاری تعداد اب بھی اس بے حقیقت انسان کی زندہ اور
 اور دائمی تردید موجود ہے۔ یہ مفید جھوٹ جو خود غرض انسانوں نے ہندوستان کی اقوام کے درمیان پھیٹ ڈالنے اور ابدی منافرت کا بیج
 بونے کے لئے تشکیس رکھا ہے۔ جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں تحقیقت یہی ہے کہ اسلام بزور شمشیر ہرگز نہیں پھیلا۔ بلکہ
 اس کی ترقی اور عام تبلیغ مسلمان صوفیاء اور بزرگوں کے بے مثل اخلاق اور درویشوں کی پاکیزہ سیرت کی مرہون منت ہے
 الغرض صوفیائے عظام کا گروہ جو سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے بعد یا سیدنا حضرت علی کرم اللہ وجہہ
 کے سانچہ ارتحال کے پیچھے حکومت ظاہری سے کنارہ کش ہوا وہ اسلامی دنیا سے الگ نہیں ہوا۔ بلکہ حکومت کی رفتار
 بے ڈھنگی اور اقرار نوازی سے الگ ہو کر بھی روحانی اثر سے خدمت اسلام کرتا رہا۔ اور رفتہ رفتہ تمام مبادی اسلام
 میں ان کی خدمات مسلسل طور پر منظم ہو گئیں۔ عوام الناس ان کے مذہبی اثر میں تھے۔ جن کو انہوں نے مادیم باطنی کے سوا
 علوم ظاہری کی تعلیم بھی دینا اپنا فرض منصبی سمجھا۔ امرائے سلطنت ان سے فیضیاب ہو کر شاہی خاندان کو جادۂ اعتدال
 سے منحرف نہ ہونے دیتے تھے۔ شروع شروع میں بنو امیہ اور بنو عباس کے ایوان خلافت میں اس گروہ کی وہ قدر
 منزلت نہ ہوئی جس کا وہ مستحق تھا۔ بعد کے سلاطین نے اس جماعت کی کما حقہ قدر افزائی کی۔ لیکن ان کا نالہ و احترام نہ
 صرف عوام میں بلکہ ان لوگوں میں بھی رہتا تھا جن سے اراکین سلطنت منتخب کئے جاتے تھے اور جتنے درباری اور لشکری

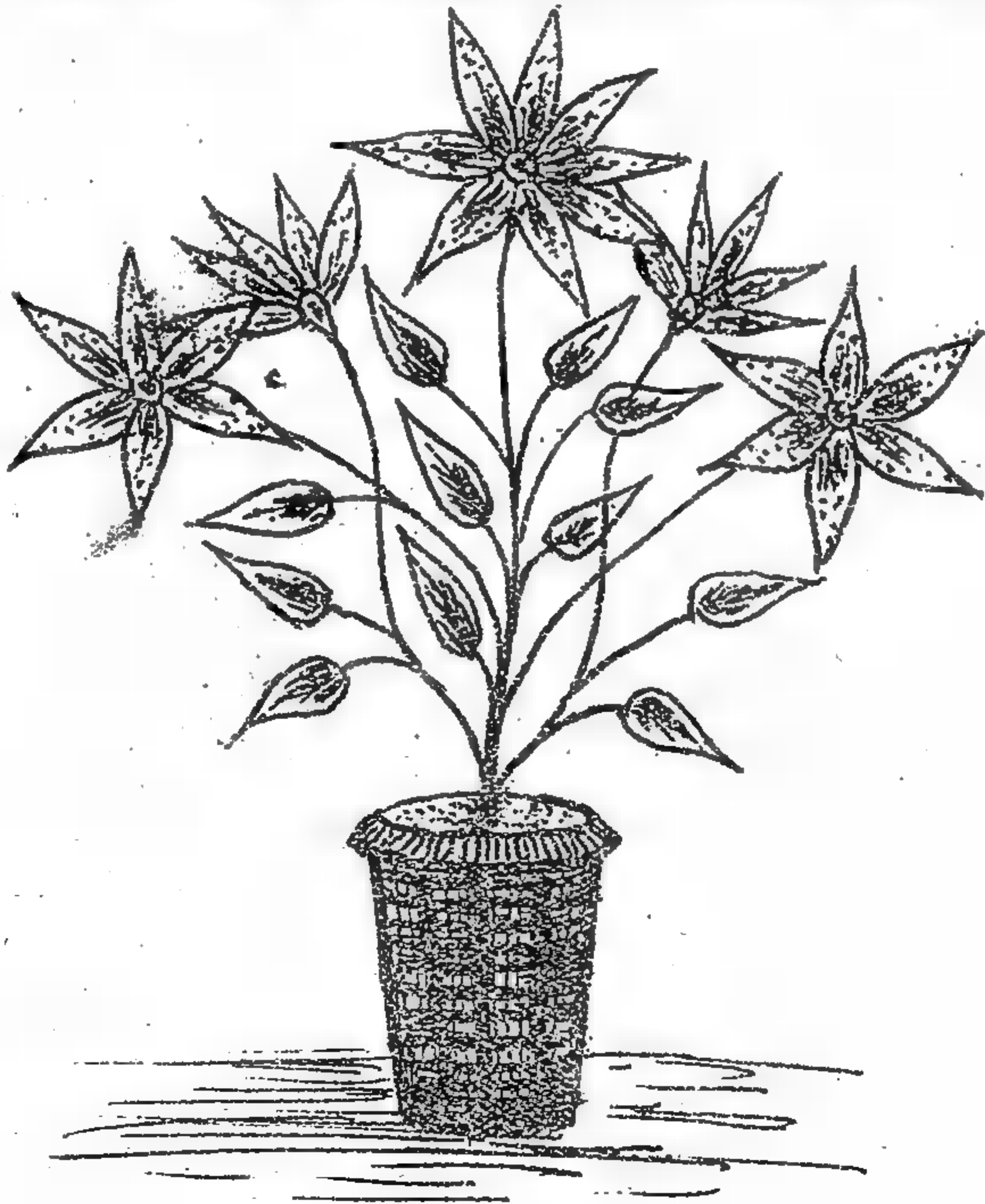
ہوتے تھے۔ ان کے حسن اخلاق اسی طبقہ کے حضرات کی حسن سعی سے قائم رہتے تھے۔ یہ بات مشہور ہے اور بجا طور پر مشہور ہے کہ ترکوں اور مغلوں کی فوج میں سپاہیوں اور سواروں کے بھیس میں اولیاء اللہ رہا کرتے تھے۔ اور انکا یوں رہنا اپنے پیشواؤں کی ہدایات کے مطابق اس خفیہ انتظام روحانیت کی تبعیت میں ہوتا تھا۔ جس کے ذریعہ سے انبیاء، اقطاب، ابدال، اذواد کی خدمتیں تفویض ہوتی تھیں۔ انتظام خاص اور نظام عسکریت کو اس سے کوئی تعلق بھی نہ ہو۔ جب بھی یہ بات بہت قرین تیس ہے کہ فوائد جہاد بتانے اور شہادت کی بندگی رجحان پر وعظ کرنے والے لشکر اسلام میں اگر موجود نہ ہوتے تو معمولی سپہ سالاروں کی ہدایات سپاہیوں کو جان پر کھیلنے کی ترغیب نہیں دلا سکتی تھیں۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہل اللہ نے شاہی دربار کی شان و شوکت کو ناپسند کر کے کنارہ تو کر لیا۔ لیکن تحریک جہاد کیلئے سپاہیوں کی سیدھی سادھی زندگی سے انس قائم رکھا۔ اور لباس کی تھوڑی سی تبدیلی میں اپنا کام کرتے رہے۔

لوگ کہتے ہیں کہ عیش پسندی نے مسلمانوں سے سپاہیانہ زندگی ترک کرادی۔ جس سے اسباب زوال پیدا ہوئے۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ بندگان خدا نے جب فوج سے کنارہ کیا۔ تو ان کی کنارہ کشی فوج اسلام کو ناکارہ کر گئی اور فوج کی ناکارگی سے سلاطین کے دل بیٹھ گئے۔ کیونکہ جب تک جہاد کی صحیح سپرٹ اور کفر کو مٹانے کا پاکیزہ جذبہ سپاہی میں پیدا نہ ہو۔ محض تنخواہ دار فوج پر بھروسہ کرتا ایک بیودہ نظریہ ہے۔ اب رہا یہ امر کہ اولیاء کرام نے فوجی خدمات سے کیوں بے تعلقی اختیار کی۔ اس کا سبب صاف اور درویشانہ جواب تو یہ ہے کہ مشیت ایزدی یوں ہی تھی۔ لیکن دنیا دارالاسباب ہے۔ اس لئے یوں بھی کہنا پڑے گا کہ مسلمانوں نے حکومت پانے پر بہت جلد خود فراموشی اختیار کر لی۔ لیکن بایں ہمہ دنیا سے بظاہر قطع تعلق کرنے والے درویش عرصہ تک دنیا داروں کی اصلاح کرتے رہے۔ اور اس سے اسلامی عمارت عرصہ تک قائم رہی۔ بعد ازاں باطنی گروہ میں نااہل اور ریاکار و بد باطن لوگوں نے گھسٹا شروع کیا۔ تو جھوٹوں نے سچے موتیوں کی بھی بے قدری کر دی اور کچھ دنوں بعد فرقہ عبا سیہ کی جو حالت ہوئی۔ سب پر ظاہر ہے۔ با اثر جماعتیں دوہی تھیں۔ درویش یا مالدار۔ مالداروں کو تو عیش و عشرت نے برباد کیا اور درویشوں کو ریاکاری اور درپوزہ گری نے بیکار کر دیا۔ چھت بوسیدہ تھی۔ مگر ستون جب تک قائم رہا ہے تعمیر کھڑی رہی۔ جب پیشوائے مذہب ہی نہ رہے تو تعمیر بھی قائم نہ رہ سکی۔

اسلام محض بحیثیت مذہب رونق نہیں کر سکتا۔ جب تک ہماری مسجدیں آباد، خالقان ہیں پھر رونق اور علماء باعمل کے زیر اثر نہ ہوں۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ہمارے علماء میں محدثین ہیں۔ مفسرین ہیں۔ فقہاء ہیں۔ اور کتنے حضرات ایسے بھی ہیں کہ فقہ، حدیث، تفسیر سب میں ماہر ہیں۔ لیکن عملی حیثیت سے ہر تاپا سنت نبوی علیہ السلام کے خلات، عمل تو انکا انکی بوس نفس کے ماتحت اتنا بھی نہیں، جس قدر ان کی تقاریر و مواعظ میں بناوٹی جذبہ پایا جاتا ہے۔ حالانکہ محض احوال سے کہیں زیادہ سنت نبوی کا اتباع اعمال میں ہونا چاہئے۔ تاکہ اسلام کی پوری پوری محاسن و برکات عوام میں ظاہر ہوں اور اختیار بھی اسلام سے محبت کرنے لگیں۔ علوم ظاہری کا حصول اس امر کا ضامن نہیں ہوتا کہ اعمال بھی صالح ہوں گے عمل صالح کی ضمانت تعلیم باطن سے ہوتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ پہلے زمانہ میں علوم ظاہر سے فراغت حاصل کرنے پر باطن کی بھی تحصیل کی جاتی تھی۔ اور یہی علماء اس وقت پیشوایان مذہب اور جانشینان رسول علیہ السلام تصور کئے جاتے تھے۔ اس سلسلہ میں خرابیوں کا باعث ایک اور چیز بھی پیدا ہوئی اور وہ یہ تھی کہ علوم ظاہر تحصیل کئے بغیر تعلیم باطن کا رواج پھیلا اور عوام الناس نے ان ناقص پیشواؤں کی متابعت شروع کر دی۔ جس کا نتیجہ خود نامردی اور مردوں کی رہنری پر منتج ہوا۔ یہاں تک بھی کچھ نقل سے اصل کی سمجھائی کا گمان تھا۔ مگر غضب یہ ہوا کہ یہ ناقصین کا گروہ جس نے بزم خود کا ملین کا حجبہ پہنا۔ حصول زر کو اپنا نصب العین بنا کر میدان میں آئے اور متلاشی حق طبقہ میں ذلیل و رسوا ہوئے کیونکہ ان کا دعوائے باطن و حق پرستی بے دلیل تھا۔ اثر یہ پڑا کہ وہ طبقہ عالیہ جس پر اہل اسلام کو ناز تھا۔ باعث تخریب ٹھہرا دیا گیا۔ اور اسکی وجہ سے تصوف اور اہل اللہ پر وہ نکتہ چینیاں ہوئیں کہ اہل جہاں نے اس گروہ کو رہن الیہ اور قوم پر بارہونے کا فتوے دے دیا۔

گو دنیا اچھے لوگوں سے خالی نہیں۔ اور حسب ارشاد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہ خالی رہے گی۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ ہر زمانہ میں وہ ساٹھ دہوہے مقدس موجود رہتے ہیں۔ اور رہیں گے۔ جنکی طفیل تم پر مینہ برساتے جلتے ہیں جن کی طفیل تم پر سے دہائیں دور کی جاتی ہیں۔ اور جن کی طفیل تم رزق دیے جاتے ہو۔ مگر بنظر ظاہر آج اچھے لوگ تعداد میں اتنے کم ہیں کہ الشاد رکالہ معدودہ کا مقولہ صادق آتا ہے۔ خداوندِ عالم جلیشانہ متقلب القلوب ہے۔ ہمیں ناامید نہ ہونا چاہئے۔ ممکن ہے کہ وہ زمانہ آجائے کہ خاکستر کی چنگاریوں سے آتش اسلام پھر روشن ہو۔ ہر مسلمان کے نزدیک یہ ایک مسئلہ مسئلہ ہے کہ اہل اسلام اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتے۔ جب تک اہل سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ان کا نصب العین نہ ہو۔ ہمیں اپنے ہی بزرگانِ دین اور پیشوایانِ دین متین کی تقلید کرنی چاہئے۔ اغیار کی تقلید ہمیں کبھی ترقی کے ذریعہ پر نہیں چڑھا سکتی۔ ہمارے لئے ہمارا دین بس ہے۔ ہمیں اپنی بھولی ہوئی چیزوں کو اپنی ہی مسجدوں اور خانقاہوں میں تلاش کرنا چاہئے۔ انہی کھنڈروں سے ہم اپنی گزشتہ عظمت کا سبق لے سکتے ہیں۔ اور انہی سے وہ راہ نکلے گی جو ہمیں ساحلِ مراد پر پہنچا دے گی۔ موجودہ زمانہ سے بہتر زمانہ شاید ہی ہمیں روحانیت میں ترقی کا مل سکے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم اس پر معذرت سے قائم ہو جائیں اور اسی ریت کے ذروں سے پھر سونا تلاش کریں۔ جہاں سے اسلامی برکات کا دریا پوری تیزی سے بہ چکا ہے۔ جب تک ہم قرونِ اولیٰ کا اسلام سیکھنے کیلئے متوجہ نہ ہوں گے۔ اور آگے جانکی بجائے تیرہ چودہ سو سال پیچھے ہٹ کر یہ جاننے کی کوشش نہ کریں گے۔ کہ متقدمین کا طرز عمل کیا تھا۔ اپنی دنیا میں کبھی بھی ملود حاصل نہ کر سکیں گے۔ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقِ۔



صوفیائے عظام اور سیاسیات

عوام کا یہ نظریہ کہ درویش یا صوفی جو ترک ماسوا کئے ہوئے پیکرانِ قدس اور بے نیازانِ عالم ہوتے ہیں۔ انکو کب فراغت ہوتی ہے کہ وہ دنیا کی الجھنوں کو نظر اٹھا کر بھی دیکھیں کس قدر بے معنی ہے۔ اگر وہ اسبابِ دنیا اور اہل دنیا سے متمتع ہوتے ہیں تو فقر پسند لوگ یوں زبانِ طعن کھول دیتے ہیں۔ اور اگر جہاں والوں سے الگ تھلگ نظر آتے ہیں۔ تو جھٹ رہبانیت کے تیروں کا ہدف بنتے ہیں۔ کاش یہ سمجھا جاتا کہ ان سرشارانِ عشق کی مدہوشیاں بھی ہم جیسے بے بصروں کی ہوشیاروں سے بدرجہا فائق ہوتی ہیں۔ اور ان کو نہ صرف سیاسیات بلکہ جملہ امورِ عالم سے ہر دور اور ہر زمانہ میں تعلق رہا ہے۔ اور ہمیشہ رہے گا۔

یہ ظاہر ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام ظاہری و باطنی علوم کے ماہر رہے ہیں اور ان کی روحانی بلند پروازیوں اور باطنی عظمتوں کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ ان کی بعثت ہر عہد میں کس مقصدِ عظیم کی تکمیل کیلئے ہوئی اور ان کا تعلق اقوام و ممالک کی اصلاح سے کس قدر رہا۔ مگر غور کیا جائے تو یہی حقیقت عین سیاست نظر آئے گی۔ اور اسی سلسلہ اصلاح میں ان کی چپقلش برابر فرمانروایانِ وقت اور فراعنہٗ اقوام سے ہوتی ہی اور اس تصادم میں وہ اپنی روحانی قوتوں کی بدولت ہمیشہ کامیاب بھی ہوئے اور انہی کا اتباع صوفیائے عظام کے سیاسی اعمال کا پیش لفظ ہوتا ہے۔

سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم النبیین نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت و رسالت کا سلسلہ بند ہو کر قیامت تک کی اصلاحی خدمات علمائے اسلام و اولیائے کرام و صوفیائے عظام کی تفویض میں دے دی گئیں یہی وہ جماعت ہے جو اصولاً اپنے مرشدين کرام سے ہمیشہ تربیت یافتہ ہوتی رہی ہے۔

جہاں تک سہارا علم ہماری رہنمائی کرتا ہے حضور علیہ السلام کے بعد یہ سلسلہ حضرت صدیق اکبر فاروق اعظم عثمان ذی النورین اور علی المرتضیٰؓ، بلالؓ، ابوذر غفاریؓ، رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چلا ہے۔ اور اپنے بعد والوں کو سجادہ نشینی اور خلافت کا منصب عطا کرتا چلا گیا ہے۔ عہد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اصلاحِ نبوت

کا اثر باقی تھا۔ اس کے بعد زمانہ بدلا اور حرص دنیا نے غلبہ پایا۔ تو خود صحابہ اکرام تابعین تبع تابعین میں سے بزرگ اور عادت جماعت الگ ہو گئی۔ چونکہ عہد عثمانی کے فتنہ کے وقت جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے بزرگ بالکل سکوت کر گئے اور جوں جوں زمانہ متغیر ہوتا گیا کلیتہً القطار کرتے رہے۔ اور ایک عرصہ تک ترک دنیا کی تعلیم پر وعظ فرمانا ان کا شیوہ رہا۔ اس لئے کہ انتہائی دنیا پسندی اور امارت پرستی کے زمانہ میں اسی کی ضرورت تھی جلیل القدر اولیاء اللہ اپنے معتقدین اور تبعین کو دنیا پرستی سے نفرت دلاتے اور خود بھی انتہائی ترک و تجرید کی زندگی بسر فرماتے۔ ان کا صحیح مفہوم یہ تھا کہ جس دنیا کے پیچھے اہل دنیا دیوانہ وار دوڑتے چلے جا رہے ہیں۔ وہ حقیقتاً ایک بے اصل شے ہے۔

حضرت حسن بصری حبیب عجمی، داؤد طائی، معروف کرخی، سمری سقلی اور شبلی و بایزید رحمہم اللہ اسی عقیدے کے تارک الدنیا بزرگ تھے۔

یہ حضرات جب کافی اثر پیدا کر چکے تو حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بدلے ہوئے حالات میں بدلی ہوئی ذیلے کر سامنے آئے۔ علم تصوف مدون کر کے راہ سلوک پیش کی اور عالمانہ رنگ و روپ میں روحانی تعلیم اور اخلاقی درس دینے لگے۔ لوگوں میں باہمی انتراق کے جو جرائم پیدا ہو رہے تھے ان کو مٹانے کے لئے سلسلہ پیری مریدی کو وسعت دے کر ان میں یکجہتی اور یک رنگی کی رصہ بھونکی تاکہ منظم ہو جائیں۔ اور مرکز کی ایک آواز پر حرکت کر سکیں۔

حجاج کے سیلاب ظلم و ستم کو حضرت عبداللہ بن عمر اور حسن بصری رضی اللہ عنہما نے روکا اور بنو امیہ آگے بڑھے تو حضرات ابن مسیب اور طاؤس مینی نے پوری تلخ نوائی کے ساتھ ان کی بے راہ رویوں کو عریاں کیا۔ عہد منصور میں حضرت سیدنا امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی بے ریا پانہ روش اور حق گوئی آگے آئی۔ اور عہد ہارون رشید میں حضرات فضیل و سفیان ثوری و شفیق طحی اس معاملہ میں مصروف کار رہے۔ عہد مامون رشید میں خلق قرآن کا فتنہ اٹھ اٹھا۔ ن کر تمام افق کو ڈھانپنے لگا۔ تو بڑے بڑے علماء بھی جان کے خوف سے اس کے اقرار میں گھر گئے۔ مگر اولیاء کرام نے قدم آگے رکھا اور جمہور عوام کو گمراہی سے بچالیا۔ خلیفہ متوکل عباسی کے دربار میں حضرت ذوالنون مصری قید ہو کر پہنچتے ہیں۔ تو سوالات کے جوابات میں ایک تقریر شروع کر دیتے ہیں۔ اور بڑے رعب و داب کا

فرمانروا اتنا متاثر ہوتا ہے کہ رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور تخت سے اتر کر قدم بوسی کرتا ہے۔ اور رعیت ہوتا ہے کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ سلطان محمود غزنوی کی جہادی روح کا کرشمہ کمال حضرت ابوالحسن خرقانی کی ہی توجہ تھی اور محمود نے جو خدمات اس سلسلہ میں انجام دیں ان میں آپ ہی کا ہاتھ کار فرما تھا۔ کیا یہ ماننے سے کسی کو عذر ہو سکتا ہے۔ کہ ہندوستان میں آزاد اسلامی حکومت کا قیام حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری کی سعی مشکور ہی کا مرہون منت ہے گو بظاہر رائے پھورا کی راجدھانی میں غوری متحرک نظر آتا ہو۔ غریب نواز اجمیری دہلی پہنچتے ہیں۔ تو تمام فضا میں کفر کی بجلیاں کوند رہی تھیں۔ رفقائے کے ساتھ نمازیں پڑھنی شروع کر دیں۔ کفار نہایت برہم ہوئے لیکن ان مٹھی بھر غیر مسلح نفوس کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ ایک مخالف بغل میں چھری بیکر قتل کو سامنے آتا ہے اور لرزہ کر منہ کے بل گر جاتا ہے اور معافی مانگنے لگتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انبیاء اور ان کے جانشینوں اور اہل اکرام سے کفار کے جو مقابلے ہوئے ان میں ہاتھ سے کہیں زیادہ ان کی روحانیت کا فرمانی کرتی تھی۔ اجمیر تشریف لے گئے۔ تنہا ایک درخت کے نیچے جا بیٹھے۔ وہاں سرکاری شتر خانہ تھا۔ ملازمین نے کہا۔ یہاں سے اٹھ جاؤ۔ یہاں سرکاری اونٹ بیٹھیں گے۔ آپ یہ کہہ کر لٹھے اور انا سا گر پڑ چلے گئے۔ کہ لو اونٹ بیٹھے رہیں۔ پھر کیا تھا۔ اونٹ ایسے بیٹھے کہ لٹھنے کا نام ہی لیا۔ ملازمین نے معافی مانگی تو اونٹوں کو زمین نے چھوڑا۔ راجہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ یہ لوگ ہمارے ملک میں کیوں آئے ہیں۔ پکڑ کر نکال دو۔ مگر یہاں گرفتاری سے پولیس خود لرزہ بر اندام تھی۔ روحانیت نے پولیس والوں کو خود حاس باختر بنادیا۔ اور افسر پولیس خود شرف بہ اسلام ہو گیا۔ راجہ نے سنا تو گھبرا کر جادو گرول کو بلوایا۔ جو سحر کی آگ جلاتے چکر چلاتے اور شیردسان پ بناتے۔ مقابلہ کو چلے آئے۔ زمین ہل رہی تھی اور عوام میں ان کے کمال کے چرچے ہو رہے تھے مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ روحانیت کیا ہے اور ان جادو گرول کا کیا حشر ہو گا۔ ادھر سے ایک مٹھی خاک پھینکنے کی دیر تھی کہ میدان صاف ہو گیا۔ اور سب سے بڑے جادو گر نے اسلام قبول کر لیا۔ کفار ہرمت سے مسلمانوں کو تنگ کرنے پر اتر آئے اور اپنی ظاہری طاقت کا مظاہرہ کرنے لگے۔ جس کے جواب میں غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ نے متوجہ ہو کر فرمایا کہ ”اگر انہیں تشدد باز نہ بنی آئی۔ من ترا زندہ بہ لشکر اسلام سپروم“

ادھر غوری کو خواب میں ارشاد فرمایا کہ فوراً ہندوستان پر حملہ کر دو۔ اللہ تعالیٰ مزور کا سیاب فرمائے گا۔ اس کا جہ جہا ہوا۔ تو پڑھوئی لاج نے بھی سنا اور ہنسنا کہ غوری پہلے کیا کر چکا ہے۔ جو اب کرے گا۔ کیونکہ واقعی اس کی قوت بے پناہ تھی

مگر آخر کار وہی ہوا، جو غریب نوازؒ نے فرمایا تھا۔ کہ پرتھوی راج زندہ گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اور سلطان غوری فتح کے بعد حاضر دربار ہوا اور قدمبوسی کی۔ اور ایک اپنا جانشین معین کر کے واپس لوٹ گیا۔ یہ کتنا بڑا انقلاب تھا اور اس کے اثرات کتنے ہمہ گیر ہوئے کہ ہر فرمانروا عقیدت کی آنکھیں بچپاتا اور سلطنت ہند کو غریب نواز اجمیریؒ کی عطا سمجھتا رہا ہے۔ یہی وہ انقلاب ہے جسکی بدولت ہندوستان میں مسلمان موجود ہیں۔ اسی انقلاب کی برکت تھی کہ اس کے فوراً بعد آپ نے ایک عظیم الشان خانقاہ مبلغین اسلام تیار کرنے کے لئے تعمیر کرائی۔ مسجد اور لنگر خانہ بھی بنا کر تمام فقرا و طلباء کے قیام و طعام کا کامل انتظام فرما دیا۔ اور جس کے اخراجات کے خود حضور ہی کفیل رہے۔

آپکی خانقاہ معنی سے بکثرت اولیاء اللہ بن کر نکلے۔ جن کو آپ نے کفرستان ہند کے اہم گوشوں میں مامور فرمایا۔ خواجہ قطب الاقطاب کو دارالسلطنت دہلی میں مامور کیا۔ جو براہ راست فرمانروایان سیاست پر اثر ڈالتے رہے۔ اور اس کو دوسرا اہم مرکز بنا دیا۔ دور دراز سے فقرا آ کر جمع ہوئے اور خانقاہ دہلی نے ایک عالمگیر اہمیت حاصل کر لی۔ حضرت قطب الاقطاب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک اور اللہ کا بندہ کفرستان راجور میں مامور کر دیا۔ جن کی سعی جمیدہ سے ایک غیر معروف قصبہ جس کے باشندے کفر و ضلالت میں پھنسے ہوئے تھے اور جس میں ایک بڑا جادوگر بھی رہتا تھا۔ مع اپنے جادوگروں اور چیلے چانٹوں کے ایسا پاک ہو گیا۔ کہ راجور میں سحر و ساحری ایک معدوم شے نظر آنے لگی۔ یہ تھیں اللہ کے بندوں کی خدمات دین اور جوش عمل کہ بے فوج و اسلحہ ملکوں کے ملک اور علاقوں کے علاقے فتح کرتے چلے جاتے تھے۔ انہیں نہ روپے کی ضرورت تھی نہ فوج کی نہ مکلف غذا اور نہ مزین بستر کی۔ زمین بھینا، درختوں کے سائے چھت اور پھول پتے غذا تھے۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر پاکپٹنی نے عرصہ تک جنگلی پھول پتوں پر گزری۔ اس کے بعد مسجد اور لنگر خانے بھی تیار ہو گئے۔ ہزاروں اولیاء اللہ تیار کر کے ادھر ادھر ملک میں بھیج دیئے جن کی خدمات کی روشنی دکن تک پھیل گئی۔ کفرزار دیوگری میں حکم شیخ خواجہ منتخب الدین جشتی کو مامور فرمایا۔ جنہوں نے نور اسلام کی روشنی سے پورا علاقہ منور کر دیا۔ مزاج میں جلالیت تھی۔ جدھر کو منہ کیا۔ بیسیوں میل کا سفر کر کے کسی مقام پر پہنچ جاتے اور تبلیغ فرماتے۔ جس نے انکار کیا۔ نگاہ غضب آلود سے دیکھا اور سر سے پاؤں تک پتھر کر دیا۔ سلطان بلبن کو آپ ہی کے بدولت تخت سلطنت نصیب ہوا۔ اور سلطان التتمش آپ ہی کا پیر بھائی تھا۔ سلطان بلبن نے اپنی صاحبزادی آپ کے عقد میں دے دی۔ پوری سیاست ہند کی مشینری آپ کے ہاتھ میں تھی۔ شاہان ہند مرید تھے اور فرمانبردار

اشاروں پر متحرک ہوتے تھے۔

کلیئر شریفین میں حضرت علی احمد صابر رحمۃ اللہ علیہ کو مامور فرمایا۔ جہاں مسلمان بڑی گمراہی میں پڑ چکے تھے طبیعت میں جلال آگیا اور پورے کا پورا شہر کھنڈر کر کے رکھ دیا۔

حضرت سلطان المشائخ کو دہلی مقیم فرمایا۔ جنہوں نے دہلی کو اسلام کا گوارہ بنا دیا۔ حالت یہ تھی کہ ایک کونے میں اقامت فرماتے ہوئے بھی دارالسلطنت کی سیاسیات پر اس طرح اثر انداز تھے کہ پورا ہندوستان آپ سے متاثر ہو رہا تھا۔ اور علاؤ الدین خلجی جیسا پُر شکوہ فرماں روا غلام بنا ہوا تھا۔ اور اس کے اراکین سلطنت قلبی ارادتمند تھے عظیم الشان مسجد عظیم الشان مدرسہ عظیم الشان لنگر خانہ آپ کی بندی و اولوالعزمی کے ظاہری شواہد موجود تھے۔ دریائے فیض باطنی یوں اُٹھ رہا تھا کہ دہلی کی سپہناریاں بھی قرآن و حدیث کے تذکار میں غرق تھیں۔ چار آدمی بھی کہیں جمع ہو جاتے، تو تقویٰ و طہارت ہی کا ذکر کرتے۔ دکن کی بادشاہت اسی آستانہ کی عطیہ لونڈی تھی۔ جسے چاہا تخت نشین فرما دیا۔ جسکو چاہا محروم بنا دیا۔ علاؤ الدین غلام بن کر سر بلند رہا۔ اور تعلق و مبارک شاہ سرکش ہو کر ہمیشہ کیلئے ٹھنڈے ہو گئے۔ تاتاریوں نے محاصرہ کر کے ہمیشہ کی نامرادی خریدی اور خوف زدہ ہو کر ایسے بھاگے کہ پھر رخ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ آپ نے شیخ وجیہ الدین یوسف کو چندیری میں تبلیغ دین کے لئے مامور فرمایا اور شیخ برہان الدین کو دیوگری بھیجا۔ جن کی تبلیغی سعی کے نتائج اظہر من الشمس ہوئے۔ آپ ہی کے خلفاء سے شیخ انجی سراج الدین بھی ہیں جن کی خدمات دینی نے بدایوں کو بقتہ نور بنا دیا۔ ان حضرات کی خدمات سے ایک علاقہ جو خالی رہا۔ وہ بنگال تھا۔ جہاں کفر و شرک کی تاریکیاں پوری طرح چھائی ہوئی تھیں۔ جن کے پھٹنے کا کوئی امکان ہی نظر نہ آتا تھا۔ لیکن جتنے بلند تو دے ہوں اتنی ہی زیادہ طاقت کی مشینری کام کرتی ہے۔ چنانچہ اس کفر زار کے تودوں کو ہموار کرنے کے لئے حضرت جلال الدین تبریزی سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بنگال میں داخل ہوتے ہیں۔ جنہوں نے سلطنت چھوڑ کر درویشی اختیار کی تھی۔ تمام دنیا کے معاملات میں دخل تھا۔ بڑے بلند پایہ بزرگ تھے۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد، دہلی، ملتان، اجمیر ہوتے ہوئے بدایوں تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے بنگال کے مرکزی شہر ریڈ و پینچے۔ پنڈو کفر کی گھٹا ٹوپ اندھیری میں گھرا ہوا تھا۔ ہر طرف ناقوس کی صدا میں گونج رہی تھیں۔ خدائے واحد و قہار کی بجائے کالی دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔ سحر بنگال زور و دل پر تھا۔ جادو اور جادو گردوں کی حکومت تھی۔ لیکن یہ شان عاشقان اسلام اور غلامان رسول انام کے سوا کہیں بھی نظر نہ

آئے گی کہ ایک مروجہ دین تھا کفر کے سینہ میں گھس کر بیٹھ جاتا ہے۔ اور لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی آواز بلند کرتا ہے۔ ہندو کا سب سے بڑا مندر مع اپنے بتوں کے آپ کی ایک نگاہ پاک سے سرنگوں ہو جاتا ہے۔ ہندوؤں میں شور ہوتا ہے کہ یہ کیا ہو گیا ہے۔ جادوگری ختم ہوتی جا رہی ہے۔ اور پجاری اسلام لے آتے ہیں۔ علاقے کی مخلوق درشنوں کے لئے ٹوٹ پڑتی ہے۔ اسلام پھیلنا شروع ہو جاتا ہے۔ ان ہی پجاریوں کے ہاتھوں جو اسلام لا چکے ہیں مندر اور بت خانہ کے کھنڈروں پر مسجد تعمیر کرائی جاتی ہے۔ خانقاہ اور لنگر خانے معرض وجود میں آتے ہیں۔ اور لاکھوں ہندو خدائے قدوس کے پرستار دکھائی دیتے ہیں۔ اور یہی وہ جگہ ہے جہاں آپ کے بعد حضرات انجی سراج الحق اور قطب عالم رونق بخشتے ہیں۔ غرضیکہ جہاں دیکھئے ہندوستان کا چہچہا ہوا صوفیاء اکرام کی تنویر سے منور نظر آئے گا۔ اور ارض ہند کا کوئی مسلم فرماں روا شاید ہی ایسا ہو جو بہادر شاہ تک کسی نہ کسی بزرگ سے ارادت نہ رکھتا ہو۔ تمام پٹھان تمام سہل اور بہمنی فرمانروا انہیں بندگان خدا کے غلام اور ارادتمند رہے ہیں۔ قطب الدین التمش، بہلول، سکندر بلبن، علاؤ الدین شیر شاہ، اکبر، جہانگیر، شاہ جہان اور اورنگ زیب وغیرہم کسی نہ کسی بزرگ کے حلقہ مریدی میں داخل تھے۔ بلکہ بول کہنا چاہئے کہ ان حضرات کی ارادت و تربیت نے التمش ناصر الدین اور شاہ اورنگ زیب علیہ الرحمۃ کو صاحب معرفت بادشاہ بنا دیا تھا۔

یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ بڑی بڑی ملکی فتوحات میں انہی حضرات کا ہاتھ کام کرتا تھا۔ اجمیر و سونماٹ کی فتوحات انہی کے تصرفات کا کرشمہ تھیں۔ اور سلطان نور الدین اور صلاح الدین کا عرفانی عروج انہیں کی صحیح اسلامی تعلیمات کا نتیجہ تھا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ اس شکوہ و طنطنہ کے شہنشاہ جب حلقہ ارادت میں منسلک ہوں تو ان کی لیاقت حقیقت میں ان کی سیاست ہی کی ترجمان ہوگی۔ اور بالفاظ دیگر یہ کہنے والا حق بجانب ہوگا کہ ملکی سیاسیات میں ہمیشہ ان بزرگوں کا اثر رہا ہے۔ ہندوستان میں کسی فرماں روا کی جانب سے اشاعت اسلام کی کوئی سعی نہیں کی گئی۔ اور اگر کی گئی ہے تو انہی حضرات کے نقش قدم کی اتباع میں کی گئی ہے۔ اور آج اس ملک میں جتنے مسلمان نظر آ رہے ہیں۔ وہ انہی صوفیائے عظام اور اولیائے اکرام کی سعی مشکور کا نتیجہ ہیں۔

اس وقت جبکہ تاریخی سیلاب اسلامی دنیا کے بہت بڑے حصے میں مصروف غارتگری تھا۔ اور اپنی رومیوں سے بہائے لئے جارہا تھا۔ مسلمان خوف زدہ تھے کہ کب تبدیلی مذہب کا حکم صادر ہوتا ہے۔ پھر کیا تھا۔ یہی صوفیائے اکرام تھے جنہوں

نے تاتاری و شیوں کو روشناس اسلام کر کے حلقہ بگوش اسلام بنا دیا۔ یہ مقدس حضرات جہاں پہنچے کفار کو اسلام بتاتے اور مسلمانوں کا انتشار مٹاتے رہے۔ پیری مریدی کے سلسلہ کو آج کچھ کہ لیا جائے اور کچھ سمجھ لیا جائے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اتحاد و وحدت اسلامی کے احیاء و ارتقاء کی یہ ایک بہترین صورت تھی کہ ایک بلند مرتبہ پیر کے ہزاروں مرید دست ارادت بڑھاتے ہی خواہ ان میں رنگ و نسل اور امارت و غربت کے کتنے ہی امتیازات ہوں باہم بھائی بھائی ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک مخلوق پروری و مخلوق نوازی بہترین ارتقاء اور بہترین دینداری تھی۔ تعصب و دلازاری حرام اور نیکی و سلوک ایک قابل عمل عبادت تھی۔ کسی انسان کی دلجوئی اور حاجت روائی ان کے نزدیک حج بیت اللہ کے ثواب کے مراد تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمان فرمانرواؤں نے غیر مسلم رعایا کے ساتھ انتہائی رواداری و نرمی کا سلوک روا رکھا اور عفو و درگزر سے کام لیا۔ کاش کہ مسلمان غور کریں کہ ہمارے بزرگوں نے کس اسلام کے ماتحت ایک پوری کائنات کو موردِ کرم بنایا تھا :



اقتباسات

(آر۔ اے۔ نکلسن)

کچھ زیادہ عرصہ نہیں ہوا۔ جب مس انڈرہل کی کتاب تصوت میرے زیر مطالعہ تھی۔ تو میری نظر سے دو اقتباس گزرے۔ جن میں سے ایک تو قرون وسطیٰ کے ایک جرمن صوفی کی کتاب سے لیا گیا تھا۔ اور دوسرا ایک انگریزی مصنف کی تصنیف ہے (اس انگریز کی موت حال ہی میں واقع ہوئی ہے) تو اس وقت مجھے خیال ہوا کہ ان اقتباسات سے ملتے جلتے مسلم صوفیاء کے اقوال بھی مجھے یاد ہیں۔ ان سب کو عوام کے فائدہ کے لئے یکجا ترتیب دے دینا چاہئے۔ "الیکٹ" کے مشہور قول کہ لفظ "انا" یا "کل" کسی مخلوق کے شایان شان نہیں۔ بلکہ خالص خدا کے ساتھ مختص ہے۔ کیونکہ مخلوق کی شان اسی میں ہے کہ وہ "جزو" ہونے کی تصدیق کرے) نے مجھے یاد دلایا کہ اب سے ساڑھے تین سو سال پہلے بغداد میں ابوالنصر سراج نے مسئلہ توحید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا تھا کہ "سوائے خدا کے کوئی "انا" نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ حقیقی شخصیت صرف خدا ہی کا حصہ ہے۔" اس مسئلہ پر ایڈورڈ کارپنٹیر نے اس طرح رائے زنی کی تھی۔ کہ "یہ نظریہ تمام شعورات اور مدرکات کا مل معلوم ہوتا ہے" اس سے مجھے خیال آیا۔ کہ مصری شاعر اور ولی اللہ ابن فرید کی کتاب کی ورق گردانی کی جائے جس میں اس نے لکھا ہے "میرے مقصود فائدہ شعور کو ایک ایسا مشاہدہ کہا جاسکتا ہے۔ جس میں کل ادراکات و احساسات ایک ساتھ شامل ہوں۔ اور جو ایک ہی وقت میں ایک ساتھ مشغول کار ہوں۔" میری آنکھ مجھ کو شکم تھی اور میری زبان مشغول دید۔ میرے کان دیکھ رہے تھے۔ اور میرے ہاتھ سن رہے تھے۔ اور جب میرے کان ہر مرنی پھر کے حق میں آنکھ کا کام سرانجام دے رہے تھے، تو میری آنکھ نعموں سے محفوظ ہونے کے لئے کان کا کام دے رہی تھی "خیالات کا یہ توار۔ شاید و مشہود کا درجہ رکھتا ہے۔ متصوفا نہ نفسیات اور قیاسات کے مسائل کے متعلق مغرب اسلام سے بہت کچھ سیکھ سکتا ہے۔ اور اگرچہ ہم تفصیل کے ساتھ ابھی تک یہ نہیں بتا سکے کہ ان امور کے متعلق مغرب نے ازمنہ وسطیٰ میں اسلام سے کیا سیکھا۔ جبکہ اسلامی علوم و فلسفہ کا آفتاب عالم تاب افق اسپین سے طلوع ہوا کہ تمام عیسائی ممالک

یورپ پر نور افشانی کر رہا تھا۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ سرشتیہ اسلام سے ہر کہ و مہ کو کھنڈہ وافر ملا۔ یہ امر بعید از قیاس نہیں ہے کہ اس ایکوٹکس، الیکٹ اور دانتے جیسے اشخاص کو اسی تصوف کے سرشتیہ فیض سے فائدہ پہنچا ہو۔ کیونکہ تصوف ہی ایک ایسا مشترک مقام ہے۔ جہاں ازمئہ وسطیٰ کا عیسائی مذہب اور اسلام آپس میں مس کرتے ہوئے گزرتے ہیں۔ اور یہ واقعہ درحقیقت تواریخی شواہد پر بھی مبنی ہے۔ جس سے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کہ کیوں روہن کیتھولک اور اسلام کے صوفیائے کرام کے خیالات۔ طریقہ ہائے کار اور نظام ایک ہی قسم کی روحانی اختراعی قابلیت کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ لیکن جب کہ کیتھولک مذہب نے اپنی روایات کو برقرار رکھا۔ اسلام میں تیرہویں صدی کے بعد کے خیالات کے دھارے نے ایک نئے مذہبی فلسفہ کی صورت اختیار کر لی۔ جو کثرتہم کے رنگ خیال مسلمانوں کے نزدیک کفریات سے تعبیر کیا جانے لگا۔

دوسری صدی ہجری کے خاتمہ پر عراق عرب میں سب سے پہلے لفظ "صوفی" سے ہم روشناس ہوتے ہیں۔ اور جس سے بعد میں مسلم صوفیاء مشہور ہوئے۔ یہ لفظ مشتق ہے "صوت" سے جس سے مراد رنگی ہوئی اُلوں کی وہ موٹی پوشاک ہے۔ جو کہ عیسائی زائد پہنا کرتے تھے۔ اور یہ امر کس حقیقت پر دال ہے کہ ازمئہ وسطیٰ کے عیسائی اور مسلمان صوفیائے کا زاویہ نگاہ ایک ہی تھا۔ اور ان کے خیالات کی بنیاد بھی ایک ہی تھی۔ اس موقع پر مشرب صوفیاء کی ابتدا کے مشکل سوال پر بحث نہیں کی جاسکتی۔ مسلم صوفیاء کا یہ دعوئے کہ ان کے عقائد خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد کے طور پر انہیں ملے۔ ہر طرح قابل اعتنا ہے۔ قرآن پاک میں رسول کریم کی ذات گرامی کے متعلق جو ریکارڈ ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں زائد اور متصوفانہ عناصر کے ساتھ ایک اور قسم کا شخص بھی پایا جاتا ہے۔ مگر صوفیائے کرام نے اول الذکر عناصر کو مؤخر الذکر شخص کی نسبت کہیں زیادہ شوخ رنگ میں پیش کیا ہے۔ اور اُسے اس سے کہیں زیادہ اہمیت دی ہے۔ جتنی کہ خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دینا چاہتے تھے لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ صوفیاء کا مذہب قرآن کریم کا مرہون منت نہیں۔ مسلمانوں کے نزدیک جو کہ قرآن پاک کو ہمیشہ احترام کی نظر سے دیکھتے اور ایمان طفلی میں اسے ازبر کر ڈالتے اور اس قدر ذوق و شوق کے ساتھ اس کا مطالعہ صرف اس لئے کرتے ہیں۔ کہ ان کے نزدیک کل علوم انسانی کا منبع اور سرشتیہ صرف یہی ایک کتاب مقدس ہے۔ اس قسم کا خیال مضحکہ انگیز اور حماقت آمیز ہے۔ بلکہ تاریخی نقطہ نگاہ سے بھی یہ حقیقت سے بہت بعید

ہے۔ اور اگرچہ رسول پاکؐ نے صوفیاء کے مذہب کے متعلق کوئی اصولی نظم اپنے پیچھے نہیں چھوڑا۔ مگر تاہم قرآن پاک میں کئی آیات موجود ہیں۔ جن پر ان کے عقائد کا دار و مدار ہے۔ ذات باری کے متعلق رسول خدا کے ارشادات میں تواتر و توالی نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ وہ غور و خوض کا نتیجہ نہیں۔ بلکہ اس سے زیادہ کیفیات قلبی کا منظر ہیں اور اگرچہ علمائے کرام کے مذاہب میں باری تعالیٰ کی لامحدودیت اور ماورائیت کو پورا پورا دخل حاصل ہے۔ صوفیائے کرام نے رسول خدا کی پیروی کرتے ہوئے ماورائیت اور لامحدودیت کے ساتھ ساتھ اس کے محیط کل ہونے کی تجزی بھی لگا دی ہے۔ مگر قرآن کریم اس عقیدہ پر اتنا زور نہیں دیتا۔ جتنا انہیں خود مقصود ہے۔ اَللّٰهُ تَوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الْبَاطِنُ وَ الظَّاهِرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهُ۔ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ اَيْنَمَا تُوْذَوْنَ فَانْتُمْ وَجْهُ اللّٰهِ وَ غَيْرِہ۔ یقیناً ان آیات بنیات میں تصوف کی روح موجود ہے۔ سلف کے صوفیائے کرام کے نزدیک قرآن کریم محض خدا کا کلام ہی نہیں بلکہ اس تک پہنچنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے خلوص دل کے ساتھ اس کی یاد میں محو رہنے، قرآن پاک کے متن پر غور و خوض کرنے اور خاص کر اسرے اور معراج سے متعلق آیات پر فکر کرنے کے بعد انہوں نے رسول خدا کے متصوفانہ مشاہدات کو اپنے اندر متعین کر لیا کیونکہ کوشش کی ہے۔ اب ذرا وقت اور مقام کے مقتضیات ملاحظہ ہوں۔ جس سیاسی انقلاب نے دارالخلافہ کو دمشق سے بغداد میں منتقل کرایا۔ اسی نے اسلام کو قدیم تہذیب کے خیالات کے ساتھ روشناسی اور آدیش کا موقع بھی دیا۔ اگرچہ بالآخر یہ خیالات کالعدم ہو گئے۔ تاریخ اس بات پر شاہد عادل ہے کہ ان آدیشوں میں فتح کامل کسی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔ ہم ایک ایسی سرزمین میں ایک عالمگیر تحریک کا ذکر کر رہے ہیں۔ جہاں یونانیت کا دور دورہ تھا۔ اور جہاں مذہبی مباحث اگر ایک طرف مسلمانوں میں زور دل پڑتے۔ تو دوسری طرف عیسائیوں اور منوچہرلوں اور زرتشت کے پیروؤں میں بھی ان کا چرچا تھا۔ اور جہاں محکوم اقوام کے افراد جنہوں نے حال ہی میں اسلام قبول کیا تھا۔ اور جو اس نئے مذہب کو اپنی ضروریات کے مطابق ڈھالنے کی فکر میں رہتے تھے۔ بعض اوقات نہایت نیکدلی کے ساتھ اپنے مخصوص عقائد اور رسومات کے جوازیں جو انہیں خاص طور پر مطبوع تھے۔ رسول اللہ کے اقوال اور اسوہ کو دلیل کے طور پر پیش کرتے تھے۔ یہ کہنا تو درست ہے کہ صوفیاء قرآن پاک سے از خود اخذ کردہ معانی و مطالب اپنے ہی حلقہ اثر کے رہنے والے احباب تک محدود رکھتے تھے۔ مگر یہ کہنا درست نہیں۔ کہ

ان کے عقائد قرآن پاک کے صحیح مطالعہ کا نتیجہ نہ تھے۔ ہزاروں صدی عیسوی کے بعد اسلامی تصوف نے اپنے اندر یونانی فلسفہ کو جذب کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور اس امر کے شواہد موجود ہیں۔ اور اس ارتقاء کے ابتدائی مراحل میں اس پر عیسائیت کے زہد اور یونانیوں کے تصوف کا بہت بھاری اثر پایا جاتا تھا۔ ہمیں اس امر کا بھی یقین ہے کہ لفظ ”راہب“ نے جس سے رسول اکرمؐ بخوبی واقف تھے۔ آپ کے پیروؤں کے لئے زندگی کا نمونہ پیش کیا۔ آپ سے منسوب مشہور الفاظ ”لا دھبانیۃ فی الاسلام“ دراصل عیسائی نظریہ کے خلافت بعد میں احتجاج کے طور پر استعمال کئے گئے۔ اور یہ اس بات کا تین ثبوت ہے کہ عیسائیت کے اس نظریہ کو کس قدر فروغ و اثر حاصل ہو چکا تھا۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ رسول خداؐ نے قرآن میں رہبانیت کو جس میں تجرد بھی شامل ہے۔ برے الفاظ سے یاد فرمایا ہے۔ لیکن سورہ النبیؑ کی تفسیر جو تیسری صدی ہجری تک جاری و ساری رہی۔ حضورؐ نے اسے ایک ایسا ادارہ قرار دیا ہے جو مشیتِ ایزدی کے عین مطابق تھا۔ اور اس کی زبرد تو بیچ اس وقت ضروری قرار دی جب کہ لوگوں نے اپنے نازیبا افعال سے اُسے بدنام کر دیا۔

اسلام کے ابتدائی زہد نے جو کہ آنے والے عذاب کے خوفناک تخیلات۔ محسوسات، عبادات اور مغفرت کیلئے غیر مختتم دعاؤں پر مشتمل تھا۔ تصوف کے لئے میدان تیار کر دیا۔ چونکہ لا الہ الا اللہ کا اقرار اور جنت میں النعم پانے اور دوزخ کے عذاب سے بچنے کے خیال سے عبادت کرنے کا خیال ہمیں خوف ورجا کے سلسلہ سے مربوط کر دیتا ہے۔ اس لئے ایک زاہد اپنے آپ کو ایک اللہ پر توکل کرنے اور اس کی رضا جوئی پر مجبور پاتا ہے۔ لیکن معاملہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ بول بول ہم خوف ورجا کے خیال سے مستغنی ہوتے جائیں گے۔ توں توں خدا کے ساتھ ہماری محویت بڑھتی جائے گی۔ یا صوفیاء کی زبان میں یوں کہئے کہ محبت کے وسیلہ سے ہم اس سے قرب حاصل کر سکیں گے۔ یہی ایک عقیدہ ہے جو تصوف کی روحِ رواں ہے۔ جیسا کہ رابعہ بصریؒ جنہیں ہم اپنی دعادی کے جواز میں نمایاں طور پر پیش کر سکتے ہیں۔ ایک کینز تھیں اور ان کا حسب نسب ہمیں معلوم نہیں۔ کہتی ہیں کہ متصوفین کا پیش کردہ وصل باللہ نص قرآنی سے پوری طرح ثابت نہیں۔ لیکن صحیح احادیث کی دو سے قطعیت کے ساتھ مسلم ہے۔ خدا نے کہا ”میرا بندہ اپنی مرضی سے نیکی کرنے میں اقدام کر کے میرے نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ اور میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں۔ تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں۔ کہ وہ

میرے کانوں سے سننے لگ جاتا ہے۔ میں اس کی آنکھ بن جاتا ہوں کہ وہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔ میں اس کی زبان بن جاتا ہوں کہ وہ میری زبان سے گویا ہوتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں کہ وہ میرے ہاتھ سے پکڑتا ہے۔ یہاں ضیاء کی مدد سے جن میں اوراد اور وظائف بھی شامل ہیں۔ ایک نفسانی طریقہ کے ماتحت روح کو اس طرح رجوع اور مائل کر لیا جاتا ہے کہ صوفی کے قلب صافی پر نقائے ربانی کے معارف از خود منکشف ہونے لگ جاتے ہیں۔

سب سے پہلا مسلمان جس نے ایک صوفی صافی کی قلبی کیفیات کا تجزیہ کیا بصیر کا رہنے والا تھا۔ اس نے ایک زمانہ لکھا۔ جس کا ایک بے نظیر قلمی نسخہ جو کہ قابل مصنف کی نزہت خیال اور افتراعی قابلیت کا نمونہ ہے۔ اس وقت بھی آکسفورڈ میں موجود ہے۔ اگرچہ اس میں مصنف موصوف نے وضاحت مقصد کے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کے اقوال پیش کئے ہیں۔ تاہم بعد کے مصنفین اور صوفیاء نے صوفیوں کے طریقہ (مساک) کے متعلق لکھا ہے کہ یہ مقامات و احوال پر مشتمل ہے۔ جس کی پہلی منزل اتانت و انفعال کی ہے۔ اس کے بعد ترک دنیا، غربت، صبر، توکل کی منزلیں طے کرنا پڑتی ہیں۔ ہر ایک منزل اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے زینہ کا کام دیتی ہے۔ تفصیلات مختلف ہیں۔ لیکن عام طور پر سب کے خصائص ایک ہی ہیں۔ مرید انفعال بدنی پر کیفیات قلبی کو ترجیح دینا سیکھتا ہے نیت کو فعل پر فوقیت دیتا ہے۔ اور اس وقت بھی جب کہ وہ کسی مذہبی قانون کی پابندی کر رہا ہو سنا ہر فی فعل کو اندرونی سچائی کا مظہر اور آئینہ خیال کرتا ہے۔ یہ اصول اپنے قلندرانہ انداز کے باوجود مسلم شریعت پسندی میں سمو گئے ہیں۔ اور انہی اصول پر اخلاق کا مدار ہے۔ جیسے ماہر دینیات "الفزالی" نے پیش کیا تھا۔ اور جسے ماہر اخلاقیات سعدیؒ نے بالوضاحت بیان فرمایا۔ اگرچہ صوفیاء پر خود پسندی کا الزام نہیں لگایا جاسکتا۔ لیکن یہ سچ ہے کہ بعض اوقات انہوں نے اپنے پڑوسیوں کو اور خاص کر وہ پڑوسی (جو ان کے اپنے بھائی بندہ تھے) پس پشت ڈال کر خدا سے محبت کا ادا کیا۔ لیکن آخر کار "وحدت وجود" کے مسئلہ نے ان پر یہ حقیقت واضح کر دی کہ وہ بنی نوع انسان سے محبت کئے بغیر خدا کے ساتھ محبت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

نصوت کے ایک مکمل نظری اور عملی ضابطہ کی بنیاد تیسری صدی ہجری کے صوفیاء نے رکھی۔ مصری متصوف ذوالنون نے حالت وجد میں روحانی اور باطنی علم کے انقار کے خیال کو اسلام میں جاری کیا۔ جو کہ دوسرے روایتی اور عقلی علم سے بالکل مختلف ہے۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ اس نے خدا کو کیسے جانا تو اس نے جواب دیا۔ کہ خود خدا کے

توسل سے عین اسی طرح جس طرح کہ ڈائی کوسس (ایک یونانی بادشاہ) نے کہا تھا کہ خدا ہر اس چیز کے برعکس ہے جس کا تخیل قائم کیا جاسکے۔ اور جوں بول معرفت خدا ہم میں ترقی پکڑتی جاتی ہے۔ توں توں ہم اس میں جذب ہوتے جاتے اور مومت چلے جاتے ہیں۔ آگے چل کر ہم دیکھتے ہیں کہ عقائد کے سلسلہ میں جو کہ چند مخصوص اصحاب کے لئے مختص کر دیئے گئے تھے۔ اصطلاحات اور کنایات کا رواج عام کر دیا گیا۔ کیونکہ یہ محسوس کیا جا رہا تھا کہ تصورات کے راز ہائے سرسبزہ عام لوگوں تک نہیں پہنچنے چاہئیں۔ بائزید بسطامی نے ہندوستان کے مسئلہ وحدت و ہود کے ماتحت مسئلہ فنا کو تکمیل تک پہنچایا۔ اور بعد میں اس کے ضروری جزو مسئلہ بقا کو اس کے ساتھ اضافہ کیا۔ اگرچہ تقیضی عمل کے ذریعہ وحدت کئی تک پہنچنے کیلئے اس کی تمام کوششیں اس کے اپنے اقرار کے مطابق خواب و خیال ثابت ہوئیں۔ پھر بھی بسطامی نے آنے والے صوفیاء میں ایک روایتی ہیرو کی حیثیت حاصل کر لی۔ جو اس کے وجدانیات سبحانی اور تحت خداوندی پر بیٹھنے کے واقعہ کو جو کہ نیند کی حالت میں پیش آیا۔ بیان کرنے سے کبھی نہیں تھکتے۔ اس کے اقوال میں سے مندرجہ ذیل بہت مشہور ہیں مخلوق کو احوال میں سے گزرا پڑتا ہے۔ لیکن علم باطن کے جاننے والے کے لئے کسی احوال میں سے گزرنے کی ضرورت نہیں اس کا وجود ایک دوسرے کے وجود کے باعث بیکار ہو جاتا ہے۔ اور اس کے آثار ایک دوسرے کے آثار میں گم ہو جاتے ہیں۔ تیس سال تک لا محدود خدا میرا آئینہ بن رہا۔ مگر اب میں خود اپنا منظر اور آئینہ ہوں۔ جو کچھ میں پہلے تھا اب نہیں ہوں۔ کیونکہ میں اور خدا میں فرق جاننا وحدت خدا کا منکر ہوتا ہے۔ کیونکہ میں اب کچھ نہیں ہوں۔ اس لئے لا محدود خدا خود اپنا منظر ہے۔ میں کہتا ہوں کہ میں خود اپنا منظر ہوں۔ کیونکہ خدا نے میری زبان سے کلام کیا اور میری ہستی کا عدم ہو گئی۔

میں بائزید کی ہستی میں سے اس طرح بے آمد ہوا ہوں۔ جس طرح ایک سانپ اپنی کیلیں کو پھاڑ کر نکلتا ہے۔ تب ہی نے غور کیا اور مجھے محسوس ہوا کہ شاید و مشہود اور محبت سب ایک ہیں۔ کیونکہ وحدت و ہود کی دنیا میں سب اسی ایک میں مدغم ہیں۔ جب کہ ہوشیاری پرستی کو ترجیح دینے والے صوفیاء بائزید کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ اس کے مخالفین جنید بغدادی کے مقلدین ہیں۔ جس کے نظیر وحدت و ہود کو اس کے شاگرد و حلاج نے صحیح ترین حقیقت نگاہی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ ہمیں کوئی حیرانی نہیں ہوتی جب ہم پڑھتے ہیں کہ جس وقت حلاج کو کفریات بکنے کے جرم میں گرفتار کر کے قید کیا گیا۔ تو جنید نے نہایت دور اندیشی کے ساتھ کام لیتے ہوئے کہا کہ میرا اس کے ساتھ کوئی

تعلق نہیں۔ اگر انما الحق کے انتہائی برا نگینہ کرنے والے عقیدہ کو نظر انداز بھی کر دیا جائے۔ تو بھی وہ عقائد جن کا ذکر علاج نے اپنی کتاب میں کیا ہے۔ مسلمانوں کو لرزہ بر اندام کر دینے کیلئے کافی ہیں۔ لیکن اس کے عقائد اس قدر انوکھے۔ عمیق اور مورخانہ حیثیت سے اس قدر اہم ہیں۔ کہ اس کے نمایاں خیالات کا خاکہ کھینچنا اور اس سے متعلق مسائل کی طرف توجہ مبذول کرنا از بس ضروری معلوم ہوتا ہے۔ اور پیرس یونیورسٹی کے پروفیسر سیگنان نے بڑے عمیق مطالعہ کے بعد علاج کے پرانہ اقوال کو ایک جگہ جمع کیا ہے۔ جس کی وجہ سے ہمیں اس کے کل عقائد کا پتہ چلا ہے۔

علاج کے عقیدہ کے مطابق خدا کا جو ہر اصلی محبت ہے۔ اور اس نے انسان کو اپنے ہی نقش پر پیدا کیا۔ اور اس کی تخلیق کا مقصد یہ تھا کہ اس کا بندہ صرف ایک اسی کے ساتھ محبت کرے۔ اس کا روحانی ارتقاء اس کی اہمیت کو تبدیل کر دے۔ وہ اپنے اندر خدا کا مشاہدہ کرے۔ اور اپنے آپ کو مشیت ایزدی میں فنا کر دے۔ ظاہر ہے کہ وحدت باری جس کا ذکر علاج نے کیا ہے۔ اور جسے اس نے ذاتی طور پر مشاہدہ اور محسوس کیا ہے۔ اسے مسئلہ وحدت وجود کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ اگرچہ یورپین اور مسلم مصنفین نے اسے اس نوع میں شمار کیا ہے۔ لفظ حصول جس کے ساتھ اس نے وحدت باری کی تعبیر کی ہے۔ اس کے ہم مذہبوں کے خیال میں عیسائیت کے مسئلہ تجسیم رب آپ۔ بٹیا روح القدس سے خاص مناسبت رکھتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ اس نے اپنی ذات کے متعلق کوئی ایسی بات نہیں کہی جس کا ذکر اوپر آیا ہے۔ لیکن غیر معمولی قسم کی کئی ایک تشبیہات موجود ہیں جن کی بناء پر کہا جاسکتا ہے کہ تمام مسلم مصنفین میں سے علاج ہی ایک ایسا انسان ہے۔ جس میں حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ نزدیک ترین مناسبت پائی جاتی ہے۔ اس کے نزدیک ایک واصل باللہ ولی اللہ ایک مقدس ترین تبلیغی زندگی کا نمونہ ہوتا ہے۔ جس میں خود خدا جلوہ نما ہو جاتا ہے۔ اور اس کی روح حق حق پکارتی ہے۔ اور جو دائرہ تخلیق یعنی خدا کی ہستی میں مدغم ہے۔ پروفیسر موصوت کا بیان ہے۔ کہ علاج کے خیال کے مطابق صوفیاء کی پیش کردہ وحدت باری کو لفظ کن کے ساتھ ایک خاص علاقہ ہے۔ اور یہ لفظ کن ایک ایسا لفظ ہے۔ جسے قرآن کریم میں ولادت مسیح اور یوم النشور کے متعلق خاص طور پر استعمال کیا گیا ہے۔ ایک ایسی وحدت باری جس سے ملاقی ہونے کے لئے احکام خداوندی کی تفہیم اور ان پر عمل درآمد ہوتا ضروری ہو جاتا ہے۔ جس کے بعد ایک صوفی کی روح حق میں حلول ہو جاتی ہے۔ جو کہ امر من امر اللہ ہے اس کے بعد انسان کا ہر فعل امر من امر اللہ کا درجہ رکھتا ہے۔ علاج کو دار پر

کھینچنے کا واقعہ بغداد میں ۱۲۹۲ھ ہجری میں پیش آیا۔ جب اس کو مصلوب کرنے کے لئے سولی پر چڑھا دیا گیا۔ تو اس نے لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر ایک دعا کی جس کے آخری الفاظ یہ تھے۔ ”اے خدا اپنے ان بندوں کو جو تیرے دین کی خدمت کے جذبہ سے معمور ہو کر اور تیری عنایات سے ہم کنار ہونے کی غرض سے مجھے قتل کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں۔ معاف کر دے اور ان پر رحم فرما۔ کیونکہ اگر تو نے ان پر وہ حقائق ظاہر کر دیئے ہوتے۔ جن کا انکشاف تو نے میری ذات پر کیا ہے۔ تو آج ان سے وہ حرکت سرزد نہ ہوتی جو اب ہو رہی ہے۔ اور اگر تو نے وہ بات مجھ سے پوشیدہ رکھی ہوتی۔ جو تو نے ان سے پوشیدہ رکھی ہے۔ تو مجھے ان مصائب کا شکار نہ ہونا پڑتا تیرے ہر کام میں اور تیری ہر رضا میں بھلائی ہی بھلائی ہے“

اسلام انسان کو اعمال کی کسوٹی پر پرکھتا ہے۔ اور ایک انسان کو محض اس کی آزاد خیالی کی بناء پر سزاوار تعزیر نہیں گردانتا۔ ایک صوفی کے خیالات قوانین اسلام کے کتنے ہی مخالفت کیوں نہ ہوں۔ اس وقت تک اس کی ذات سے کسی اندیشہ کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ جب تک وہ اپنے ہم مذہبوں کے ساتھ عبادت گزاری میں مشغول ہے۔ اور یہ ایک امر مسلم ہے کہ علاج اپنے مذہبی فرائض کی اداکاری میں خاص طور پر محتاط واقع ہوا تھا۔ اور اگرچہ حقارت کی نظر سے تو نہیں مگر یقیناً ان تھرم مدارج کو التفات کی نظر سے نہیں دیکھتا تھا۔ جن میں سے گزر کر ایک انسان کو اس حقیقی مذہب کی بلندیوں تک پہنچنا مقصود ہوتا ہے۔ جو کہ صحیح معنوں میں ایک پُر از خلوص دل کی نیاز مندانہ عبادت پر مشتمل ہے۔ فرائض اسلامی کی اداکاری کے متعلق بیشتر صوفیائے کایہی رویہ رہے اور واقفانوں کے ساتھ عقیدت مندی کے اظہار کا یہی ایک بہترین طریقہ بھی ہوا کرتا ہے۔ لیکن علاج کو ہمیشہ اس بات کی فکر رہتی تھی کہ کوئی کام اس کے ضمیر کے خلاف سرزد نہ ہو۔ اسلامیات اور اسلامی ریاست کی الم نشرح سیادت کے خلاف وہ اپنی ذات کی پسند کو جو کہ خدائی طاقتوں کے اخذ کردہ ہے پیش کرنے کی جرأت کرتا تھا۔ اور وہ جنبہ سبب کی طرح نظریات پیش کرنے پر ہی پس نہ کرتا تھا۔ اس پر کارمیتھن کے ساتھ مل کر کام کرنے اور معاملات رکھنے کا شبہ تھا اس نے اپنے عقائد کی تبلیغ کافروں اور مومنین کے درمیان یکساں طور پر کی۔ اور کرامات کے ذریعے لوگوں کو اپنا ہم عقیدہ بنانے کی انتہائی کوشش کی۔ ان وجوہات کی بناء پر اسے بجا طور پر قابلِ نفرت سمجھا گیا۔ متاخرین صوفیاء کے قول کے مطابق اس کا جرم یہ نہ تھا کہ اس نے آسمانی بادشاہت کے راز کو افشاء کر دیا۔ بلکہ اس کا قصور یہ تھا

کہ اس نے ایک اندرونی آواز پر لبیک کہتے ہوئے ایک ایسی حقیقت کے اظہار کا اعلان کیا۔ جس سے مذہبی سیاسی معاشرتی بد نظمی کا اندیشہ ہو سکتا تھا۔ علاج کی زندگی اور موت اس کام میں ختم ہو گئی۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے اشعار میں قربت اور شفقت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ مثلاً کہتا ہے۔ کہ "تیرے اور میرے درمیان ابھی آنا کی آڑ پائی جاتی ہے۔ جو مجھے از حد تکلیف دہ ہے۔ اپنے فضل و کرم سے اس آڑ کو ہٹا دے۔ میں وہ ہوں جس سے تجھے محبت ہے۔ اور وہ جسے میں محبت کرتا ہوں۔ میں ہے۔ ہم ایک جان دو قالب ہیں۔ اگر تو مجھے دیکھتا ہے۔ تو تو اسے دیکھتا ہے۔ اور اگر تو اسے دیکھتا ہے۔ تو مجھے بھی دیکھ رہا ہے۔" اور جلیلی نے اس مطلب کے کئی اشتعار بھی کہے ہیں۔ ہم دونوں کی روح ایک ہے۔ اگرچہ جسم دو ہیں اور مولانا روحی کے الفاظ میں ہے خوشا اُن وقت جب تم اور ہم ایک ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ تم اور ہم ہم ایک تھے۔ ہماری شکلیں تو دو ہونگی مگر روح ایک علاج نے کسی خاص رنگ میں اور کسی خاص مقام پر خدا ہونے کا دعویٰ بھی کیا ہے۔ وہ خدا جس کی نادرا نیت کو وہ محکم طور پر تسلیم کرتا ہے۔ اور یہ بات کسی ایسے شخص کیلئے باعث حیرانی نہیں ہو سکتی۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ منطق کے متناقض خیالات تصوف کے حقائق بن جایا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس کے انوکھے عقائد اس کی وفات کے بعد زندہ نہ رہ سکے۔ مگر وہ کئی قسم کے قیاسات کی آماجگاہ ضرور بن گئے۔ مثلاً یہ کہ ایک مکمل ترین انسان کی ماہیت کیا ہے۔ جو ابن العربی کی تصانیف اور ایرانی صوفی شاعری میں نمایاں خط و خال کے ساتھ موجود ہیں۔ علاج کی وفات کے بعد کی اگلی صدی نے اگرچہ دنیائے تصوف میں کوئی جدت پیدا نہیں کی مگر اس میں نصر السراج کی تصنیف کتاب اللعۃ اور ابوطالب کی تصنیف قطع القلوب میں صوفیائے عظام کے جملہ عقائد کو پہلی دفعہ ایک منظم اور منضبط صورت میں پیش کیا گیا ہے۔ اور یہ وہ کتب ہیں جن میں صوفیاء کے مذہب کے متعلق وہ تمام قیمتی مواد موجود ہے جو کہ ایسے موافقہ سے حاصل کیا گیا تھا۔ جو اب ضائع ہو چکے ہیں۔ تصوف اب اسلام سے کٹ کر وحدت وجود اور قلندری کی پناہ ڈھونڈ رہا تھا۔ اور اس کی وجہ یونانی فلسفہ کا اثر تھا۔ اور انہیں کہ اس کے فلسفہ بروز اور تصوف کا یہ رنگ ایرانی صوفی و شاعر ابوسعید کی زندگی اور اقوال میں نمایاں طور پر پایا جاتا ہے بعض لحاظ سے اس کی تعلیمات قابل تعریف ہیں۔ وہ کہتا ہے۔ صحیح معنوں میں نیک انسان یا زندہ ولی "وہ ہے جو ہم ہی لوگوں کے درمیان رہتا رہتا ہے۔ ہم ہی میں سوتا اور کھاتا پیتا ہے۔ خرید و فروخت کرتا ہے۔ شادی کرتا ہے معاشری معاملات میں حصہ لیتا ہے۔ اور پھر بھی خدا کو ایک لحظہ کے لئے نہیں بھولتا۔ وہ تمام مخلوق کو خالق کی

نگاہ سے دیکھنے کا متمنی تھا۔ اور رحم اور لطف کا اس درجہ دلدادہ تھا۔ کہ اس کے نزدیک ایک مسلمان کے دل کو سخر کرنے سے بہتر کوئی اور ذریعہ قرب خدا کا بعد از فہم تھا۔ جہاں علاج ایک طرف مذہبی قوانین کی پابندی کا قائل تھا دوسری طرف اس کے ساتھ ساتھ اندرونی کشش کے ماتحت ان کی اطاعت گزاری کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ایک اعلیٰ طاقت کے سامنے جھکنے پر مجبور پاتا تھا۔ وہاں ابوسعید کے نزدیک مذہبی قوانین کی پابندی ایک غیر ضروری چیز تھی۔ اور صرف ان لوگوں کے لئے ضروری تھی۔ جو ابھی راستہ میں آ رہے ہوں۔ ورنہ منزل مقصود پر پہنچ چکنے کے بعد ان کی اطاعت لائق نہیں رہتی۔ اس کے خیال کے مطابق وصل باری کوئی عارضی اور منہگامی شے نہیں بلکہ وہ نفس کے مارنے اور مشیت ایزدی کے تابع ہو جانے کا ایک مستقل نتیجہ ہے۔ اس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے اپنے مریدوں کو حج کعبہ ادا کرنے سے روک دیا تھا۔ جسے وہ "بیت الحج" کے نام سے پکارتا تھا۔ اس طرح یہ بھی مرقوم ہے کہ ایک دفعہ موزن کی اذان کی آواز سن کر اپنے درویشوں کے نقص کو بند کر دینے سے انکار کر دیا تھا۔ یہ کہتے ہوئے کہ ہماری ادائیگی نماز کا طریقہ یہی ہے، یہ حکایات اگرچہ کلیتہً درست نہ ہوں لیکن ابوسعید کے نکتہ خیال کو بہ احسن و بوجہ ظاہر کرتی ہیں۔ مکتوبات کشاوری میں صوفیائے اولین کے تقدس اور سنت نبوی کے نتیجے کا موازنہ صوفیائے متاخرین کی بے راہ روی کے ساتھ کیا گیا ہے۔ تیس سال بعد کشف المحجوب کے مصنف حضرت داتا گنج بخش علی ہجویریؒ نے لکھا تھا کہ اس کے ہم عصر اپنے شہوانی جذبات کو فقہ کے نام سے بے ہنگام تخیلات، کورومانی علم حرکات قلب اور حیوانی روح کی شفقت کو آسانی محبت، کفریات کو غیریت۔ تشاکک کو خلوص قلبی اور مذہب صحیحہ میں اشکال پیدا کرنے کو ترک دنیا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ جب کہ ایک طرف اولیائے کرام اپنے مریدین اور اندھاد مند متغلبین کی فوج کے ساتھ روایتی اور تاریخی اسلام کے لئے مصیبت کا باعث بن رہے تھے۔ دوسری طرف تشدد کے ساتھ مذہبی احکام کی پابندی کرنے والے علمائے کرام کے درمیان آپس میں پھوٹ پڑ گئی تھی۔ اور وہ آیات قرآنی کی حوت بحوت تعمیل پر زور دیتے۔ بیرونی رسوم اور تکلفات پر مباحث کرنے یا تعقل کی بے لطف روٹی میں مذہبی اصولوں کا تجزیہ کرنے کی وجہ سے زندگی کے اندرونی لوازم سے جو مذہب کی روح رواں ہیں محروم ہو گئے تھے۔

سچے مسلمان ضرور دل میں کہتے ہوں گے کہ یہ صورت حالات زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی۔ کیا ملت اسلامیہ کے شیرازہ کو پرانندہ کئے بغیر مذہب کو مامون دمسون رکھنے کا کوئی طریقہ نہیں رہتا تھا۔ اس سوال کا جواب عام بار دران اسلام میں سے ایک بہت بڑے انسان کے منصبہ شہود پر ظاہر ہونے سے حل ہو گیا۔ جس کا نام ابوسعید الغزالی تھا

جسے ازمندہ وسطیٰ میں یورپ والے ابوہمت الغزالی کے نام سے یاد کرتے تھے۔

اقتباس دوم | الغزالی کے صوفیانہ مذہب اختیار کرنے کا واقعہ اپنی روایات کا حامل ہے۔ یہاں صرف اس قدر بیان کر دیتا ضروری ہے کہ اپنی جوانی کے ایام میں وہ مسلک واقع ہوا تھا۔ اور ایک متصوفانہ

مشاہدہ سے دوچار ہونے کے بعد اس کی یہ روحانی بیماری رفع ہو گئی۔ زائل بعد اس نے اپنی تمام تر توجہ حقیقی صداقت کی تلاش کی طرف منعطف کر دی۔ منطق اور کلمتی دینیات کے مطالعہ نے اس کو یقین دلایا کہ ان میں روشنی کی تلاش بعثت ہے۔ ایسی روشنی جو ہدایت کی طرف رہنمائی کر سکے۔ اور جب طلیس کے عقائد اپنے اہل مذہبی اسناد کے باوجود بھی آزمائش کی جھٹی میں سے گزرنے کے بعد اس پر کوئی اچھا اثر نہ پیدا کر سکے۔ تب اس نے تیسری صدی ہجری کے قدیم اساتذہ اور محاسبی کی تصانیف کے بتائے ہوئے مسلک کی طرف اپنی توجہ مبذول کی اور جوں جوں اس کا مطالعہ وسیع ہوتا گیا سچائی اس پر منکشف ہوتی گئی۔ وہ لکھتا ہے۔ میں نے صاف طور پر دیکھ لیا تھا کہ جو چیز صوفیوں میں خواص طور پر پائی جاتی ہے۔ وہ کتابوں کا اکتسابی علم نہیں بلکہ اندرونی وجدانی کیفیت ہے۔ جو زبردست مشاہدہ کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ یا دوسرے الفاظ میں متصوفانہ زندگی بسر کرنے سے میسر آ سکتی ہے۔ اس نے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ اس کی اپنی نجات خطہ میں ہے۔ اس کا دنیاوی مستقبل نہایت شاندار تھا۔ اور ایک زبردست کش مکش کے بعد اس شاندار مستقبل سے عملی طور پر متمنع ہونے کے مواقع کو خیر باد کہتا پڑا۔ اس بوجھ کے تلے اس کی صحت خراب ہو گئی۔ اور آخر کار اس نے مکمل طور پر ہتھیار ڈال دیئے۔ اور خدا تعالیٰ کو اپنی پشت پناہ بنایا۔ عین اسی طرح جیسے کوئی انسان کام کے درمیان ذرائع کے مفقود ہو جانے پر کیا کرتا ہے۔ اس کی عمر مشکل چالیس سال کی ہو گئی کہ اس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بغداد چھوڑ دیا۔ پس اس پر غماہ ہو چکا تھا کہ صوفیائے کرام کا مذہب سچا ہے۔ اور صداقت کے ساتھ ذاتی طور پر روشناس ہونے کے بعد اچلے مذہب کی وہ تحریک شروع ہوئی۔ جس کو کس فاتی ثمال اور خاص کر اس کی تصنیف (ایمان) نے صوفیائے کرام کے مذہب کو ان حلقوں میں ترویج کیا۔ جن کا رویہ اس کے متعلق پہلے سے معاندانہ تھا۔ اب صوفیائے کرام قطعی طور پر اسلام میں داخل ہو چکے تھے۔ کیونکہ غزالی اور اسکے پیرو مسلمانوں کی اکثریت کے خیال کے مطابق وہ امامات جو اولیاء اللہ پر نازل ہوتے ہیں۔ پیغمبروں کے امامات میں اضافہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور جو کل علوم کا ماخذ اور جڑ ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات پر بھی زور

دیتا ہے۔ کہ ولایت پیغمبری سے ماخذ ہے۔ اور متواتر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم الشان سند کا حوالہ دیتا جاتا ہے جس کے احکام کی حوت بحوث تعمیل کی جانا ضروری ہے۔ روح کے متعلق اس کا عقیدہ تھا کہ یہ ایک ایسا جوہر ہے جس میں خداوند کریم اپنے جوہر الہی اور صفات عالیہ کو معکوس کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ روح بمنزلہ ایک آئینہ کے ہے، جو کہ آسمانی انگارے سے جلا حاصل کرتی ہے۔ ہو سکتا تھا کہ یہ عقیدہ جدت پسند صوفیاء کو قیاسات کی طرف ہانک کر لے جاتا ہے۔ مگر غزالی اس قسم کے تمام خطرات سے مامون تھا۔ اگرچہ غزالی نے مسئلہ توحید پر غیر معمولی شرح و بسط کے ساتھ بحث کی ہے۔ مگر وہ اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرتا۔ کہ خدا مخلوق ہے۔ اور اس کے مضبوط اور اٹل ارادے کے ماتحت دنیا کتم عدم سے عالم وجود میں آئی۔ اس کے عقائد بہت حد تک تصوف کے مرہون منت تھے اور اس نے اس کے حلقہ انقیاد سے ہر موافقات نہیں کیا۔ پھر بھی اکثر صوفیائے کرام کسی حد تک یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ اپنے عقائد کی بنا پر اسے تصوف کے ساتھ اتنی موانست نہیں جتنی کہ راسخ العقیدہ مومنین کی جماعت کے ساتھ ہے۔ جس کے ساتھ اس کے مخلصانہ اقبال، اخلاقی پوشش اور علم الحدیث کے ساتھ راسخ العقیدگی اور سب سے بڑھ کر اس کے انتقادانہ اور موضوعی طریقہ خیال نے اس کی دھاک بٹھا دی۔ وہ مروجہ مقلدانہ اسلام میں صوفیانہ رنگ بھرنے میں بہت حد تک کامیاب ہو گیا۔ اگرچہ وہ مساویانہ کامیابی کے ساتھ تصوف میں مروجہ مقلدانہ اسلام کا رنگ نہ بھر سکا۔ تاہم محروم بھی نہیں رہا۔ اس نے اپنی متصوفیانہ تحریک میں رواداری کی دلدادہ مگر قدامت پسندانہ رائے رکھنے والے اصحاب کی ایک خالص جماعت کو داخل کر لیا جس نے آنے والے طوفانی ایام میں ایک بریک (آلہ بندش) کا کام دیا۔ مگر اب اس کی محرکانہ اور عاملانہ قوت کا رخ دوسری جانب منتقل ہو چکا تھا۔ اور وہ خیالات جنہوں نے ناقابل تہیہ انداز کے ساتھ اس تحریک کے آگے کی طرف بڑھایا اور مستقبل میں اس پر چھا جانے والے تھے۔ اس کے اپنے خیالات کے ساتھ بہت کم مناسبت رکھتے تھے۔ اس نئی تحریک کے دلدادگان نے جس انداز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کی ہے۔ اس سے یہ حقیقت الم نشرح ہو جاتی ہے۔ کہ اب ان کی روحانیات کا ماخذ مکہ نہیں بلکہ اسکندریہ اور ایتھنز ہے۔ غزالی کے ساتھ تاریخ تصوف کا ایک دور گزر جاتا ہے۔ اس وقت تک صوفیائے کرام خاص طور پر خدا اور انسانی لوح کے درمیان ایک استوار تعلق کا مظہر بنے ہوئے تھے۔ برعکس اس رسمی طریقہ عبادت کے جس کا دار مدار حدیث اور فقہ پر تھا۔ اور جس کے ساتھ انہوں نے ایسے مذہبی عقائد کو ملا لیا تھا۔ جن کی تعمیر یا تو قرآن پاک پر رکھی گئی تھی۔ اور یا ان

کا ماخذ وہ خیالات تھے جو انہوں نے ارسطو اور افلاطون سے اخذ کئے تھے۔ جوں جوں اسلام کی گرفت ڈھیلی پڑتی گئی۔ اجنبی عناصر زور پکڑتے گئے۔ حتیٰ کہ خلافت کے کمزور پڑ جانے پر انہوں نے میدان کو اپنی جوا لنگاہ بنانے کے لئے بالکل خالی پایا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فلسفہ محیط کل آج بھی سات سو سال کے بعد دنیاۓ اسلام کے تخیل پر پوری طرح حاوی ہے۔ اور جس نے جلال الدین رومی، حافظ اور کئی ایک بلند پایہ صوفیانہ خیالات کے شعراء کے رنگ میں ظاہر ہو کر لوگوں کو اس طرح مسحور کر لیا ہے کہ ان کے نزدیک ابن العربی (جو درحقیقت صوفیائے کرام کے مذہب کا موجد ہے) کا کلام بالکل ناقابل اعتناء بن کر رہ گیا ہے۔

اس سے پیشتر کہ ہم پھر سے اس موضوع کی طرف رجوع کریں۔ ہمیں اس دور کے ایک امر مخصوص کو ذہن نشین کرنا ہے بارہویں صدی عیسوی میں مسلم مذہبی زندگی کے ایک ایسے نظام کا آغاز ہوا جو ازمنہ وسطیٰ کی عیسائی خالقانہ تنظیم کے بالکل مشابہ تھا۔ شروع شروع میں تو یہ طریقہ رہا کہ مشائخ کے گرد مریدین کا ایک حلقہ جمع ہو جاتا۔ بعد ازیں مریدین خالقانہ ہوں میں رہنے لگ گئے اور تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری ہو گیا۔ مگر یہ نئے مکاتیب انجذابی عناصر کے فقدان کی وجہ سے جلد ہی کا عدم ہو گئے۔ سالکان راہ حقیقت کی ان مجالس کی جگہ (جن میں شیخ کی ذات کے ساتھ عقیدت کا رفاہ ہوتی تھی) فقرائے کی مستقل تنظیم نے لے لی۔ جن میں سے ہر ایک کئی ایک اولیائے کرام کے سلسلہ علائق کے ذریعہ اپنا شجرہ نسب خود رسول اکرمؐ تک جاملاتا تھا۔ مختلف سلسلہ ہائے فقرائے کا طریقہ کار ان کے عقائد اور مذہبی احکام کے متعلق ان کے رجحانات کے بارے میں اختلاف پایا جاتا تھا۔ فقرا کے ان سلسلوں کے ارکان بننے کے لئے تجرد کی شرط لازمی نہ تھی۔ یہ ارکان جو کہ سوسائٹی کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اور جن میں سے اکثر غرباء کے طبقہ سے متعلق تھے۔ اوامر و نواہی کی تعمیل اور عدم تعمیل کے سلسلہ میں بہت مفید کام کر سکتے تھے۔ بعض یورپین مفکرین کے نزدیک مسئلہ محیط کل عملی بد اخلاقی کا دوسرا نام ہے۔ مگر مشرقی دماغ اس درجہ ذلیل اور حقیر نہیں کہ اس پر اس قسم کا اہم چسپاں کیا جاسکے۔ مسئلہ محیط کل جہاں تک اس کا تعلق تصوف سے ہے ایک روحانی مشیخت اور اخلاقی مقتضیات کا حامل ہے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ چونکہ اسلام میں احکام کی پابندی کرانے والی جماعت کا فقدان ہے۔ اس لئے یہ صوفی آزادی کا غلط مطلب سمجھ کر اس کا ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔

حجی الدین ابن العربی صوفیائے کرام میں بہترین شخصیت اور بہترین قیاساتی اور اجتہادی دماغ کا مالک تھا۔ وہ

ٹریا (واقع اسپن) میں پیدا ہوا اور ۱۲۴۸ء میں دمشق کے مقام پر فوت ہوا۔ اس کے عالمگیر فلسفہ کے کل مسائل اس کی کثیر التعداد تصانیف میں محفوظ ہیں۔ جن میں سب سے زیادہ مشہور فتوحات مکیہ اور خصوصاً الحکم ہیں۔ ان میں سے اکثر عسیر الفہم اور نوعیت کے لحاظ سے نادر الوجود ہیں اور کوئی شخص ان کے مطالعہ کے بعد مصنف کی دماغی اور قلبی صلاحیتوں کی تعریف کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ چنانچہ دوسرے اصحاب اور خاص کر عبدالکریم حبیبی نے ان تصانیف کو خود مصنف کی نسبت زیادہ واضح اور مدلل طور پر بیان کیا ہے۔ ذیل میں کچھ نہایت نمایاں دقائق بیان کئے جاتے ہیں۔ ابن عربی پتھا توحید پرست ہے۔ جیسا کہ اس کے عقیدہ وحدت الوجود سے ظاہر ہے۔ اس کا یقین ہے کہ تمام اشیاء کی تخلیق کا خیال خدا کے علم میں پہلے ہی سے موجود تھا۔ تمام مخلوق ذات باری کا بیرونی عکس ہے اور خود ذات باری ان کا اندرونی عکس ہے۔ جب کہ ہر مظهر قدرت حقیقت کی کسی نہ کسی صفت کا ظاہر کرنے والا ہے۔ اور انسان خلاصہ تخلیق ہے۔ جس میں ذات باری کی تمام صفات عالیہ ایک جگہ مجتمع ہیں۔ اور انسان ہی وہ مخلوق ہے جس میں خداوند کریم کے کل معارف مشاہدہ ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ ہیں میں عرفانی، افلاطونی اور عیسائیت سے اخذ کردہ تمام عناصر ایک ساتھ موجود پائے جاتے ہیں۔ ابن عربی کے نظام فلسفہ میں ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ عقیدہ مخصوص طور پر عیسائیت کے مسئلہ تثلیث کی نوعیت لئے ہونے سے ہے۔ اور ذات باری کی تجسیم کا قائل ہے۔ جس کا صحیح تخیل بنی نوع انسان میں ظاہر و باہر ہے۔ اور جس کا سب سے پہلا مظہر آدم علیہ السلام ہیں۔

انسان کامل فطرت کا نقش اول اور ذات باری کا مظہر ہونے کی حیثیت سے فضیل ربانی اور فلسفہ کائنات کے اصول کے درمیان جو کہ دنیا میں سمویا ہوا اور اس کے لئے سنبھالے کا کام دیتا ہے۔ واسطہ اور وسیلہ کا درجہ رکھتا ہے۔ اور یہ انسان کامل حضور سرور کائنات کی ذات باریکات ہے۔ ابن عربی سے بہت پہلے یہ عقیدہ سیدہ کہ حضرت رسول پاک کی روح مظہر کل مخلوق عالم سے پہلے پیدا کی گئی تھی۔ عام طور پر اسلام میں فردغ یا پیکر کائنات رسول پاک کی روح مظہر یا جوہر اصلی سب سے پہلے عالم وجود میں آئی جو کہ نور محمد کے نام سے آدم علیہ السلام کے جسم پاک میں نمودار ہو کر پھر تسلاً بعد تسلاً تمام پیغمبروں میں منتقل ہوتی رہی۔ آخر قطعی صورت میں خود رسول پاک کی ہستی مبارک میں ظاہر ہوئی۔ اہل تشیع کے عقیدہ کے مطابق یہ رسول اکرم کے بعد علی المرتضیٰ میں منتقل ہو کر جملہ امامان علیہم السلام کی بابرکت ذاتوں میں منتقل ہوئی۔ مگر صوفیائے کرام کے عقیدہ کے مطابق

اولیائے کرام کی ذات گرامی میں اب بھی محیط عالم ہے۔ ابن عربی نے رسول پاک کی ذات اقدس کو حقیقت الحقائق کے ساتھ بالکل ملا دیا ہے۔ اور یہ ایک ایسا نظریہ ہے۔ جسے اریجن (انگریز پروفیسر) نے ارسطو کے عامل اور موثر تعقل اور سند تثلیث کے اظہار کے لئے استعمال کیا ہے۔ اس لحاظ سے آنحضرت کی ذات مبارکہ دنیا کی تخلیق میں ایک عامل محرک یا خلیفۃ اللہ کا درجہ رکھتی ہے۔ یا یوں کہئے کہ آپ کی ہستی دنیا کو برقرار رکھنے کے لئے مدار کا کام کرتی ہے۔ جن کی خاطر یہ دنیا عالم ظہور میں آئی اور جو الہامات ربانی کا لاثانی ماخذ اور منبع ہے کیونکہ آپ اس وقت بھی پیغمبر تھے۔ جب کہ آدم علیہ السلام ابھی کیچڑھی میں تھے۔ یہ عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار حواریوں کے لکھے ہوئے حالات مسیح کی صدائے بازگشت معلوم ہوتا ہے۔ بہر حال ابن عربی کو عیسائیت کے ساتھ خاص طور پر ہمدردی تھی۔ اور وہ لفظ کلمہ کو حضرت مسیح اور رسول کریم کے لئے خاص طور پر استعمال کرتا ہے۔ موجدانہ تصوف ناگزیر طور پر یا تو ہمیں مسئلہ وحدت وجود یا پیرپندی کی طرف مائل کرتا ہے اور یا جیسا کہ اسلام میں پایا گیا ہے۔ دونوں طرف مائل کرتا ہے۔ مجرد فطرت ربانی سے قطع نظر کرتے ہوئے ذاتی عقیدت کے قابل یا تو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ہستی ہے یا اولیائے کرام کی۔ جن کے وسیلہ سے خداوند کریم کے معارف انسان پر منکشف ہو سکتے ہیں۔ یہ عقیدہ کہ ذات باری اور رسول پاک کی ہستی مبارکہ میں ہر موافقت نہیں، اس وقت پیدا ہوا جب کہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کو برقرار رکھتے ہوئے مذہبی مقتضیات کی پذیرائی کا سوال درپیش تھا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام نے رسول کریم کی پرستش اس نفع اور ایسے الفاظ میں پیش کرنا شروع کر دی جو خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک کفریات ہونے کی بنا پر قابل مذمت تھی۔ مثال کے طور پر یہ کہ "اگر نور محمد پیدا نہ ہوتا۔ تو نہ دنیا پر کوئی رموز ظاہر ہوتے نہ چشتیہ بتے، نہ دریاؤں میں روانی ہوتی، صوفیائے آنحضرت کو محبوب خدا کے نام سے یاد کرتے ہیں اور آپ ہی کے توسل سے تحفہ ہائے ربانی اس کے مجاہد اور اس کی یاد میں محور بننے والوں تک پہنچائے جلاتے ہیں ابن عربی کے نزدیک اولیائے کرام اور رسول پاک کے ساتھ عوام کی عقیدت اللہ تعالیٰ تک رسائی کے عقائد میں سے ایک عقیدہ ہے۔ مذہب والوں کا خدا تصوف کے خدا کے برعکس محدود و محض ہے۔ اسی لئے اس عقیدہ کے قائل صرف اپنے ہی مسلک کی تعریف کرنے اور دوسری کو تہم کرنے میں اپنی جہالت اور

تا انصافی کا اظہار کرتے ہیں۔ کافر اور بت پرست بھی خدا ہی کے نقش پر پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ مذہبی عقائد کے مطابق وہ کشتی اور گردن زدنی ہیں۔ اس حقیقت کے پیش نظر کہ روح ہستی ربانی کا ایک منظر ہے۔ ابن عربی یہ نتیجہ مستنبط کرتا ہے کہ انسان اپنے اعمال میں قادر و مختار ہے۔ لیکن اس کا نظام فلسفہ آزادی رائے کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خداوند کریم کے افعال اس کی اپنی فطرت کے اقتضائے مطابق ہوتے ہیں۔ جن کا اقتضائے یہ ہے کہ اس کے صفات عالیہ کا لامحدود تنوع ان اشیاء میں جن پر ان کا صدور ہوتا ہے لائق اور اثرات پیدا کرے۔ کیوں کہ بدی بذاتہ کوئی چیز نہیں۔ اس لئے جہنم ایک عارضی قیام گاہ ہے۔ اور آخر الامر ہر گنہگار کی شفاعت ہو جائیگی۔ ابن عربی کے اقوال ہیں سپیریز (SPIRIT) یہودی ہسپانوی کی یاد دلاتے ہیں۔ لیکن اس جگہ ہمیں یہ کہنے میں تاثر ہے کہ ہسپانوی یہودی کو ہسپانوی مسلم (ابن عربی) کے خیالات کا علم تھا۔ جس کے بے شمار باطنی اور سری اقوال اس حقیقت پر پردہ ڈالے ہوئے ہیں کہ وہ ایک جدت طراز اور پرمغز مفکر ہو گزرا ہے اس کے بالکل برعکس اس کے اقوال کا ازمنہ وسطیٰ کے عیسائی ماہرین علم الکلام پر بہت زیادہ اثر ہوا اور جیسا کہ پروفیسر (اسن پیل کوئز) نے حال ہی میں انکشاف کیا ہے کہ حسن، معشوق، جہنم اور بہشت کی جو کیفیات ابن عربی نے بیان کی ہیں۔ DANTE (ڈلنٹے) اٹلی کے شاعر کے بیان سے بہت حد تک مشابہ ہیں۔ جہنمی طبقات، ستاروں بھرے آسمان، نوریزدانی کے گرد فرشتوں کا جھرمٹ، تین حلقے جو کہ تشکیث کے نشانوں میں سے ہیں۔ ان تمام چیزوں کو ڈلنٹے نے عین اسی طرح بیان کیا ہے۔ جس طرح ابن عربی نے انکی کیفیت لکھی ہے۔ ڈلنٹے لکھتا ہے کہ کس طرح وہ جوں بھول اوپر ہی اوپر آسمان کی طرف چڑھتا گیا۔ اس کی محبت بڑھتی گئی اور بیٹریس (BEATRICE) اس کی معشوقہ کا نام ہے۔ اس کے حسن کو دیکھ دیکھ کر میری روحانی بصارت اور تیز ہوتی گئی۔ اس قسم کے خیالات کا اظہار ابن عربی نے اپنی ایک نظم (ترجمان العشاق) میں جو ڈلنٹے سے ایک سو سال پہلے لکھی تھی۔ کہا ہے۔ معشوق سے ملاقات کرنے پر میرے اندر وہ چیز پیدا ہوئی۔ جس کا پہلے مجھے وہم و گمان بھی نہ تھا۔ کیونکہ مجھے ایک صورت نظر آئی جس کی خوبصورتی بار بار طے پر لطافت اور عظمت میں بڑھتی چلی گئی۔ پس ایک ایسی محبت سے جو ایک مقرر شدہ اندازہ کے ساتھ لحظہ بہ لحظہ ترقی پذیر تھی۔ کوئی راہ فرار نہیں مل سکتی تھی۔

اس جگہ یہ بھی عرض کر دینے میں کوئی باک نہیں کہ ابن عربی کی بھی ایک معشوقہ نظام نامی تھی جو ملین الدین کی باسیلقہ اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نیک اختر و خیر تھی۔ ابن عربی نے اس کی شان میں ایسے غنائی اشعار لکھے کہ جن کی بناء پر وہ بدنام ہو گیا۔ اور اس بدنامی کے داغ کو دور کرنے کے لئے اس نے ان اشعار کی تفسیر لکھی۔ تاکہ ان کے نقادوں کو یقین دلایا جاسکے کہ ان کے احتمالات بے بنیاد ہیں۔ عین اسی طرح ڈانٹنے نے بھی اپنی معشوقہ کی شان میں ۴۴ غزلیں لکھی تھیں۔ جن کی بناء پر اس پر کڑی نکتہ چینی کی گئی اور اس نقطہ چینی کی تنہی کو دور کرنے کے لئے جس کا مطلب یہ تھا کہ ان غزلیں میں شہوانیت کا غلبہ پایا جاتا ہے۔ اس نے اپنی مشہور نظم کا نوٹ (LONVITE) لکھی۔ مختصراً یہ تقابل اپنی عمومیت اور خصوصیت کے لحاظ سے یہاں تک وسیع ہو گیا ہے کہ اس سے ایک اور صرف ایک نتیجہ مستنبط ہوتا ہے۔ واقعہ معراج اور حیات بعد المات کے متعلق اہل اسلام کے مذہبی عقائد جو محدثین اور غالبی و غزالی جیسے مصنفین سے ماخوذ ہیں۔ ادبی کلچر کے ان تمام مشترکہ خزاں تک پہنچ چکے تھے۔ جن تک تیرہویں صدی کے بہترین یورپین دماغوں کی رسائی ہو سکتی تھی۔ آؤ اب ہم مشرق کی طرف رجوع کریں جہاں ایرانی تصوف کا سنہری دور شروع ہو چکا تھا۔ یہ دور قدرتی طور پر ایک ایسے زمانہ کے بعد ظہور پذیر ہوا جب کہ مغل حملہ آوروں نے وسط ایشیا پر پے در پے حملے کر کے وحشت خستہ حالی اور بد نظمی کے سوا اور کوئی نشان باقی نہ چھوڑا تھا۔ افراد کی طرح اقوام کو بھی متواتر اور مسلسل مصائب کے بعد دماغی سکون کی ضرورت لاحق ہوتی ہے۔ کوئی حیرانی کی بات نہیں اگر ایرانی لوگ جو مدت العمر کی خستہ حالی اور بے چینی کے بعد ان لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ جنہوں نے ایک طرف تو انہیں امن و امان، سلامتی، انصاف اور مہربانی اور تلطف کی فراوانیوں سے متمتع ہونے کے وعدے دلائے۔ اور دوسری طرف ان کی توجہ صوفیائے کرام کے ابدی امن اور خوشی کے نظریات کی طرف متفت کرانی جو ان لوگوں کا جہتہ وافر ہے۔ چونکہ خداوند کریم کی یاد میں محو رہ کر اس سے ملنے کی آرزو رکھتے ہیں۔ اس ابدی امن اور خوشی کی پُر لطف زندگی کا نقشہ صوفی شعرائے نے ایسی خوبی اور وضاحت سے کھینچا کہ ان کا کلام ان ممالک میں بھی جہاں فارسی زبان سمجھنے والے بہت کم حضرات پائے جاتے ہیں۔ نہایت ادب اور احترام سے دیکھا جانے لگا۔ اس دلکش تصویر کی عقلی داغ بیل ابن عربی کے دماغ کی اختراع ہے۔ اس کے پیش کردہ تصوف کو دل اور ضمیر کے ساتھ کوئی علاقہ اور کوئی لگاؤ نہیں بلکہ یہ ایک قیاسی فلسفہ کی بے جان تصویر بن کر رہ جاتا ہے۔ جسے اولین صوفیاء کے

نہی اور اخلاقی احساسات کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں۔ اب ایک صوفی کی امتیازی شان یہ نہیں کہ اس نے اللہ کی یاد میں عرصہ دراز تک محو اور منہمک رہنے کے بعد اسے پالیا ہو۔ یا جس نے اپنے نفس کو مار کر۔ ریاضت اور انفعال کے مدارج طے کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی سے اس تک رسائی حاصل کر لی ہو۔ بلکہ اب اس کی حیثیت ایک ایسے شخص کی ہے جو سمجھتا ہے کہ ہر شخص اپنی ہی وجدانی کیفیت سے خدا تک پہنچ سکتا ہے۔ اور اس کے اسرار و رموز کو بیان کر سکتا ہے اور سمجھ سکتا ہے ایسا انسان جو ذات باری میں مدغم اور حلول ہو گیا ہے۔ میری ہستی اس دن سے شروع ہوئی جب کہ نامول کا وجود تک نہ تھا اور نہ کسی ایسی ہستی کا نشان تھا جس کا نام لے کر اس کو پکارا جائے۔ میری ہی وجہ سے نام اور نامول والے وجود میں آئے۔ اس دن جب کہ میں "اور ہم" کا کوئی وجود نہ تھا۔

پیشتر اس کے کہ اس نوع کی شاعری پر غور کیا جائے بہتر ہو گا کہ اس نظری فلسفہ کو بیان کیا جائے جس پر اس قسم کی شاعری کی بنیاد رکھی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ کا جو ہر اصلی وہ ہے جو معرض بہت میں ہے۔ اس کے صفات عالیہ خیالی طور پر تو اس سے متمیز ہو سکتے ہیں۔ لیکن دراصل وہ اس کے ذات سے علیحدہ نہیں۔ ذات باری کی صفات عالیہ کا مجموعہ جسے ہم آفاق سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس تصویری شیشہ کی مانند ہے جو ہر وقت مختلف اطراف میں گھومتا رہتا ہے اور جو کہ اس کا منظر ہے۔ اور اس حد تک حقیقی ہے۔ جب تک وہ اس میں معکوس ہو رہا ہوتا ہے۔ مظاہر قدرت کی کوئی بالذات ہستی نہیں۔ ان کی ہنگامی ہستی اس ہی مطلق کا بیرونی اظہار ہے۔ جس کی وجہ سے وہ اپنے مرکز سے نکل کر جلوہ نمائی کرتے رہتے ہیں۔ اشیاء کے نظام میں انسان کی پوزیشن اور اس کے وظیفہ ہائے خاص کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ وہ روحانی اور اجسامی دنیاؤں کا جائے اتصال ہے۔ اور وہ آفاق کے اس مرکز پر واقع ہے جس کی وہ روح رواں ہے۔ لیکن جہاں تک اس کے مظاہر پہلو کا تعلق ہے وہ نقدان ہستی کی تاریکی سے زیادہ تاریک ہے۔ اس کے جسمانی تعلقات اسے غلامی کی زنجیروں سے جکڑے ہوئے ہیں۔ پس وہ خیال کرتا ہے کہ وہ اپنے ممالک سے دور اور علیحدہ ہے۔ اگرچہ ہمارے حواس ظاہری اور انتقادی عقل اس فریب نظری کی تصدیق کرتے ہیں لیکن یہ فریب نظری فلسفہ تصوت کے اس پہلے اصول کا رد ہے۔ جس کا پہلا سبق یہ ہے کہ کل کائنات اور عالمائے حرکت ربانی سرگرمی کا منظر ہے۔ صوفیائے کرام اس سے کیا مطلب لیتے ہیں۔ یہ تو وہ جانیں جنہوں نے اس کا مشاہدہ کیا ہو۔ اور درحقیقت وہ کنایات کے سولے

اس کے معانی بھی آشکار نہیں کر سکے۔ عاشقانہ طرز کی شاعری جس میں اس فریب نظری کا کنا تہ اظہار ہوتا ہے۔ بصد
 خوبی حسن ہمارے تخیل میں اس چیز کا احساس پیدا کر دیتی ہے۔ جو تعقل کے دائرے سے باہر ہے۔ اس کے علاوہ
 جوش محبت کو دورہ مستی کے ساتھ وہ صحیح مطابقت ہے۔ جسے صوفیاء علیم باطنی اور زاہدانہ القار سے مربوط
 جانتے ہیں۔ شروع شروع میں قرأت قرآن سے وجدانہ کیفیت کو بروئے کار لانے کا کام لیا جاتا تھا۔ لیکن بعد
 غزلیات جن میں بظاہر کوئی متصوفانہ ارادہ نہیں پایا جاتا تھا۔ اس قسم کی کیفیت کے بروئے کار لانے میں استعمال
 کی جانے لگیں۔ غنائی نظمیں سرود کے ساتھ اور بغیر سرود کے پڑھی جاتی تھیں۔ تاکہ وجدانی کیفیت اور جوش کو
 ابھارا جاسکے اور بعض اوقات خاص مواقع کے لئے اسی مقصد کے پیش نظر خاص غزلیں تیار کی جاتی تھیں ایسی
 غزلوں کے تیار کرنے میں شاعر دل کا مقصد یہ نہیں ہوتا تھا کہ کسی عالم گیر سچائی کا اظہار کیا جائے۔ بلکہ ان کے پیش نظر
 صرف یہ بات ہوتی تھی کہ اپنے فن کی مدد سے ایک ایسی نظری دنیا پیش کی جائے۔ جس میں خداوند کریم کی ذات
 مطلق اور ناقابل اظہار ہستی کا مشاہدہ ہو سکے۔ اور روح کو آسمانی ترنات سے ہم آہنگ کر کے متصوفانہ کیفیات کے
 مشاہدہ کے لئے تیار کیا جائے۔

ہمیں مولانا جلال الدین رومی اور فرید الدین عطار کی صوفیانہ شاعری کا ذکر کرنا باقی ہے۔ موزع الذکر کی مشہور کتاب
 منطق الطیر ہے۔ اس میں پرندوں کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ جو ہڈ کی سرکردگی میں سمیرغ کی تلاش کو نکلے۔ جستجو
 محبت، علم، ترک تعلقات، وصال، حیرانی اور ضبط نفس کی سات وادیوں میں سے گزر کر کل تعداد میں بہ باقی
 رہ جانے والے پرندے سمیرغ کے حضور میں حاضر ہوئے۔ جہاں انہیں محسوس ہوا کہ ان میں سے ہر ایک بذات خود
 سمیرغ ہے۔ اور سمیرغ بذات خود تیس پرندوں کے سوائے اور کچھ نہیں۔ انہوں نے درخواست کی کہ انہیں اس
 گمے معنے کا حل بتایا جائے۔ یعنی یہ کہ اس "میں" اور "تو" میں کیا راز پوشیدہ ہے۔ ایک پراسرار بے صوت
 تقریر میں انہیں سمیرغ کے حضور سے جواب ملا۔ "یہ سورج جیسی آب و تاب والی ہستی ایک آئینہ ہے۔ جو کوئی
 اس میں داخل ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو ہی اس میں معکوس پاتا ہے۔ جسم اور روح۔ اس میں اسی جسم اور روح کو دیکھتے
 ہیں۔"

مستی کی حالت کسی قانون کی تابع نہیں۔ اس لئے اللہ والے بے دینی اور دینداری کی حدود سے باہر ہیں۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ صوفیائے کرام بے دینی اور بداخلاقی کو اپنا شعار بنالیں۔ البتہ کم ظہر اور دون فطرت نام نہاد صوفی ایسا سمجھیں تو بعید از قیاس نہیں۔ حقیقی معنوں میں تیک انسان قانون کی پابندی اپنا فرض سمجھتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ ایسا کرنے پر مجبور ہے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اور خدا کے درمیان کوئی فرق نہیں پاتا۔ دائرہ معبودیت معبود کے اندرونی اور بیرونی دونوں پہلوؤں پر حاوی ہونا چاہئے۔ یکتائیت اور معدودیت، صداقت اور احکام واجب العمل۔ یہ کافی نہیں ہے کہ خدائے خلاق خلالت کی عبدیت میں داخل ہوئے بغیر ہم اس خیر سے بچنے کی کوشش کریں جس میں تخلیق کی پوائی ہے۔ انسان کامل کا امتیازی خاصہ یہ ہے کہ وہ تنازعہ کے مدارج کو عبور کر کے اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں سما جائے۔ کامل انسان وہ ہے جو صرت اللہ تعالیٰ کی طرف سفر کرنے کو کافی نہیں سمجھتا (یا یوں کہئے کہ معدودیت سے اکائیت کی طرف جاتا ہے) بلکہ ایک خدائے واحد میں مدغم ہو جاتا ہے۔ یعنی اس کی یکتائیت میں سما کر اسی کے ساتھ دنیا سے منظر ہر میں ظاہر ہوتا ہے۔ جہاں سے روانہ ہوا تھا اور معدودیت میں رہ کر یکتائیت کا اظہار کرتا ہے۔ اس ”اثرانی“ میں وہ احکام کی پابندی کو اپنی ظاہری پوشاک بناتا ہے۔ اور صورتیانہ مسلک کو اپنے لباس اندرونی کا نام دیتا ہے کیونکہ احکام واجب العمل کی تعمیل کرنے ہوئے وہ حقیقت کو بنی نوع انسان پر ظاہر کر رہا ہے۔ نظریات سے قطع نظر اولیائے کرام میں سے اکثر ظاہر روحانیت اور اکائیت تھے اچھی طرح جانتے تھے کہ انہیں معرفت کے اعلیٰ نکات ایسے لوگوں کے سامنے پیش نہیں کرنا چاہئیں جو ابھی مبادیات پر بھی اچھی طرح حاوی نہیں ہوئے۔ سینٹ پال کی طرح دو جانتے تھے کہ کون چیز کس قسم کے انسان کے لئے موزوں و مناسب ہے۔ کسے دودھ پیش کیا جانا چاہئے اور کسے گوشت۔ یہی وہ دوہری سچائی تھی جس کی مدد سے وہ قرآن کریم کے پیش کردہ رالے اور وحدت وجود کے خدا کے درمیان ہم آہنگی پیدا کر سکے۔ اور اس کی مدد سے اخلاقیات کا وہ اصلی نظام پیش کر سکے جس کی آخری اور قطعی بنیاد اس بات پر ہے کہ بدی بذاتہ کوئی چیز نہیں۔

ایرانی تصوف کا شاہکار مولانا جلال الدین رومیؒ کی ثنوی معنوی میں نمایاں ہوتا ہے۔ مولانا نے موصوفت نے وریٹوں کے سلسلہ مولویؒ کی بنیاد رکھی اور قونیا کے مقام پر ۱۲۷۳ عیسوی میں وفات پائی۔ ثنوی کو قرآن و زبان پہلوی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اور اس کے مصنف کا دعویٰ ہے کہ ثنوی پیغمبرانہ المامات کی حامل ہے۔ لیکن کتاب کو سرسری نگاہ سے دیکھنے کے بعد معلوم ہو جائے گا کہ اس کے پیش کردہ عقائد جو روایتوں، کہانیوں، قصوں، لطیفوں اور تمثیلوں کے پور و تار

میں مربوط ہیں۔ ازمہ وسطیٰ کی مذہبی اور نظریاتی زندگی کی کل اقلیم پر حاوی ہیں۔ اپنی غنائی نظموں میں وہ ایک ایسے صوفی کے نکتہ نگاہ سے لکھتا ہے۔ جو اصل بالئد کا درجہ حاصل کر چکا ہو۔ ثنوی ایک خطیبانہ انداز کے ساتھ سالکان راہ حقیقت کو خدائی مسلک کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ ثنوی کی بنیادی روح افتتاحی سطور ہی میں واضح گات ہو جاتی ہے۔ جہاں کہ نئے کو۔ جو کہ مولوی سلسلہ کے درویشوں کا آلہ موسیقی ہے روح اور خدا کی جدائی پر ماتم کرتی بتایا گیا ہے۔ یہ کہنا بالکل درست ہے کہ اس نظم میں گوشش کی گئی ہے کہ مذہب پروری کے جذبہ کو محبت کی بُو باس میں بسایا جائے۔ جلال الدین رومی کے خیال کے مطابق وہ مذہب جو معقول پسند ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے عقل و دلائل کا محتاج ہے، ایسا ہی بے فائدہ اور عبث ہے جیسا کہ وہ مذہب جس کی بنیاد رسم و رواج کی پابندی اور وضع داری پر رکھی گئی ہو۔

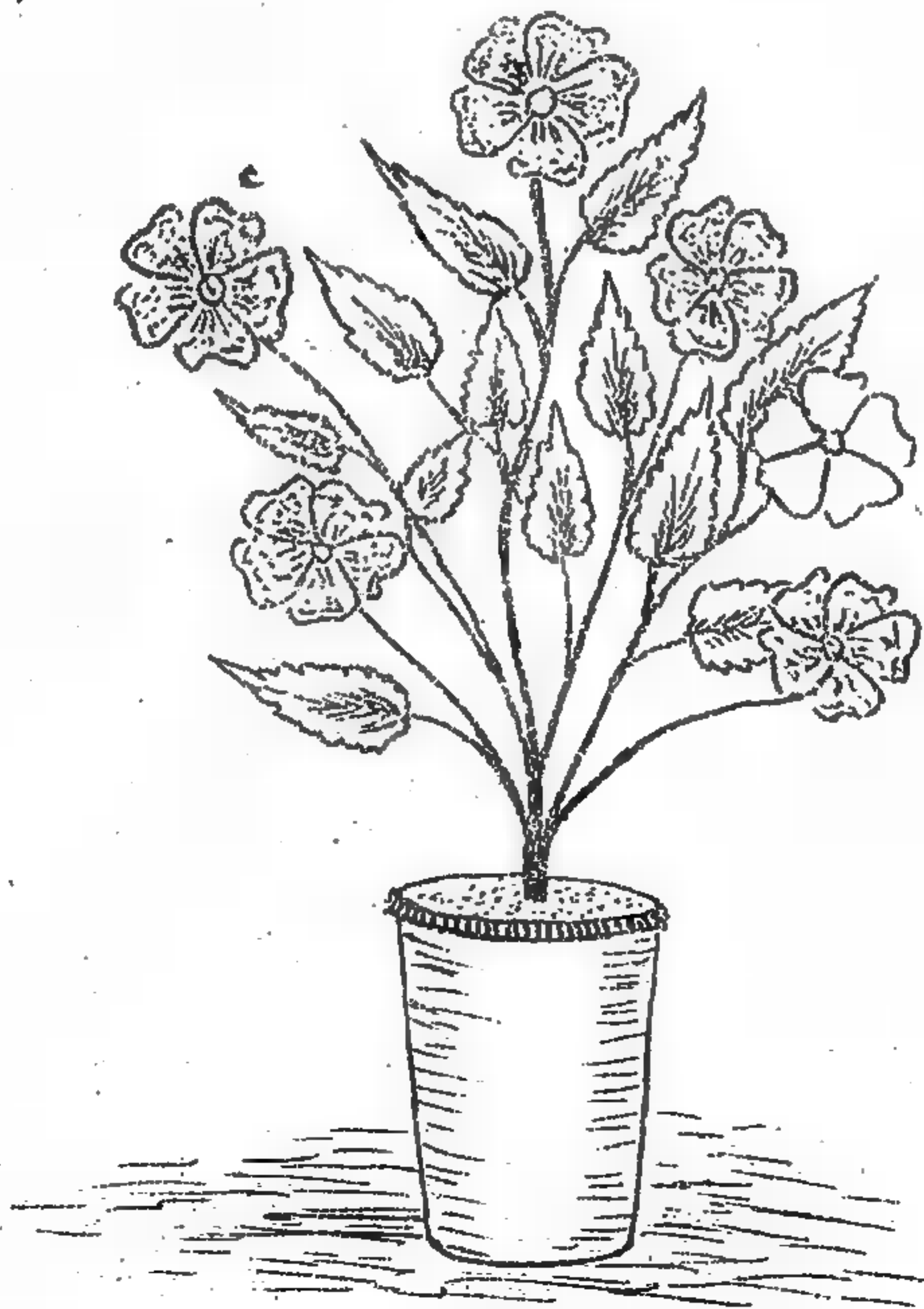
خدا کے نزدیک رسوم و سالک کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ خدا کا مقام نہ تو مسجد میں نہ منادراور نہ گرجہ نہ صومعہ وہ دل مومن میں جاگزیں ہے۔ سب سے ضروری بات یہ ہے کہ صحیح عقیدہ اور خشوع و خضوع کے ساتھ عبادت الہی میں منہمک رہ کر اپنے اندر ایک مکمل اخلاقی تغیر پیدا کیا جائے۔ جلال الدین رومی کا اعتقاد ہے کہ انسان سب گناہ اور خدا کٹھن نیکی۔ اس لئے اگرچہ جہاں تک خدا کا تعلق ہے بدی بالذات کوئی چیز نہیں۔ لیکن مخلوق کے لئے اس کی ہستی لازم و ملزوم ہے۔ خدا کے ساتھ بدی کا صرف یہ تعلق ہے کہ یہ اس کی کمالیت کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ اس کی مثال بعینہ اس طرح ہے جیسے کہ ہم کہیں کہ ایک مصوٰۃ کا کمال ایک خوبصورت اور کردہ المنظر چیز دونوں کے تیار کرنے میں یکساں طور پر ظاہر ہوتا ہے۔ اگرچہ ثنوی بالوضاحت اس نکتہ نگاہ کو پیش کرتی ہے کہ تمام بے آہنگی، ہم آہنگی کے اچھی طرح نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور تمام ادھوری برائی، عالم گیر نیکی۔ یہ صوفی شاعر اس شہوانی جسم کے خلاف اعلان جہاد کرنا ہے۔ وہ سات دروازوں والے جہنم اور مادرِ اصنام کے بڑے ناموں سے بھارتا ہے۔ انسان اپنی ہی برائیوں کو دیکھ کر دوسروں میں برائیاں گنتا ہے۔ شاعر موصوف نے استادانہ کمال کے ساتھ شہواتِ حیوانی پر بھی لمبی چوڑی بحث کی ہے اور اس موضوع پر ایسی حقیقت نگاری کے ساتھ قمرانی کی ہے کہ اس کے مترجمین عاجز آگئے ہیں۔ بھری اور قدری دلائل کا جواب دیتے ہوئے وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمارے اعمال آسمانی وسائل کے زیر اثر ارادتاً ہماری ذات سے سرزد ہوتے ہیں۔ اور اسی لئے اس کی ذمہ داری خدا پر عائد نہیں ہوتی۔ اگر گنہگاروں کو اس امر کا شعور ہے کہ بڑے کام جبر کے ماتحت ان سے سرزد ہوئے تو وہ اس آسانی کے ساتھ کیوں اس کے تابع ہو گئے۔ اور

پھر بعد ازاں وہ تادم کیوں ہوتے اور اپنے آپ کو مجرم کیوں گردانتے۔

لیکن یہ سوال کا قطعی حل نہیں۔ کامل محبت کے بغیر مکمل آزادی حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ ایسی صورت میں میسر آ سکتی ہے جب انسان اپنے آپ کو اللہ کی رضا پر چھوڑ دے۔ ثنوی کا اخلاقی پہلو اس کے فلسفیانہ مباحث میں بھی نمایاں ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ خدائے واحد کون و مکان کے کل مدارج میں ظاہر ہے۔ یہ طریقہ کار روح کے ارتقاء کے دوران میں مجملًا بیان کیا گیا ہے۔ روح عالمگیر حقیقت کی شکل میں مادی دنیا پر ظاہر ہوتی ہے۔ معدنی، نباتاتی اور حیوانی اقالیم میں سے گزرتی اور انسان کی شکل میں معقولیت کا روپ دھارتی۔ آزمائشی وقت کی تکالیف برداشت کرتی انتقام کی نختیاں جھیلتی، پھر فرشتوں کے طبقات کی طرف صعود کرتی اور اپنے روحانی نشوونما کی تکمیل کے بعد وحدہ لا شریک کا وصال حاصل کرتی ہے۔ جس کا وہ ایک منظر بھی اور آخر کار اس حقیقت کو پہچانتی ہے کہ اس کا زمانہ جدائی دراصل محض ایک خواب و خیال اور بے حقیقت و بے اصل تھا۔

فیقر کہتا ہے کہ یہ ہیں وہ معتقدات متصوفانہ جو ایک یورپین صوفی یا محقق کے مطالعہ کا نتیجہ ہیں۔ اور جن کو کتاب ہذا میں بصورت اقتباسات اس لئے درج کیا گیا ہے تاکہ متکبرین تصوف کو بتایا جاسکے کہ متقدمین اہل علم حضرات خواہ وہ مغربی ہوں یا مشرقی، ایشیائی ہوں یا یورپی سب تصوف کی حقیقت کے مقرر اور اس سے آشنا پائے جاتے ہیں۔ خواہ ان کے نظریات کی مباحث جدا گانہ ہی کیوں نہ ہوں۔ وہ بہترین مغربی دماغ جن کے چھینکنے کو بھی نام نہاد مسلمان اپنی زندگی کے لئے اسوۂ حسنہ سمجھتا ہے۔ اس امر کے قائل ہیں کہ خدا شناسی کا واحد ذریعہ تصوف ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت الی الحق کا صحیح ترجمہ اور ترجمان اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ علم تصوف اور عمل صوفی ہی ہے۔ ہر ایک صوفی کا طریق حصول معرفت خواہ کتنا ہی ایک دوسرے سے مغائر ہو منزل مقصود اور مطمح نظر میں ایک ہی ہے۔ جس کو اختیار کے بغیر اپنے آپ کو اسلامی تعلیم اور قرآنی علوم کا حامل سمجھنا ایک کھلا ہوا فریب نفس ہے۔ کیونکہ تقویٰ و عرفان کی صحیح صورت عمل تصوف ہی پیش کرتا ہے۔ سنتہ اللہ کے مطابق ہر کتاب سماوی کے ساتھ ایک عملی نمونہ اس امر کی بین دلیل ہے کہ کتب کے اوراق الفاظ کے ذخیرہ میں کسی نہ کسی مطلب و کیفیت کے حامل تو ہو سکتے ہیں مگر عمل کے بغیر وہ کسی دوسرے کے لئے موجب ہدایت نہیں بن سکتے۔ علم سفینہ اور ہے اور علم سینہ اور۔ کیا دربار رسالت میں فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عرض کرنا، کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی جان سے حضور کو عزیز سمجھنے میں چکچاہٹ پاتا ہوں

سرکار انبیاء علیہم السلام کے اس ارشاد کا جواب نہ تھا۔ جو حضور علیہ السلام نے تمام صحابہ کی مجلس میں فرمایا۔ کہ تم میں سے کوئی
 پچاموں نہیں ہو سکتا۔ جب تک میں اس کو اولاد، مال، باپ، عزیز و اقارب اور تمام دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔
 پھر اس انکار پر جو فاروق اعظمؓ سے سرزد ہوا حضورؐ نے ایک باطنی توجہ سے قلبِ عمر رضی اللہ عنہ پر نگاہِ مرشدانہ ڈالی
 جس کا اثر یہ ہوا کہ عمر رضی اللہ عنہ فوراً پکار لٹھے کہ میں حضورؐ کو بیان سے بھی عزیز تر سمجھتا ہوں۔ اور اس واقعہ کا حال صاحبِ
 بخاری رضی اللہ عنہ نے درج کر کے ثابت کر دیا ہے کہ بخاری کے اوراق میں یہ ارشاد تو موجود ہے مگر وہ نورِ نبوت موجود
 نہیں جو سینہٴ نبوت سے اٹھ کر قلبِ عمر رضی اللہ عنہ پر گرا اور ہمیشہ کے لئے اس کو منور کر گیا۔ اس لئے یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ
 یہی انتقالِ نور دوسرے معنوں میں حقیقتِ تصوف ہے۔ اور ہر تماشائی اوراقِ بخاری سے اس قصہ کو تو پاسکتا ہے۔ مگر وہ نور
 نہیں پاسکتا۔ جو سینہٴ اطہر نبویؐ سے اٹھا اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دل پر بقیِ خاطر بن کر گرا۔ بلاشبہ اسکے حصول
 کے لئے کسی نورانی سینہ ہی کی تلاش کی ضرورت ہوگی ۛ



غیر اسلامی اور اسلامی تصوف

فی زمانہ بہت سے مہیاں عالمین بالتصوف اور نام نہاد جماعتیں صوفیوں کے سادہ رویوں اور انکی جو گمان مشرب کی کتب و طریق کار سے ایک ایسے تصوف کی بنیاد ڈالی ہے۔ جو قطعی طور پر اسلامی تصوف کے پائے کا حقہ نہیں کیونکہ اس میں تعلیم تو ہے بزرگان دین کی اور عملی رنگ ہے جو گمان ہند اور راہبان یورپ کا۔ ان وندو اور نماز سے بھاگے ہوئے درویشوں نے عز و جاہ کی طلب میں دیگر مذاہب کی طرح تعلیم تصوف اسلامی کے بھی دو ٹکڑے کر دیے ہیں۔ ایک ظاہری اور ایک باطنی۔ حالانکہ اسلامی تعلیم میں ایسی کوئی تفریق نہیں ملتی جس سے کوئی خاص طبقہ باقی ملت اسلامیہ کے افراد سے کٹ کر علیحدہ ہو گیا ہو۔ اور نہ ہی یہ بات عقل و نقل کے معیار پر پوری اترتی ہے۔ جس سے یہ معلوم ہو جائے کہ اسلام جیسے عالمگیر اور انصاف و مساوات پرورد مذہب نے اپنے مسائل کی تفسیر ایسے دو طریقوں سے کی ہو۔ کہ ان میں سے ایک پر صرف ظاہر پرستوں کا قبضہ ہو۔ اور دوسرے پر باطن پرست عمل کریں۔ جہاں تعلیم ایک ہو بعلم ایک ہو وہاں اس تفریق خیالی کا کیا مطلب۔ البتہ عمل و عشق کو الٹ سے مدارج میں فرق ہو جاتا ہے۔ جو جماعتی تفریق اور اختلاف راہ کا باعث نہیں ہو سکتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تقسیم ان جہاں فقیروں کی بے علمی و عملی کمزوری کا نتیجہ ہے جو اسلامی تصوف سے ناواقف ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حصول اعزاز و امتیاز کے واسطے ان غیر مسلم مقتدایان مذاہب کا یہ طریق محض ایک خود ساختہ حیلہ تھا کہ جو عوام کے لئے علوم ظاہری اور اپنے لئے ایک حلقہ باطنی قائم کر لیتے۔ اور اس اندرونی حلقہ میں اپنے حسب منشاء جیسے چاہتے داخل کرتے اور حسب کو چاہتے نہ کرتے۔ چنانچہ ہندومت کے برہمنوں میں اس درجہ تک پہنچنے کے لئے مسلسل چالیس سال کی ریاضت و اطاعت اور بے چون و چرا فرمانبرداری کی ضرورت تھی۔ اور اس کے بعد بھی شربس کی عمر سے پہلے کوئی شخص اس حلقہ تقدس میں نہیں لیا جاتا تھا۔ علاوہ ازیں یہ شرب بھی صرف برہمن ہی کو حاصل ہوتا تھا۔ کسی دوسری ذات کے آدمی کو کیا مجال کہ وہ اس کا نام تک بھی لے سکے۔ بلکہ بڑے بڑے خاندانی اور اچھے اچھے شریف لوگوں

کے لئے جو بہمن جاتی سے نہ ہوں۔ اس تعلیم کا ایک لفظ بھی سن لینا حرام اور موت پا لینے کے مترادف ہوتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ان کے اسرار سے عام طور پر سب لوگ ناواقف اور بالکل بے خبر رہتے تھے۔ ایسے ہی بناوٹی حیلوں سے ان کا اور عیسائی رابہ طبقہ کا اقتدار و اختیار ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں اتنے عرصہ دراز تک قائم رہا۔ کہ مصر قدیم سے لے کر یورپ کے قرون مظلمہ تک ان کا درجہ بادشاہوں سے بھی بڑھا رہا۔ مگر آفتاب عالم تاب اسلام کی زندگی بخش شعاعیں چونکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ ہر خورد و کلاں ہر خاص و عام پر یکساں نور افشاں ہوتی ہیں۔ اس لئے اس نے اس قسم کی تفریق و تخصیص کا موقعہ ہی نہیں دیا۔ کہ کوئی طبقہ تعلق الہی میں اپنی خصوصیت بیان کر کے عوام کے سامنے اپنے تقدس کا ایسا رعب جما سکے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ دماغی اور اخلاقی ترقیوں کی طرح روحانی ترقی کا انحصار بھی صرف اُن کی ہی ذاتی کمزوری پر منحصر ہے۔ یہ تمام مذاہب کا مشترکہ عقیدہ اور عام انسانوں کا تجربہ و مشاہدہ ہے۔ کہ ریاضت اور نفس کشی سے روح قویٰ اور تروتازہ ہوتی ہے۔ اور مادی خواہشات و علاقہ دہی میں انہماک سے یہ طاقت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء و اولیاء کے علوم و ادراکات اور مقامات عقول متوسطہ کے مرتبہ سے بالاتر ہوتے ہیں۔ کیونکہ جو خیر انسان میں علوم اور ادراکات کرنے والی اور عالم قدس و عالم سعادت تک پہنچانے والی ہے۔ وہ ایک لطیف چیز ہے۔ جس کو روح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس جب علم و سعادت اور قرب الہی حاصل ہونے کا منبع وہی لطیف چیز روح ٹھہرتی ہے۔ تو جس قدر جسم کی کثافت کو بذریعہ مجاہدات و ریاضیات کے زائل کیا جائے گا اسی قدر روح کی لطافت میں ترقی ہوگی اور علوم و ادراکات میں یقیناً وسعت پیدا ہوتی جائے گی۔ اور روحانی ترقی و سعادت کی راہیں کھلتی جائیں گی۔ چنانچہ شیخ بوعلی سینا لکھتے ہیں :-

خدا کی معرفت رکھنے والے پاک بندے جس وقت ان سے جسمانی تعلق کا بار ہلکا کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ دنیاوی مشاغل سے علوہ ہو جاتے ہیں۔ تو انکی توجہ خاص طور پر عالم قدس اور عالم سعادت کی طرف مبذول ہو جاتی ہے اور وہ اعلیٰ درجہ کے کمال کے ساتھ موصوف اور بڑے لذت اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ اور یہ نہیں کہ جب روح بدن میں ہو تو وہ اس لذت سے بالکل محروم ہیں۔ بلکہ ایسے لوگ جو خدا کی عظمت و جبروت کی فکر میں ڈوبے ہوئے اول

جسمی مشغلوں سے اعراض کرنے والے ہیں۔ وہ ان اجسام میں رہ کر بھی اس لذت سے اتنا ہی حصہ پالیتے ہیں۔ جو ان پر غالب آکر ان کو تمام اشیاء سے فارغ کر دیتا ہے۔
دانش نامہ علانی

چونکہ ریاضت اور نفس کشی سے روح کا قوی ہونا اور معرفت الہی کا حاصل ہونا ایک سلمہ امر اور ایک یقینی حقیقت ہے۔ بشرطیکہ رحمت الہی و شگیری فرمائے اور تعلیم نبوت کے ماتحت رہنمائی صحیح ہو۔ اسلئے بڑے بڑے ادیان عالم میں عام اخلاقی تعلیم اور معمولی عبادات کے علاوہ خواص کو حصول معرفت الہی کے لئے سخت مجاہدات و ریاضات کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ چنانچہ ہندوؤں میں جوگ، عیسائیوں میں رہبانیت اور مسلمانوں میں تصوف اسی غرض کے لئے پیدا ہوئے اور اس نعمت عرفان کے حاصل کرنے کے لئے مقتدایان مذاہب اور عارفان الہی نے ایسی ایسی ریاضات شاقہ برداشت کیں۔ جو آج کل کے عقول ناقصہ کے نزدیک ناممکن العمل ہیں۔ انہوں نے جسم کے دبائے اور کمزور کرنے کے دو طریقے نکالے جن کو سن کر تعجب ہوتا ہے۔

گھربار اور اہل دعیال سے علیحدہ ہوئے، کھانے، پینے، پہننے اور دیگر عیش و راحت پر لات مار دی۔ تجرد و تنہائی اختیار کی۔ برسوں تک (بوت) روزے رکھے۔ پتے کھینچے۔ ہاتھ اٹھایا تو خشک کر دیا۔ ایک پاؤں پر دت الہمر کھڑے رہے تو اسے سُن کر دیا۔ جس آسن پر بیٹھے برسوں پہلو نہ بدلا۔ یہاں تک کہ جس دم کی مشق بچائی تو مہینوں سانس لینا بند کر دیا۔ اور یہ سب جانکاہ ریاضتیں محض اس لئے اختیار کی گئیں۔ کہ کسی طرح پیدا کرنے والے سے شناسائی ہو جائے۔ اور معبود حقیقی مل جائے۔ اس سے دائمی تعلق پیدا ہو۔ اور محبت عشق الہی کے تمام حقوق پورے ہو جائیں مگر جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ باوجود اس بھاگ دوڑ، محنت شاقہ اور جدوجہد کے بھی ویدانت اور عیسائیت کا یہ طریق کار اپنے اپنے پیروؤں کو اس روحانی ترقی و بہبودی کی منزل سے روشناس نہیں کرا سکا۔ جس کے وہ متلاشی تھے۔ اور خدا کے عشق میں پاکیزہ ہندو مہنتوں اور متراض عیسائی راہبوں کی ریاضات شاقہ یونہی ایک مقدس شغل بن کر رہ گئیں۔ اور ان کی روحوں کو جس چیز کی تلاش و جستجو تھی۔ اس سے نا آشنا اور دور ہی رہیں۔ تو سخت حیرت ہوتی ہے یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ ان کی ریاضتیں بالکل بے فائدہ چلی گئیں۔ آخر ان کی روحانی طاقت میں کچھ نہ کچھ ترقی تو ضرور ہوئی ہوگی اور ممکن ہے کہ قدیم ہندوستان کے جو گیوں کے جو حیرت انگیز قصے مشہور ہیں۔ ان میں بہت کچھ واقعیت اور صداقت

بھی پانی جاتی ہو۔ اور وہ سب روحانیت ہی کے کشتے ہوں۔ مگر اس میں شک نہیں کہ ان لوگوں نے اپنے مقصد حیات کو نہیں پہچانا اور نہ ہی صحیح معنوں میں معرفت الہی کے بلند و بالا مقام کو حاصل کیا۔ اور نہ ان کے دھور ان کی تعلیمات اور ان کے ان اعمال و افعال سے اپنا نئے جنس کو کوئی حقیقی فائدہ پہنچا۔ بلکہ بعض حالات میں ان کی بعض ہستیاں نظام عالم کے لئے مزید پرانگندگی کا باعث بنیں۔ اور قوانین قدرت کی زنجیروں کو توڑ کر آئندہ نسلوں کے سامنے اخلاقی و روحانی تہذیب کا ایک ناممکن اہل اور خلافت قانون دستور عمل چھوڑ گئیں۔

جوگ اور رہبانیت کا نقص | ہندوؤں کے جوگ اور عیسائیوں کی رہبانیت کا مرکزی اصول علی العہوم ترک دنیا اور ترک لذات نفسانیہ ہے۔ جو حقیقتاً قانون قدرت اور منشاء فطرت کے

سراسر خلاف ہے۔ اگر خدا کی خوشنودی اس میں ہے کہ ہم دنیا سے کنارہ کش ہو کر اپنے وجود کو تباہ و فنا کر دیں۔ تو یہ خدا کی تخلیق پر سخت ترین الزام اور نہایت بدنامی ہے۔ کیونکہ اس ترک لذات سے ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ انسان کا اگر یہی فرض تھا کہ وہ اپنی ہستی کو اپنے پیدا ہونے کے بعد بغیر دنیا سے منفعت حاصل کئے کے فوراً تباہ و برباد کر دے تو خالق نے دنیا کو پیدا ہی کیوں فرمایا اور انسان کو اس میں بھیجا ہی کیوں۔ پھر اس کا مفہوم یہ ہوا۔ کہ سہ درمیان قبر دریا تختہ بندم کر دوں۔

دریا میں ڈالنا اور کپڑے نہ بھیجنے کی تاکید کرنا، پانی گرانے کی اجازت بخشنا اور زمین گیلی نہ ہونے پائے کی ہدایت کرنا۔ یا آفتاب کو طلوع کی توفیق دے کر ساتھ ہی دھوپ کو بند کرنے کی تلقین کرنا۔ نعوذ باللہ گویا قدرت کو بیوقوف بتانا ہے۔

خالق الکل نے انسانی تخلیق اور اس معمورہ دنیا کی پیدائش عبث نہیں فرمائی۔ جو نہ خود کسی کے کام آسکے اور نہ کوئی اس کے کام آسکے۔ جیسا کہ ہندو جوگیوں اور عیسائی راہبوں کے وجود سے نہ دوسروں کو کوئی فائدہ پہنچا۔ اور نہ خود انکو دوسروں سے کوئی نفع۔ ان کی ریاضتوں کی دشواری اصول فطرت سے سخت ترین مخالفت و منازعت رکھتی تھی۔ اور ان کی عمومیت میں سب سے بڑی سدا رہ بھی تھی۔ جس پر عوام طبقے کے محدود زندگی گزارنے والے لوگ کبھی گامزن نہیں ہو سکتے تھے۔

کیونکہ نجات و معرفت کے حصول کے لئے قویٰ کو معدوم کر دینا ایک انتہائی لغویت ہے۔ حکیم و بصیر خدا نے

ان کو مصلح زندگی کے لحاظ سے پیدا فرمایا ہے۔ اگر ان کا استیصال ہو جائے تو انسان کی عملی زندگی یکسر ختم ہو جائے پھر تقرب الی اللہ کیسا اور معرفت الہی کیسی۔ بعض اوقات اہل فریب میں بچپن کہ جن لوگوں نے رہبانیت اختیار کی وہ بھی اپنے آپ کو دنیا کی آلودگی اور سیاہ کاری سے بالکل محفوظ نہیں رکھ سکے۔ بلکہ ان کی شہوانی طاقتوں نے عوام الناس سے زیادہ گل کھلائے۔ اور بہمیت کا حیوانوں سے بھی زیادہ مظاہرہ کیا۔ چنانچہ اب تک جہاں کہیں بھی یورپ کا کوئی قدیم کتبہ یا صومعہ کسی درجہ سے مہدم ہو جائے تو صد ہا معصوم بچوں کی ہڈیاں زمین سے نکل کر ان کی سفاکی، بد باطنی سیاہ کاری اور معصیت شعاری کا اعلان کرتی ہیں۔

اور یہی حال ہندوؤں کی مہنت نما اور سادھو گو مقدس دنیا کا ہے جن کے کردار سے واقف ہو کر اسلام نے آج سے کئی سو سال قبل اسی ایک گندی حقیقت اور پوشیدہ معصیت کا پردہ اٹھایا تھا۔ مسیحیت کی روحانی تعلیم کی شکست اس سے زیادہ اور کیا ہوگی۔ کہ روم کے ایک صومعہ کا تالاب جب پوپ گرگوری کے حکم سے صاف کیا گیا۔ تو اس میں سے کئی ہزار معصوم بچوں کی کھوپڑیاں نکلیں۔ آسٹریا کی ایک خانقاہ دوشیزگان کی بنیادوں نے بھی یہی مہیب منظر دکھایا جس سے ان ترک دنیا کا وعظ کہنے والوں کی پاکبازی اور عصمت شعاری کا پتہ چلتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کی یہ ترک دنیا کی حکمتیں اور گوشہ نشینی کی نام نہاد ریاضتیں ان کو کہاں سے کہاں لے گئیں۔

اس بحث سے یہ نتیجہ اخذ کرنے کی ضرورت نہیں کہ تمام تارک الدنیا لوگوں کا یہی حال تھا۔ بلکہ بہت سے پاکباز انسان صحیح معنوں میں ان بدستیوں سے دور رہے اور انہوں نے اپنے آپ کو ان سیاہ کاریوں سے بالکل محفوظ رکھا۔ مگر وائے افسوس کہ ان کی یہ جانکاہیاں اور نفس کشیاں کسی طرح بھی نمونہ بن کر عوام کے لئے مفید اور نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکیں۔

اہم برسر مطلب یہ تھا کہ غیر اسلامی تصوف کا مختصر سا خاکہ۔ اب اسلامی تصوف کی ایک جھلک بھی دیکھ لیجئے جس سے حق اور باطل باطل معلوم ہو جائے۔ چنانچہ مسلمانوں میں خدا شناسی اور وصول الی اللہ کے جو چار طریقے مشہور اور معمول بہا ہیں وہ اپنے منبع اور ماخذ کے لحاظ سے اسلامی تصوف کا صحیح نقشہ ہیں۔ اور ان کی حیثیت بھی وہی ہے۔ جو فقہ میں چاروں آئمہ رحمہم اللہ کی ہے۔ مگر افسوس کہ نااہلوں نے اس کے بھی دو ٹکڑے کر

دئے۔ ایک وہ جس کی تعلیم ہم کو مادی برحق سرکار نبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور جس پر حضرات خلفاء اربعہ اور صوفیائے عظام نے عمل فرمایا۔ اور دوسرا وہ کہ آنحضرتؐ کے فرمودہ اور صوفیائے کرام کے معمولہ تصوف کی جگہ رہبانیت اور ہندوانہ طریق کار و صحرائشینی نے لے لی۔ اور یہ بتایا کہ تصوف ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ انسان کی ہستی کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ دنیا گزشتنی اور گزشتنی ہے۔ اور اس کا لگاؤ خدا شناسی کے میدان میں حجابِ اکبر ہے۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

حالانکہ اس کے برخلاف اسلامی تصوف ہمیں بتاتا ہے۔ کہ ہم دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے بے پرواہ رہیں۔ قلب کو صاف رکھیں۔ نفس اور اس کی خواہشات پر غلبہ حاصل کریں۔ اپنے جسم کی ظاہری و باطنی قوی کو خدائے قدوس کے سپرد کر دیں اور اس سے شناسائی پیدا کر لیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بھلا وہ مذہب جو یہ بتائے کہ خداوند تعالیٰ تمہاری شاہر سے بھی قریب تر ہے۔ تم دنیا میں خلیفہ اور نائب حق بنا کر بھیجے گئے ہو۔ تمہارے ہی لئے یہ کائنات پیدا فرمائی گئی ہے، یہ کارخانہ عالم بیکار و عبت پیدا نہیں فرمایا گیا، زمین و آسمان کی چیریں تمہارے ہی لئے مسخر ہیں۔ تمہاری خود شناسی خدا شناسی کا ذریعہ ہے۔ وہ مذہب اس امر کی اجازت کب دے سکتا ہے کہ انسان اپنے آپ کو بے حقیقت اور ذلیل سمجھے۔ خصوصاً ایسے حال میں جب خدائے قدوس و برتر نے اس کی فضیلت و شرافت پر فہمیں کھاکھا کر حقیقی شرف و مجد سے نوازا ہو۔ اور تمام کائنات سے تاجِ تکویم کا مستحق ٹھہرایا ہو۔

ان واضح امور کی روشنی میں ہر شخص بادی تا تل معلوم کر سکتا ہے کہ انسانی پیدائش کا منشا کیا ہے۔ آیا لذائذ دنیا سے الگ تھلگ ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی گزارنا یا بایں ہمہ اپنے آپ کو ملوث نہ کرتے ہوئے اس کی معرفت کے میدان میں گامزن ہونا۔ اگر انسان دنیا کو محض بے حقیقت اور اپنی ہستی کو دوسرے کے برابر سمجھ کر اس معمولہ دنیا میں زندگی گزارے۔ تو یقیناً وہ اپنے مقصدِ تخلیق کو پورا نہیں کر سکتا۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ خود فراموشی فنا ہے اور خود شناسی بقا۔ اگر انسان کو خود شناسی کا جوہر حاصل ہو جائے تو وہ تمام جہان کو درہم برہم کر سکتا ہے۔ دنیوی حلائق کو تو کر زندگی کی کشمکش سے کنارہ کش ہو جانا۔ اور گوشہ نشینی اختیار کر کے گناہوں سے بچنے کا تہیہ کر لینا کوئی جو انمردی اور کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ دنیوی تعلقات پر قائم رہتے ہوئے آگے بڑھے۔ اور حقوقِ عبدیت

ادا کرے۔ شعر

ہر کہ بر خود نیست فرماش زوال
مے شود فرماں پذیر از دیگران

یعنی جو شخص اپنے پیکرِ خاکی پر حکمران نہیں ہوتا وہ دوسروں کا محتاج و محکوم اور فرمان پذیر ہو جاتا ہے۔ اور اگر اس کو پوری طرح ضبطِ نفس کی قدرت حاصل ہو جائے۔ تو اس کا دل یا درِ خدا سے متور اور تجلیاتِ الہی سے مزین ہو جاتا ہے اس کے دل پر عجیب ترین کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ جو عالمِ جذبات کی یزنگیاں اور نشاءِ ملکیت کی رنگ آفرینیاں ایک ایسی شانِ ادائی و دلربائی کا متحرک منظر و محسوس پیکر پیش کرتی ہیں جس کا اولیٰ نظارہ عقل و فکر کی نگاہ کو خیرہ اور فہم و ادراک انسانی کی نظر کو تیرہ کر دیتا ہے۔ پھر اگر کوئی شخص حقیقت و معرفت کی عینک لگا کر اسکی تابشِ کمال و درخشندگی جمال کا نظارہ کرے تو اس کی آنکھ کو وہ انوار بن کر اسکو آفتابِ حقیقت کے مقابل کر دیتی ہے۔ مشاہدہ یکتائی کا پیکرِ عالمِ مثال کی ہمیشائی کا مجسمہ پیش کرتا ہے۔ عالمِ سفلی و جہانِ مادی کا ذرہ خاک سیارگانِ اجرامِ علوی پر چشمِ نمائی کرتا نظر آتا ہے۔ اور عرشِ تجلیاتِ فرشِ ظلمات کی طرف جھکتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ پھر اگر وہ لوگوں سے متعلق رہ کر دنیا کے کام سرانجام دیتا ہے مگر کوئی کام اسکی اپنی مرضی اور خواہشِ نفس کا نہیں ہوتا۔ کیونکہ اب وہ اس جہان میں نائبِ حق ہے۔ جس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ جس کی زبان خدا کی زبان جس کی آنکھ خدا کی آنکھ اور جس کا ہر قول و فعل خدا کا قول و فعل ہو جاتا ہے۔ کاش کہ آج اسلام کے نام نہاد فدائی اس حقیقتِ اعلیٰ کو سمجھتے اور یوں ذلیل و خوار نہ ہوتے۔ ان کے زوال و انحطاط کا واحد علاج اتباعِ تصوف میں ہے۔ یہ اگر خدا کے ہو جائیں تو وہ دنیا کی نعمتیں جن کو یہ ایمانِ فروشی کر کے مشرکین کے دستِ خوان سے حاصل کرنا چاہتے ہیں خود بخود ان کے قدم چومیں۔ تصوف کا عامل ہونا ہی ان کی تمام پستیوں اور کمزوریوں کو دور کر سکتا ہے۔ اور وہ بھول بھول عالمِ روحانیت سے متصل ہوتے جائیں گے تو توں ان کے قلوب پاکیزہ، ان کے نفوس مقدس اور ان کی قوتیں سحرانہ انداز سے موثر و عالمگیر ہوتی جائیں گی۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی محبت و عقیدت کو حد سے زیادہ دل میں جگہ دی جائے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھا جائے۔ مسلمان بزرگوں اور مشائخین کے مزارات سے مشرت ہو جائے۔ جس وقت دل بہ طرے سے پاک اور فارغ ہو ان کے مزارات پر بیٹھ کر ان کی روحانیت کی جانب توجہ کی جائے۔ اور اسکی حقیقت کو اپنے مرشد کی صورت میں تصور کر کے فیضیاب اور برکات کا حامل ہو جائے اور اپنے مرشد کے حکم و ادب کو ہر حالت میں اللہ تعالیٰ جل شانہ اور اس کے برگزیدہ رسول علیہ السلام کے حکم و ادب کی حقیقت سمجھا جائے۔ بشرطیکہ حالاتِ شرعیہ نہ ہو۔ عقائد میں فرقہ ناجیہ حقہ اہلسنت والجماعت کا پیرو ہو کر

کتاب و سنت اور آثار صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا اتباع کیا جائے۔ نفس کے رذائل سے تزکیہ و تخلیہ کر کے تقویٰ و پرہیزگاری کو شعار بنایا جائے۔ ادا مرا اور نواہی کے ادا کرنے کے بعد باطن کی مشغولیت کو فرض دائمی یقین کیا جائے اور قبض و بسط کی حالتوں میں تذکار و اشتغال سے منہ نہ موڑا جائے۔ متلون مزاجی سے دور ہو کر دل سے من کل الوجہ خواہشات پر نتاہ دارد کی جائے۔ اور وہ دل جو انوار الہی کا گنجینہ و آئینہ بن چکا ہو۔ اس میں غیر اللہ کو نہ دیکھا جائے اور تمام جہان سے بے خوف و بے طمع ہوا جائے۔ پھر دیکھئے کہ کس طرح یہ بندہ خدا کا اور خدا اس کا نہیں ہو جاتا کسی شاعر نے کیا مزے کی بات کی ہے۔ شعر

میری خود بینی نے ڈالا تھا ترے رخ پر نقاب
میں ہی خود جب نہ رہا، تو تو نظر آ یا مجھے



تصوف اور صوفی

کون نہیں جانتا کہ مسلمان کے لئے متابعت سنت اور ترک بدعت ہی دین و دنیا کی تمام بھلائیوں اور خوبیوں کی جڑ اور انحضرت محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حسنہ ہی مرکز حیات اور ایمان و عرفان کا سرچشمہ و مشعل راہ ہے۔ مسلمان متقدمین و متاخرین نے امت محمدیہ میں سے جو کچھ بھی اذروئے مدارج و مراتب پایا ہے۔ صرف اتباع رسول علیہ السلام ہی سے پایا ہے۔ صدیقیت، امامت، خلافت، فردیت، امارت، شہادت، خویشیت، قطبیت، ولایت اور ابدالیت سب کچھ اتباع رسول مقبول علیہ السلام ہی کا نتیجہ و ثمرہ ہیں۔ جو شخص صحیح معنوں میں تتبع رسول نہیں وہ ہزار ولایت کے دھوے کرے اور کرامات کی ڈینگیں مارے، ہوا پر پرواز کر کے دکھائے اس کا ولی ہونا تو دوکنار اس کی مسلمانی میں بھی شبہ کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ شعر

خلاف پیمبر کسے را گزید ہرگز خواہد بمنزل رسید

اگر تم کسی کی ولایت کو پرکھنا چاہتے ہو تو سب سے پہلے یہ دیکھو کہ وہ تتبع رسول انام علیہ السلام ہے یا نہیں، کیونکہ سنت اور اسلامی تصوف ہی فقر اور فقیر کی اساس ہیں۔ فی زمانہ بعض منومین الی التصوف میں یہ مرض عام ہو گیا ہے کہ ان کے نزدیک بدعت اور سنت کا فرق ہی لاشے ہے۔ اور ان کا مذاق یہ ہے کہ ایسے امور میں نزاع و اختلاف حقیقت ناشناسی سے ہے۔ سب کو تو وسیع خیالی سے کام لینا چاہئے۔ اور اس وسعت خیالی کے ماتحت اس گروہ نے اصطلاحات صوفیہ کا ایک جداگانہ فن بنا رکھا ہے۔ اور ایسی بے شمار لغو اصطلاحیں، بے معنی محاورے اور لعبیداز قیال عبارات و جملے وضع کر لئے ہیں۔ جو صراطِ مستقیم سے دور کا بھی تعلق نہیں رکھتے۔ اور وہ نہیں سمجھتے کہ یہ وسعت خیالی عوام کے لئے زہر۔ اہل حق کے لئے دشمنی اور متوسطین کو سنت کے خلاف نفرت کی آمادگی ہے۔ ایسے غالی متصوفین نے بدعت کو سنن و فرائض سے بڑھ کر جزو ایمان اور محبت خدا و رسول خدا کا نشان بنا رکھا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ لوگ تصوف و صوفی کی حقیقت سے نا آشنا ہیں۔ یا حقیقی صوفیاء کے دستور العمل پر چلنے سے ان کے نفوس بھٹک گئے ہیں

جیسا کہ حضرت سیدنا غوث الثقلین شیخ عبدالقادر بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ طرفہ درویشیاں پیدا شدہ
کہ راہ سنت و جماعت نے شناسند و عمر عزیز در منکرات و مسکرات میگذرانند و در خرابات شستن
و حرام خوردن حاصل زندگانی مے داند و خود را موحد و موصل میگویند۔ یعنی عجیب ترین درویش پیدا ہوئے ہیں
کہ سچا راستہ اور حقہ عقیدہ اہل سنت و الجماعت کو نہیں پہچانتے۔ اور اپنی تمام پاری عمر ربی اور شبلی پیروں کی عادت و
استعمال میں گزار دیتے ہیں۔ چنڈ و خانوں اور میکدوں میں بیٹھنا اور لمو و لعب میں وقت کا ضائع کرنا اپنی زندگی کا حاصل
سمجھتے ہیں۔ اور پھر اپنے آپ کو توحید پرست اور واصل باللہ بزرگوں سے شمار کرتے ہیں۔ اگر یہ تصوف اور صوفیاء کی
حقیقت سے آشنا ہوتے تو یوں اپنے جہل و اہام سے غلو کو کام میں نہ لاتے اور اتباع سنت میں مستقیم رہتے۔
تصوف کیا ہے اور صوفی کون ہے؟ ارشاد دات فرماتے ہیں۔ اور اپنے اپنے خیالات کے مطابق

اظہار رائے کیا ہے۔ جن میں ہر ایک سے ایسی ایسی تعریف درج کتب پائی گئی ہے۔ جو تصوف کے صحیح مفہوم پر
حاوی اور اس کے مطالب پر عام فہم بھی ہے۔ مثلاً حضرت ابو عبد اللہ حضری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ صوفی وہ لوگ
ہیں۔ دجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ۔ کہ جن باتوں کا خدا سے عہد کر چکے ہیں سچ کر دکھاتے ہیں۔ ان
کے دل ہوا اور غیر کے اندیشہ سے خالی ہوتے ہیں۔

حضرت احمد بن سالم لہری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ صوفی وہ ہے جو زبان میں نرم، حسن اخلاق میں بلند
خندہ پیشانی، نفس کا سخی، عذر قبول کرنے والا اور اعتراض کم کرنے والا ہو۔ حضرت ابو بکر کسائیؒ فرماتے ہیں۔ صوفی
وہ ہے جو بہت باتیں کہنے اور مقبول ہونے کی طلب سے پرہیز کرے۔

(۲) حضرت ابو بکر مزملیؒ فرماتے ہیں التصوف حال یضوہل فیہا معالہ الانسانیت۔ یعنی تصوف ایک
حال ہے۔ جس میں انسانی آثار جاتے رہتے ہیں۔

(۵) حضرت واسطیؒ فرماتے ہیں۔ کہ جو شخص توحید کے مرتبہ تک نہیں پہنچا دراصل اس کا وجود خدا کے وجود میں فانی
ہے۔ لیکن وہ جانتا نہیں۔ پھر اس فنا کا پالینا تصوف ہے۔

حضرت ابن ابی سعدانؒ فرماتے ہیں۔ الصوفی ہوا الخارج عن النعوت والترسوم۔ یعنی صوفی وہ ہے جو

احوال و آثار کی تاثیر و تصرف سے نکل گیا ہو۔

- (۷) حضرت ابوسعید اعرابیؓ فرماتے ہیں۔ کہ التَّصَوُّفُ كُلُّهُ تَرْكُ الْقُضُولِ۔ تصوف تمام نفسیاتی کے ترک کرنے اور پاکیزگی کا نام ہے۔
- (۸) حضرت بند ابن حسینؓ فرماتے ہیں کہ تصوف عہد پر وفا کرنا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو بات دل میں گزرتے اس کیلئے کرے تو وہی کرے۔
- (۹) حضرت ابوالحسن مصریؓ فرماتے ہیں۔ الصُّوفِيُّ لَا يَنْزِعُ عِجْ فِي اَنْزِعَاجِهِ وَلَا يَقِفُ فِي ثَرَارِهِ۔ یعنی صوفی اپنے اندر طرب میں بقیاری نہیں کرتا اور اپنے قرار میں قرار نہیں پکڑتا۔ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں۔ الصُّوفِيُّ الَّذِي لَا يُوجَدُ بَعْدَ عَدَمِهِ عِنْدَ مَبْدَ وَلَا يَعْدِمُ بَعْدَ وُجُودِهِ یعنی صوفی وہ ہے کہ عدم کے معدوم ہونے پر موجود نہیں ہوتا۔ اور وجود کے بعد معدوم نہیں ہوتا۔

- (۱۰) حضرت ابن خفیف شیرازیؒ فرماتے ہیں۔ کہ التَّصَوُّفُ رُجُودُ اللّٰهِ فِي حَيْثُ الْغَفْلَةِ۔ یعنی خدا کا وجود غفلت کے وقت میں ہو یہ تصوف ہے۔ یعنی لوگوں کی غفلت کے اوقات مثل کھانے پینے وغیرہ میں خدا کی یاد۔
- (۱۱) حضرت شیخ ابوالحسنؒ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے سرکارِ مدینہ تاجدارِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ تو عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصوف کیا شے ہے؟ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ التَّصَوُّفُ تَرْكُ الدَّعَاوِي وَكُتْمَانِ الْمَعَارِفِ۔ یعنی تصوف دعویٰ کو ترک کر دینے اور مطالب کو چھپانے کا نام ہے۔
- (۱۲) حضرت ابو عبد اللہ رودباریؒ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ تَرْكُ التَّكَلُّفِ وَاشْتِغَالِ التَّطَرُّفِ وَخِلَافِ النَّشْرِ۔ یعنی تصوف تکلف کو چھوڑنے اور پاکیزگی کا برتاؤ کرنے اور بڑائی کے دور کرنے کا نام ہے۔
- (۱۳) حضرت ابوالقاسم مرقیؒ فرماتے ہیں۔ تصوف یہ ہے کہ تم کم از کم صاحبین کے اپنے اور ان کے مشائخین کے حال کی تصدیق کرو۔

- (۱۴) حضرت ابو محمد راسیؒ فرماتے ہیں۔ لَا يَكُونُ الصُّوفِيُّ صُوفِيًّا حَتَّى لَا تَقْلَهُ اَرْضٌ وَلَا تَطْلُهُ سَمَاءٌ وَلَا يَكُونُ لَهُ قَبُولٌ عِنْدَ الْخَلْقِ۔ يَكُونُ مَرْجِعُهُ فِي كُلِّ اَحْوَالٍ اِلَى الْحَقِّ تَعَالٰی۔ یعنی صوفی اس وقت تک صوفی نہیں بنتا۔ جب تک کہ اس کو نہ زمین اٹھائے اور نہ آسمان سایہ کرے اور لوگوں کے نزدیک اس کی مقبولیت نہ ہو۔ بلکہ اس کا مرجع ہر حال میں حق سبحانہ تعالیٰ کی طرف ہی ہو۔

- (۱۵) حضرت ابوالحسن سیردانیؒ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ تَرْكُ الْخَلْقِ وَافْرَاقُ الْهَمَّةِ۔ یعنی تصوف خلقت

کے ترک اور بہت کی زیادتی کا نام ہے۔

(۱۶) حضرت شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ مَعَ الْوَارِثَاتِ لَا مَعَ الْأَوْرَادِ۔ یعنی صوفیاء و اواردات کے ساتھ ہوتے ہیں و طیفوں کے ساتھ نہیں سمیتے۔ صوفی مقامات و حالات سے گزر چکا ہوتا ہے۔ وہ سب اس کے زیر قدم اور اس کے حال میں جمع ہوتے ہیں۔

(۱۷) حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔ التَّصَوُّفُ هُوَ الْخُلُقُ مَنْ زَادَ عَلَيْكَ بِاَلْخُلُقِ زَادَ عَلَيْكَ بِاَلتَّصَوُّفِ یعنی تصوف خلق ہی کا نام ہے جس کا خلق بڑھ کر ہے وہ تصوف میں بڑھ کر ہے۔
(۱۸) حضرت ابو القاسم امام محمد قشیریؒ فرماتے ہیں۔ مَثَلُ الصُّوفِيِّ كَمَثَلِ الْبُرْسَامِ اَوَّلُهُ بَرْيَانٌ وَاٰخِرُهُ سَكُونٌ فَاِذَا تَحَكَّكَتْ فَرَسَتْ۔ یعنی صوفی کا حال برسام والے کی طرح ہے شروع اس کا بلواس اور آخر اس کا سکون ہے پس جب قرار پکڑتا ہے۔ تو گونگا ہو جاتا ہے۔

(۱۹) حضرت غوث الاعظمؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ تصوف قلب کو اس کی تمام کمزوریوں سے صاف کرنے کا نام ہے۔ اور صوفی میں یہ کٹھ اوصاف ہو آٹھ انبیاء علیہم السلام سے وابستہ ہیں ضروری پائی جانی چاہئیں تب کہیں صوفی صوفی بنتا ہے۔ ۱۔ فقر سرکارِ دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲۔ سخاوت ابراہیم علیہ السلام سے ۳۔ صوت موسیٰ سے ۴۔ سیاحت عیسیٰ سے ۵۔ صبر ایوبؑ سے ۶۔ تضرع یحییٰؑ سے ۷۔ رضا ائحٰقؑ سے ۸۔ مناجات ذکیاؑ سے۔ اللہ اللہ کیسی عجیب ترین بارکیاں اور کیسے پاکیزہ ترین الفاظ ہیں۔ اگر یہ تصوف کے مدعی اپنی حقیقت کو متقدمین کے آئینہ میں دیکھتے۔ تو ایک دم میں خاک سے برسرِ افلاک پہنچتے۔ اور اپنی کھوئی ہوئی روح حیات حاصل کر لیتے۔ کیونکہ لازم پرہیزگاری و تقویٰ اور اتباع سنت نبوی علیہ السلام ہی ہلاکت سے نجات پانے کا واحد ذریعہ ہے۔ اولو العزم بزرگانِ دین نے فرمایا ہے۔ کہ درویش کو چاہئے کہ پرہیزگاری کو لازم پکڑے ورنہ ہلاکت اس کے گلے سے چھٹی ہوئی ہے۔ اور اس سے کبھی مخلصی نہیں پاسکتا۔ جب تک اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے اس کو نہ ڈھانک لے۔

حدیث شریف میں ہے کہ تحقیق دین کا مدار پرہیزگاری اور تقویٰ پر ہے اور بربادی اس کی طمع سے ہے۔ اور تحقیق جو کوئی پراگاہ کے گرد گھومے گا۔ جلدی ہی اس میں پڑ جائیگا۔ جیسے کہ زراعت کے گرد جو جانور گھومتا ہے۔ ضرور ہی اس کی طرف منہ پھیرتا ہے۔ اور زراعت اس سے سلامت نہیں رہتی۔ حضرت فاروق اعظمؓ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے

فرمایا ہے۔ کہ ہم حرام میں پڑنے کے خوف سے حلال کے بھی نہ جھٹھتے چھوڑ دیتے تھے۔ اور یہ کام حرام کی نزدیکی سے پرہیز کے واسطے کرتے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد پر عمل کرنے کے واسطے کرتے تھے۔ جو حضورؐ نے فرمایا کہ خبردار ہو۔ بادشاہ کے واسطے چراگاہ ہے۔ اور اللہ کی چراگاہ۔ اس کی حرام کی ہوئی چیزیں ہیں۔ پس جو کوئی ان کے گرد آئے گا۔ تھوڑی دیر کو اس میں پڑ جائے گا۔ پس جو کوئی بادشاہ کے قلعہ میں داخل ہو کر ایک دروازہ سے بڑھ جائے پھر دوسرے سے پھر تیسرے سے، یہاں تک اس کے داخلی دروازہ کے قریب ہو جائے۔ وہ اس سے بہتر ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے دروازہ پر ہو میدان سے متصل ہے کھڑا رہے۔ پس اگر اس سے تیسرا دروازہ بند کیا جائے تو اس کو کچھ تکلیف نہ دے گا۔ نیز حضورؐ سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ کہ آخرت کو اپنا راس المال مقرر کر اور دنیا کو اس کا نفقہ سمجھ۔ پہلے اپنے وقت کو آخرت حاصل کرنے میں خرچ کر اور آخرت کو دنیا سے بیچ ڈالنے والا بن اور نہ اپنے نفس کا غلام اور گھوڑا ہو۔ کیونکہ تجھے اس پر سوار ہونے۔ اسکی اصلاح کرنے، اسکو نرم کرنے اور اس پر سوار ہو کر زادِ آخرت جمع کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اگر تو نے اسکی باگ اس کے سپرد کر دی۔ اور اس کی شہوتوں اور لذتوں میں اس کی پیروی کی اور اس کی ہوا سے موافقت بنائی تو دین و دنیا کی بھلائی تیرے ہاتھ سے جاتی رہے گی اور تو دونوں جہانوں میں ٹوٹا اور خسانہ پانے والا ہو جائے گا۔ اور ایسی حالت میں تو سب لوگوں سے زیادہ مفلس اور دین کے نقصان والا ہوگا۔ اور یاد رکھ نفس کی پیروی کرنے سے بھی دنیا میں اپنے نصیب سے زیادہ نہ پاسکے گا۔ اگر تو اس کو آخرت کے رستہ پر چلائے اور آخرت کو اپنا راس المال بنائے گا تو تجھ کو دنیا و آخرت دونوں میں کامیابی ہوگی۔ جیسا کہ آنحضرتؐ سرور کائنات مغیر موجودات مختار شش ہمت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آخرت کی نیت پر دنیا تو دے دیتا ہے مگر دنیا کی نیت پر آخرت نہیں دیتا۔ اور اسی طرح ہونا بھی چاہئے۔ کیونکہ آخرت کی نیت اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے اور نیت عبادت کی روح اور اسکی ذات ہے۔ پس جب تو نے دنیا سے بے رغبتی برتی اور آخرت کی طلب کی جس سے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی نیت مترشح ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کے خاص لوگوں اور اس کی محبت اور ہندگی کرنے والوں میں سے ہو جائے گا۔ جس سے تجھ کو آخرت بھی حاصل ہو جائے گی اور دنیا میں بھی سرفرازی ہوگی۔ دنیا تیری تابع دار اور خادم بن جائے گی۔ اور اللہ کریم تیرا نصیب پورا فرما دیگا۔ کیونکہ یہ سب کچھ اسی کا ہے۔ جسے چاہے جب چاہے اور جتنا چاہے عطا فرما سکتا ہے

جب بندہ اس کا ہو جاتا ہے تو اس کی کائنات اس کے بندے کی ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ محبوب و محب میں میرا تیرا نہیں ہوتا اور عاشق کی ساری کائنات معشوق کی ہوتی ہے۔ حضرت سعدیؒ نے بوستان میں کیا خوب ایک حکایت بیان فرمائی ہے۔

حکایت

یکے دیدم از عرصہ رودبار کہ پیش آمدم بر پلنگے سوار
چناں ہول زال حال بہن نشست کہ ترسیدم پائے فتن بہست
تنبہم کناں دست برب گرفت کہ سعدی مدار آنچہ دیدی شکفت
تو ہم گردن از حکم داور پیچ گردن نہ عیب ز حکم تو ایچ

ترجمہ :- فرماتے ہیں۔ کہ رودبار کے میدان میں میں نے ایک شخص کو دیکھا۔ چیتے پر سوار ہو کر میرے سامنے آیا اس کو دیکھ کر مجھ پر ایسا خوف طاری ہوا۔ کہ میرے پاؤں چلنے سے رہ گئے۔ چیتے کے سوار نے مسکرا کر ہاتھ ہونٹوں پر رکھا۔ اور فرمایا کہ سعدی! جو کچھ تو نے دیکھا ہے اس پر تعجب نہ کر۔ تو خدا کے حکم سے گردن نہ پھیر۔ کوئی بھی تیرے حکم سے گردن نہ پھیرے گا۔

اگر انسان دنیا میں اس حد تک مشغول ہو جائے کہ کلمۃ آخرت سے روگردانی کرنے لگے تو رب العالمین اس پر ایسا غضب کرتا ہے۔ کہ آخرت اس کے ہاتھ سے لیے نکل جاتی ہے۔ اور دنیا بھی اس سے سرکش و متنفر ہو جاتی ہے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے۔ وَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشُرُكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَعْمًى۔ یعنی جو شخص اللہ کے ذکر سے منہ موڑے گا۔ اس پر اس کی معیشت تنگ کر دی جائیگی اور قیامت کو وہ نابینا اور اندھا اٹھایا جائیگا۔ کیونکہ دنیا اللہ کریم کی ملک ہے۔ جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ وہ اس کو ذلیل و خوار کرتی ہے۔ اور جو رب العزت کے حکموں کی اطاعت کرتا ہے وہ اس کو عزت دیتی ہے۔ پس اس وقت حضور سرکار سرورؐ کائنات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثابت ہو جائے گا کہ دنیا و آخرت دونوں میں ہیں۔ جب آدمی ایک کو راضی کرتا ہے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم میں سے کوئی دنیا چاہتا ہے اور کوئی آخرت۔ اس سے مراد دنیا کے اور آخرت کے بیٹے ہیں۔ پس آدمی کو

خود دیکھنا چاہئے کہ وہ کس کے بیٹوں میں سے ہے۔ اور دونوں گروہوں میں سے کس گروہ میں ہوتا چاہتا ہے۔ یا ہو چکا ہے۔ تاکہ اس کو اپنا مستقبل سامنے آ سکے۔

پھر ایک حدیث شریف کے ارشاد نبویؐ پر بھی غور کرو جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مولا کی طلب کرنے والا مرد ہے اور عاقبت کی طلب کرنے والا مؤنث اور دنیا کی طلب کرنے والا محنت ہوتا ہے۔ پھر مؤنث اور محنت بننے سے بہتر ہے کہ مرد بنے۔ اور دوسرے فریق میں جاتا چاہتا ہے تو محنت بننے سے بچے۔ کیونکہ دین و دنیا میں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

حکایت

ایک مرد خدا نے خواب میں دیکھا کہ ایک نوجوان کنواری عورت اس کو اپنی جانب دعوت دے رہی ہے۔ اس مرد خدا نے پوچھا کہ تو کون ہے۔ اور مجھ سے تیری کیا طلب اور حاجت ہے۔ اس نے عرض کیا۔ حضرت میں دنیا ہوں اور اپنے نفس کے لئے آپ کو چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا۔ یہ تو بتا کہ اس قدر تیرے خاوند اور چاہنے والے دنیا دار موجود ہیں۔ پھر تو کنواری نظر آتی ہے۔ اس کا کیا سبب ہے۔ کہنے لگی۔ سبب کوئی ایسا نہیں جو سمجھ میں نہ آ سکے۔ سب مرد تو خدا کی جانب چلے گئے اور نامرد میرے حصے میں آئے۔ اس لئے میں کنواری ہوں۔

تک دنیا کا مفہوم | زہد و تقویٰ کی وہ تعلیم اور ترک دنیا کی وہ دعوت جو صوفیائے کرام، درویشان عظام و بزرگانِ انام رحمہم اللہ کے ارشادات و عملیات میں ملتی ہے اور ان کے تمام علوم و تذکار میں پائی جاتی ہے اس سے بعض دین کے بھاگے ہوئے۔ دنیا کے ٹھکر لئے ہوئے اور بہت کے راندے ہوئے نام نہاد فیثروں نے بڑا غلط مفہوم لیا ہے۔ اور وہ سب بوی بچے، مال و دولت، املاک و مکانات، وطن و خانہ داری چھوڑ کر اس امر پر مستعد ہو بیٹھے ہیں کہ جب تک ہم اس دنیا کو چھوڑ کر نہ رہ کش نہیں ہوں گے۔ معرفت الہی سے کوسوں دور ہی رہیں گے۔ اور خداوند عالم کی شناسائی نہیں ہوگی۔ حالانکہ یہ وہ جو گیول اور راہیول کا عقیدہ ہے جو پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ اور بزرگانِ دین کے ارشاد ترک دنیا سے مراد دنیا کے تعلقات کو قطع کر دینا نہیں۔ بلکہ اس سے مراد جہاد بالنفس ہے۔ یعنی تعلقات دنیوی نہیں۔ مگر وہ خدا کی جگہ دل میں نہ اُتر جائیں۔ اور یہی شاہراہ حقیقت ہے۔ مگر انیسویں صدی کے یہ لوگ اس مطلب کو سمجھ نہیں سکے۔

اور نہ ہی ان کو لاکھبائیتۃ فی الاسلام کی حقیقت ذہنوں میں آئی ہے

فقیرے پیر خود را گفت بندے کہ راہبانی بدین ماحرام است

بہ عشق آویزد از دنیا بہرہ میزد کہ طلب ما بمحبوبے مدام است

اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر لنگوٹ بند ملنگ اور سادھو بن جاؤ۔ جس طرح اہل ہنود یا عیسائی لوگوں میں رواج ہے۔ بلکہ اسلام تو دنیا میں رہنے، کھانے، پینے، پہننے، بیوی سے عطا اٹھانے اور بچوں سے پیار کرنے، حتیٰ کہ سلطنت تک کو ہاتھ سے نہ جانے دینے کی اجازت فرماتا ہے۔ مگر ہدایت صرف یہ ہے کہ تخت و تاج پا کر بھی اس کا دل یا دِ خدا کے لئے خالی ہو۔ دنیا اس کے دل پر نیچہ نہ مارے۔ اور خدا کا مقام اپنے اثرات سے ناپاک نہ کر دے۔ کسی درویش سے لوگوں نے پوچھا کہ دنیا کا منافع درویش کے لئے کس قدر ہے۔ فرمایا۔ کہ اسی قدر جیسے پانی پراڑنے والا جانور پانی پراڑتا ہے اور چکر کا تار ہوتا ہے۔ پھر جب مچلی نظر آتی ہے تو غوطہ لگا کر اس کو پیٹ کے لئے پکڑ بھی لیتا ہے۔ لیکن غوطہ لگانے اور نفس کی خوراک حاصل کر لینے کے بعد وہ پانی سے ایسا صاف نکلتا ہے کہ اس کے پروں پر پانی کا قطرہ تک نہیں ہوتا۔ ایسے ہی درویش کی زندگی ہونی چاہئے۔ دنیا میں رہے۔ تو ت لائمیوت حاصل کرے۔ تخت و تاج اس کے قدم چومیں۔ مگر جب دنیا سے سفر کرے تو اس کا دل دنیا کی آلائش اور داغ سے پاک ہو۔

یہاں یہ مسئلہ بھی یاد کے قابل ہے کہ صوفی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ ہیں جن کو ابن الوقت کہا جاتا ہے جو مجذوب و مست و ذوق و شوق اور وجد و تواجد کے تابع اور بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ دوم ابو الوقت جو ہر حال میں وقت پر حاکم و متصرف اور ہوش و صحو کی حالت میں رہتے ہیں۔ اگرچہ ان پر بھی غلبہ ہوتا ہے۔ مگر یہ مغلوب نہیں ہوتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا درجہ صوفی ابن الوقت سے بہت بلند ہوتا ہے۔ اور یہ مغلوب الحال بھی ایک مقام سے متعلق ہے۔ جس میں تمیز حال و جلال، حرام و حلال و حفظ مراتب، پابندی شریعت و مذہب و ملت نہیں رہتی۔ اور اکثر اہل اللہ نے اسکو واصلوں کا ملول کی طرف منسوب فرمایا ہے۔ اس میں درویش پر سکر غالب ہو جاتا ہے اور وہ فرق حلال و حرام و کفر و اسلام سے مستثنیٰ کہلاتا ہے۔ عبودیت اٹھ جاتی ہے۔ مواصلت بڑھ جاتی ہے اور تعمیل شریعت ساقط ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ ابوالمعالی خیر الدین لاہوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ

مونس ہمال میں شیخ لقمان سرخی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ لکھتے ہیں۔ کہ شیخ لقمان سرخی علیہ الرحمۃ اللہ ابتداً بحال میں بہت مجاہدہ اور سخت احتیاط فرمایا کرتے تھے۔ لیکن کچھ وقت کے بعد اپنا تک آپ کو جذبہ ہوا اور عقل جاتی رہی۔ پھر کسی خاص وقت میں لوگوں نے پوچھا کہ پند و قال کیا تھا۔ اور یہ وجد و حال کیا ہے۔ تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں جس قدر زیادہ عبادت کرتا تھا اسی قدر اہل کرنی باقی رہتی تھی۔ ایک روز میں نے تنگ کر اللہ کریم سے عرض کی۔ کہ اے معبود الایزال جل و علافتانک شعر رحمت کہ مالکان تحریر آزاد کنندہ بندہ پیر

یعنی اے مولا کریم یہ رسم ہے کہ ملکوں اور غلاموں کے مالک اپنے بوڑھے غلاموں کو اپنی خدمت و مشقت سے آزاد فرما دیا کرتے ہیں۔ تو شہنشاہ ہے اور میں تیری بندگی میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ اب مجھے آزاد فرما دے۔ تب میرے مولا کریم نے مجھے فرمایا کہ اے لقمان میں نے تجھ کو آزاد فرمایا۔ لہذا اب میں یہ ہوں جو دیکھ رہا ہے۔ مگر غلبہ حال کے ظہور سے پہلے اسلام اور کفر کے درمیان تمیز نہ کرنا جس طرح اہل شرع کے نزدیک کفر ہے۔ اسی طرح اہل حقیقت کے نزدیک بھی کفر ہے۔ اگر اہل شریعت اور اہل طریقت کے درمیان کچھ اختلاف ہے تو غلبہ حال کی صورت میں ہے جیسے کہ منصور علاج کو مغلوب الحال مقام اہل شریعت نے اس کے متجاوز عن الحد اور گمراہ ہونے کا فتویٰ دے دیا۔ لیکن اہل حقیقت نے نہیں دیا۔ ہاں۔ اہل حقیقت کے نزدیک بھی نقصان اسکی طرت ضرور عائد ہوتا ہے۔ اور اہل حقیقت اس کو باطلین سے شمار نہیں کرتے۔ الغرض غلبہ حال کے ظاہر ہونے سے پہلے صاحبان حال کی تقلید کرنا اور اس میں تمیز نہ کرنا قطعاً بے تمیزی ہے اور شریعت و حقیقت میں زندگی و کفر ہے۔ پھر اگر کسی صوفی نے غلبہ حال کی وجہ سے بے اختیارانہ طور پر ہر قسم کی ظاہری تمیز کو چھوڑ دیا۔ دینا کو ترک کر دیا تو یہ اس کی خدا طلبی اور حق جوئی کا کمال ہے۔ جس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ فعل دوسرے ظاہر پرستوں کے لئے فرض واجب یا ترک دنیا پر محبت ہوگا۔ دراصل زہد اور ترک دنیا سے مقصود تو یہ ہے کہ مالک اپنے دل سے ماسوائے اللہ کی محبت کے سب کچھ نکال دے۔ اور نفس سرکش کو زیر کر کے اس کے منہ میں تقویٰ کی لگام دیدے اگر یہ بات دنیوی تعلقات کو قائم رکھتے ہوئے بھی حاصل ہو جاتی ہے تو سبحان اللہ پھر دنیوی تعلقات کو منقطع کر کے منازل سلوک طے کرنے کی کیا ضرورت محسوس ہوگی۔ بلکہ اس سے بدرجہا بہتر اور زیادہ کمال یہ ہے کہ دنیوی تعلقات کو قائم رکھتے ہوئے معبود حقیقی کا قرب و وصال ڈھونڈا جائے جس میں رہبانیت کو دور کا بھی دخل نہ ہو۔

عند الضرورت یا غلبہ حال سے ترک دنیا میں بھی حقیقت و معرفت کا وہ راز نہاں ہے جو روحانی زندگی کا جوہر حقیقی کہا جاسکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا اور دین کی ہر کامیابی کا راز صرف نفس کشی میں مضمر ہے۔ اس کے برخلاف آرزو مندی و خواہش اور حرص و ہوا ہی دنیا و دین میں ذلیل و خوار کرتی ہے۔ مطالب و مقاصد دینی و دنیوی کے حصول میں روٹے اٹکتی ہے۔ اور دنیا کو پریشانیوں اور غموں کا گھر بناتی ہے۔ کسی کا دل جس چیز یا ہستی کی طرف راغب ہو اور وہ اس رغبت کو دل میں جگہ دے دے تو بس یہی رغبت ناکامی و نامرادی کی بنیاد بنا دیتی ہے۔ کیونکہ جب محبوب چیز اور مطلوب ہستی نہیں ملتی یا مفارقت کرتی ہے۔ تو دل میں غم و اندھ کی آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ جو موجب کلفت ہوتی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف جس چیز کی آرزو ہو اور اس سے استغناء برتنا جائے۔ تو دنیا میں غم و اندھ کا سامنا ہی نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے آگے ہفت اقلیم کی بادشاہت بھی کوئی حقیقت نہیں رکھتی پس جہاد بالنفس اور ترک دنیا کا مطلب یہ نہیں کہ بھوک لگنے پر کھانا نہ کھائے۔ پیاس لگنے پر پانی نہ پئے سردی لگنے پر کپڑا نہ پہنے اور نکاح کی خواہش پر نکاح کرنے سے پرہیز کرے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ کام کئے جائیں اور ضرور کئے جائیں مگر ان کا لگاؤ تعلق الہی میں رکاوٹ نہ ہو۔ کیونکہ طالب بننے سے مطلوب اور محب بننے سے محبوب بننا بہتر ہوتا ہے۔ اور یہ وہ راز ہے کہ درویش اس دنیا میں صبر و تحمل، قناعت و شکر و تحمل و برداشت کے ساتھ زندگی گزارنے اور کسی خواہش کے پورا کرنے میں سرگردان و حیران نہیں ہو سکتا۔ الغرض وہ شخص صوفی کہلانے کا مستحق اور درویشوں کے گروہ سے ہونے کا اہل نہیں جس نے کتاب اللہ پر غور و خوض اور احادیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں فہم و بصیرت سے کام نہ لیا ہو۔ صوفی مشرب علماء کی صحبت سے ترک اور ان اہل اللہ و اصحاب علم کی موانست و مجالست سے علیحدگی جن کو کتاب و سنت میں درک ہے ایک باریک سا نفسانی فریب ہے۔ کیونکہ جاہل صوفی اور تصوف کا منکر و نول مذہبی چور اور مشربی راہزن ہیں جنہوں نے حقیقت نفس سمجھنے کی کبھی کوشش نہیں کی۔ اور اگر وہ نفس کے اقسام و اعمال اور اس کے باریک ترین و سادس و خطرات کا علم رکھتے تو یوں بے بسی و بے عنوانی کی زندگی بسر نہ کرتے یہ انکی خود اختیاری عجوبہ پستیاں اور مجموعہ بدعات و منہیات قدیم اسلامی سلوک و طریقت سے انکی دوری کا باعث بنتیں۔

فقر اور فقیہ

آج مسلمانوں کا بھدار، تعلیم یافتہ، منجیدہ اور حقیقت بین طبقہ چنچ اٹھا ہے۔ کہ نام نہاد، منکار اور فری پیروں نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام اور ذلیل و خوار کر رکھا ہے۔ ان کا وجود اخلاق اور روحانیت کے دامن پر ایک بدنما دھبہ ہے۔ وہ تعبد و تسفل کے علمبردار اور ذمہ دار ہیں۔ ان کے سرور پر خدا کا نہیں بلکہ غیر خدا اور نفس کا سایہ ہے۔ قومی ترقی اور برتری کے وہ دشمن ہیں۔ آزادی سے ان کو نفرت ہے۔ اپنوں سے بیزار، اغیار سے ملاپ۔ اسلام سے بے تعلقی اور تثلیث و کفر سے گہرا تعلق ہے۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر سے انہیں کوئی سروکار نہیں۔ الحب للہ والبعض للہ کی جگہ نفسانیت کی حب و بغض ہے۔ محبت الہی اور خوف خدا سے ان کے قلوب یکسر خالی ہیں۔ اور استبدادی طاقتوں سے ہر وقت وہ مرعوب ہیں۔ وہ فقر و تصوف اور جادہ و تقدس کا غارہ مل کر مسلمانوں کے ایمان و دولت پر ڈاکہ ڈالتے رہتے ہیں۔ اندیش حالات ضرورت سے کہ پتے پیروں اور صحیح رہنماؤں کی تلاش کی جائے۔ تاکہ قوم کی صحیح رہنمائی ہو سکے۔ یہ آواز سے کیوں کہے جاتے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ چونکہ عوام الناس نے بزرگی، درویشی اور دلالت کا مفہوم اپنی طرف سے الگ الگ گھڑ رکھا ہے۔ مثلاً کسی کے نزدیک بزرگ وہ ہے جو کرامت دکھائے۔ کوئی اس کو دلی جانتا ہے۔ جو دنیا سے قطع تعلق کر کے گوشہ نشینی اختیار کرے۔ کوئی گفتگوئے مکاشفہ کو پسند کرتا ہے اور کوئی دلالت کا نشان لوگوں کی مراویں پوری ہونا رکھتا ہے۔ اس لئے فقر و فقیری اس مسئلہ میں مستحق طعن نہیں ہیں۔ بلکہ فہم و عقل کی یہی کجروی اور گمراہی بھی مستحق لعن و طعن ہے جس نے مسلمانوں کو صراطِ مستقیم سے ہٹا کر اغراض و زندگی کی یافت اور حصول کے لئے صحیح و غلط کی پہچان سے دور جھینکا ہے۔ اور یہ بھی نہیں سمجھ سکتے کہ ہم اہام و جہل کی تائیدی میں بزرگی کا تقدس کا نور کیونکر ڈھونڈ سکتے ہیں۔ جبکہ اس مسئلہ میں ہمارا معیار ہی غلط ہے۔ ان کو تو چاہئے تھا کہ وہ قرآن و حدیث کی ضیا پاشیوں میں کسی مرد خدا کی پاکیزہ حیات کا

اور اخلاق و روحانیت کی بندیلوں میں معرفت الہی کا طور پانے کی سعی کرتے۔ کیونکہ بہ ارشاد حضرت خواجہ ابوالحسن نور علی محمد اللہ علیہ اعظم العلامات فی زماننا شیخان عالمہ لَعْمَلُ الْعِلْمِ وَ عَارِفُ حَقِيقَتِهِ یعنی بری علامات سے ہمارے زمانے میں دو چیزیں ہیں۔ وہ عالم باعمل جو اپنے علم کے ساتھ صحیح عمل بھی رکھتا ہو۔ اور وہ عارف جو حقیقت کی بنا پر بات کرتا اور بولتا ہو، مگر یہ نہیں ہوا کیونکہ جن کو اپنی ہی بصارت و بصیرت جواب دے چکی ہو۔

کیونکہ صحیح راہ تلاش کر سکتے ہیں۔ جبکہ لعن و طعن کا ذمہ داریہ بجائے اپنی غلطی میں نگاہ انتخاب کے بغیر اشتناء صحیح صلحا اور سچے فقراء عمل، فقراء جہال و پیران بجال کو دیکھ کر حقیقی فقراء کو مطعون کر لیتے ہیں۔ اور اپنی ہی غلطی سے جماعت کی جماعت پر زبان طعن کھولنا شروع کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دنیا میں ہمیشہ صادق و کاذب دونوں ہی قسم کے لوگ ہوتے چلے آئے ہیں۔ صادقین اپنے صدق کے ماتحت اور کاذبین اپنے کذب کے ماتحت کام کرتے ہیں۔ پھر اگر کوئی کو نو مَعَ الصِّدِّقِیْنَ پر عمل نہ کرتے ہوئے کسی مکار کے جمال اور فریبی کے جمال میں جا بیٹھے تو کیا یہ صادقین کا قصور ہے۔ یا متلاشی کی حقیقت ناشناسی اور بیگانہ نظری کا جس کو وہ اپنی انتہائی تحقیق اور اپنا سب سے بڑا کمال سمجھتا ہے اس کی اپنی ہی فہم و عقل کی پستی اور کورزدگی نے اس کی خالص اسلامی ذہنیت مستقیم نظر اور غیر مخدوش دماغ پر قبضہ کر لیا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکل رہا ہے۔ کہ آج اس کو تصویر کا ایک نسخہ دیکھتے ہوئے کوئی مقبول بزرگ نظر نہیں آتا اور اس پر سب سے زیادہ اندھیر گردی یہ ہے کہ ہماری قومی آوازیں اخبارات وغیرہ بھی وہ طریق تشہیر و اشاعت اختیار کر چکے ہیں۔ کہ ان کے نزدیک جاہل و ناقابل پرورد کی پردہ دری تو فرض اور جزو ایمان بن چکی ہے اور بنی بھی چاہئے، مگر عوام کو حقیقت کی جانب متوجہ کرنے کی توفیق ان کو بھی حاصل نہیں ہوتی۔ اور جن پر طعن کر رہے ہیں اصل حقیقت کے اغماض سے خود فہم و ادراک میں ان سے بدتر ہوئے جاتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ان کی بدعتیہ کی اس چیز سے مانع ہے کہ بزرگان دین سے لگاؤ کو جائز سمجھیں۔ یا ان کی نگاہ تفرقہ ساز و فتنہ پرداز کو کوئی برگزیدہ سچا، تبلیغ شریعت اور صحیح بزرگ نظر نہیں آتا۔ جس کی صداقت کا رنگ وہ بطالت پرستی کے مقابلہ میں پیش کر سکیں۔ کیا کوئی شخص اگر زید کو یہ کہے کہ تیرا کان کٹا لے گیا ہے۔ تو اسکو کتنے کے پیچھے دوڑنے کی بجائے پہلے اپنے کان کا ٹوٹل لینا زیادہ مناسب نہیں آتا

حکایت

ایک بزرگ تبلیغ دین کے سلسلہ میں کہیں تشریف لے گئے، تو ایک شخص ان کی درویشی کا جائزہ لینے اور

پر کھنے کو لوہے کی تار دل کا بنا ہوا ایک گورکھ دھندا ان کے سامنے لے آیا اور کہنے لگا۔ اگر آپ فقیر ہیں تو اس گورکھ دھندے کو کھیل دیجئے۔ فقیر صاحب نے جواب دیا کہ میں نے فقیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے، لوٹا رہوںے کا نہیں کیا اصل بات یہ ہے کہ مدعی کو اس کے دعوے میں تو پرکھا نہیں جاتا۔ اور اس کی درویشی کی کسوٹی سمجھ لی جاتی ہے سٹے کا نیر۔ مال حرام کا حصول، پرانی عورتوں کی دستیابی۔ مغویہ عورتوں کی نشان دہی۔ اموال مسروقہ کی خبر دہندگی مولیشی کا اظہار گمشدگی، اولاد کا نہ ہونا اور عملیات حسب و بغض کی کامرانی، تو بتائیے کہ یہ کام ایک باخدا درویش کی دعوت میں شامل ہیں۔ اگر میں تو کہاں تک اور اگر نہیں تو اس کام کے کر نیوالے بخوبی، رملی، کپھنڈی، جوگی، منکار، بہرہ پے جو بھی رنگ و روپ اختیار کر سکیں گے وہ وہ ہو گا جس کے شبہ میں عوام فریب کھا جائیں۔ اور وہ رنگ صرف حق پرستوں کا رنگ ہے۔ کیونکہ ان ضروریات کے متمنی درویشوں کے بدلے نہ ایڈیٹر ان اخبار کے پاس جائیں اور نہ بہرہ پیوں کے پاس اس لئے کہ کوئی ایڈیٹر صاحب کسی سیاہ پوش سے مل کر اتنا تو کر سکتے ہیں کہ کسی موگل یا غیبی روح کا روپ دھار سکیں۔ مگر کسی مرد خدا کا روپ دھارنے سے وہ بھی قاصر رہتے ہیں۔ تو پتہ چلا کہ عوام الناس کو تحقیق میں مغالطہ لگتا ہے۔ اور اپنی مطلب برآری کے لئے ان کا نفس ان کو ہر ایسے شخص کے رو بہ و لے جاتا ہے جس کو وہ تمیز نہیں کر سکتے کہ یہ کون ہے۔ کوئی جرائم پیشہ کا سرغنہ ہے جو اپنے افشائے جرم کے خوف سے درویشی وضع بنا ہوئے ہے۔ یا کوئی کارسرخ کار کا ملازم ہے۔ جو مجرموں کی تلاش کے لئے اس رنگ میں آئے ہوئے ہے۔ کیونکہ ہر عیار و منکار، ہر فقیر صورت اور حقیر سیرت ان کو اپنے مطلب کے پیش نظر قطب زماں اور غوث دو راں ہی دکھائی دیتا ہے۔ اور وہ ہر زرد و چمکیلی چیز کو سونا سمجھتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ باخدا اولوالعزم حضرات کی غلطی نہیں بلکہ ان کی احوال نہ نگاہ کی اپنی غلطی ہے۔

تعریف | فقیر ہیاں پر مختلف بزرگانِ عظام کی تحریرات سے فقر و فقر کی تعریف لکھتا ہے جس سے یہ پتہ چل جائے کہ فقیر کون ہوتا ہے۔ اور فقیر کس کو کہتے ہیں۔ یا خود اولوالعزم فقراء کے نزدیک اس درجہ کا اہل کون ہے۔ اور فقیر کو کن صفات سے موصوف ہونا چاہئے۔ قرآن کریم اور احادیث نبی روت درحیم کو مطالعہ فرمائیے تو معلوم ہو جائے گا کہ اللہ کریم جل شانہ، اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک برگزیدہ بزرگ اور ولی، صوفی اور پیروہ ہے، جو متبع شریعت ہو۔ جس کے اقوال اور افعال قرآنی معیار پر پورے اترتے ہوں

اور حسی تعلیمات اور تلقینات قرآنی تعلیمات و ہدایات کے مطابق ہوں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ یعنی اے ایمان والو! اللہ سے اور ڈھونڈو اسکی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں یا اس کی معرفت میں محنت و کوشش کرو تاکہ تم فلاح کو پہنچو۔ آیت مذکورہ بالا میں کلمہ اَمْنُو کے متعلق قرآن و حدیث اور اتقوا اللہ میں جہاد امر و نہی شامل ہیں۔ اور ابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ سے مراد بیعت یا پیر کامل ہے۔ اور جَاهِدُوا سے جہاد اور ریاضت و مجاہدہ نفس اور سبیلہ سے راہ معرفت الہی مراد ہے۔ یعنی پیر کامل سے بیعت کر کے بارشاد مرشد حصول معرفت الہی کے لئے ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو جاؤ۔ تاکہ دیدار الہی سے جو فلاح ابدی ہے مشرف ہو۔ پس جو شخص بیعت مرشد کا منکر ہے۔ وہ نص قطعی کا منکر ہے۔ اس حقیقت عظمیٰ کے ماتحت کسی عقیدتمند غلام نے حضور غوث الاعظم محبوب سبحانی سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ سے فقیر کے معنی پوچھے تو آپ نے فرمایا کہ فقیر کے نام میں چار حروف ہیں۔ جن کی اپنی توضیح و تاویل فقر کی صحیح ترجمانی کرتی ہے۔ اور پھر آپ نے اس کے معنی بیان فرماتے ہوئے یہ اشعار پڑھے۔

فَاءُ الْفَقِيرِ فَنَاءٌ بِهِ فِي ذَاتِهِ	وَفَرَاغُهُ مِنْ نَعْتِهِ وَصَفَاتِهِ
وَالْقَاتُ قُوَّةٌ قَلْبُهُ بِحَبِيبِهِ	وَقِيَامُهُ لِلَّهِ فِي مَرْضَاتِهِ
وَالْيَاءُ لِيُجَوِّدَ وَيُخَافَهُ	وَلْيَقُومَ بِالتَّقْوَى بِحَقِّ تَقَاتِهِ
وَالرَّاءُ رِقَّةٌ قَلْبُهُ وَصَفَاتِهِ	وَرَجُوعُهُ لِلَّهِ عَنْ شَهَوَاتِهِ

ترجمہ۔ یعنی فاء سے مراد ثنائی اللہ ہو کر اپنی ذات و صفات سے فارغ ہو جانا ہے۔ اور قات فقیر سے مراد یا والہی سے اپنے دل کو قوت دینا اور ہمیشہ اس کی رضا مندی پر قائم رہنا ہے۔ اور یاء سے مراد یاس و ناامیدی سے دور رہ کر امید و رحمت الہی ہونا اور اس سے ڈرتے رہنا اور ایسی پرہیزگاری اور تقویٰ اختیار کرنا جیسا کہ اس کا حق ہے۔ اور راء سے مراد رقت قلب اور اس کی صفائی اور اپنی خواہشات سے منہ موڑ کر رجوع الی اللہ کرنا ہے۔

شیخ ابو عبد اللہ خفیف فرماتے ہیں۔ الْفَقْرُ عَدَمُ الْأَمْوَالِ وَالْخُرُوجُ عَنْ أَحْكَامِ الصِّفَاتِ

یعنی فقیر وہ ہے جو کسی چیز کا مالک نہ ہو اور صفات کے احکام سے نکل جائے۔ (یعنی اس میں ملک کی تمنا ہی باقی نہ رہے)

شیخ محسن فرماتے ہیں۔ الفقیر الذی من استفیضی لنفسه فی فقره فقرًا بالآخر یعنی فقیر وہ ہے کہ اپنے نفس کو فقر میں خدا کے تقرب کیلئے صاف اور پسند کرے۔ اور اسکے اقسام و عادات کو بزرگان دین کے ارشادات کے ماتحت پل جائے کہ آدمی کا نفس ایک ایسی شے ہے۔ جس کو تین حالتیں عارض ہوا کرتی ہیں۔ یعنی اگر اسکو عالم علوی کی جانب میلان ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی بندگی اور عبادت میں مزہ لیتا ہے۔ اور شریعت کے اتباع میں آرام و آسائش پاتا ہے تو اس کو نفس مطمئنہ کہتے ہیں۔ اور اگر عالم سفلی کی جانب مائل ہو کر شہوات و مستلذات، بیدردی و بے رحمی حصول انتقام اور کینہ کیشی کی خواہش کر کے شریعت کی تابعداری سے کوسوں بھاگتا اور معائب کی خواہش کرتا ہے۔ تو اسکو نفس لمارہ بولتے ہیں۔ کیونکہ وہ روح کو ہمیشہ برائی میں ملوث کر کے عصیان و طغیان کا حکم کرتا رہتا ہے۔ اور اگر کبھی عالم سفلی کی طرف مائل ہو کر شہوت و غضب میں آلودہ ہوتا ہو۔ اور کبھی عالم علوی کی جانب میلان میں لذت محسوس کرنا اور گناہوں کی عادت پر نفرت و ملامت کر کے گزشتہ اعمال بد پر ندامت و پریشانی کا احساس رکھتا ہو۔ تو اسکو نفس لوائمہ کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ کہ ہر نفس خواہ نیک ہو یا بد قیامت کے دن اپنے آپ کو ملامت کرنے والا ہوگا۔ اگر نیک ہے۔ تو اس بات پر ملامت کرے گا۔ کہ افسوس تو نے اور زیادہ نیکی کیوں نہ کی۔ اور اپنے قیمتی اوقات کو کیوں رائیگاں گنوا یا۔ اگر بد ہے تو یوں ملامت کرے گا۔ کہ تو نے کیوں تقویٰ کو ترک کیا۔ اور کیوں گراں بہا عمر کے موتیوں کو بد عملی کی خاک میں ملایا۔ دنیا میں تقویٰ سے نفرت کرنا اور عبادت الہی سے بے رغبت ہونا قیامت کے دن ذلیل و خوار کرے گا۔ بعض بزرگان دین نے کہا ہے کہ نفس لوائمہ سے متقیوں کے نفوس مراد ہیں۔ جو قیامت کے دن نفوس عامیہ کو ترک تقویٰ پر ملامت کریں گے۔ اور بعض مفسرین نے تحت آیت لَا أَقْسِمُ بِیَوْمِ الْقِیَامَةِ وَلَا أَقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ لکھا ہے کہ ہر آدمی کے جسم میں تین نفس ہیں۔ ایک نفس مقدس جسے روح الہی کہتے ہیں۔ یہ نفس ہمیشہ ذکر الہی کے ساتھ مطمئن رہ کر خداوند عالم جل شانہ کی بندگی میں مستغرق رہتی ہے۔ دوسرے نفس منطبعہ جو ہمیشہ بدن کی تدبیر میں لگاؤ رکھے اور مقتضیات شہوات و لذات کی بالطبع جو یاں لے۔ اس لئے اس کو امارہ بھی کہتے ہیں تیسرے نفس ناطقہ

جو ظاہری اور باطنی حواں سے علم و ادراک کو جمع کر کے روح کے آگے پیش کیا کرتی ہے۔ اور اسکو نفس ملہمہ کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ نفس مطمئنہ کا تعلق ان انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کاملین و اصفیاء و اصلین سے ہے۔ جو خدا کے ذکر محبت میں مطمئن رہتے۔ اور وساوس و خطرات کی کشاکش سے مخلصی پا جاتے ہیں۔ اور نفس ملہمہ صلیحانے مومنین اور نیکو کاروں سے متعلق ہے۔ اور نفس لوامہ ان تائب گنہگاروں اور نادم تقصیر داروں کا نفس ہے جو ذرا سی لغزش سرزد ہونے پر بھی اپنے آپ کو شدید ملامت کر کے ہمیشہ کے لئے اس فعل بد سے توبہ کر جاتے ہیں۔ اور نفس امارہ کفار و فجار اور شرکین و مانہنجاہ کا نفس ہے۔ جو ہر لحظہ معصیت کا طالب اور فسق و فجور پر غالب رہتا ہے۔

حضرت اعظمیؒ فرماتے ہیں الفقیر هو الفاقدا لاشیاء۔ یعنی فقیر وہ ہے جس کے پاس کوئی شے نہ ہو۔ شیخ ابو جعفر احمد بن حمدانؒ فرماتے ہیں الفقیر من القطع الی اللہ علی الحقیقۃ ان لا یرد علیہ ما یشغلہ عنہ۔ یعنی فقیر وہ ہے کہ اس پر وہ باتیں نہ آئیں جو اس کو خدا کے مال سے روک دیں۔

حضرت ابوبکر بن ابی سعدانؒ فرماتے ہیں الفقیر هو الفاقدا للطریق الاسباب فقد السبب و جب لہ اسم الفقر و مستعمل لہ الطريق الی السبب۔ یعنی فقیر وہ ہے جو اسباب کے ہاتھ نکال لے۔ سبب سے گزر جانا فقر کے نام کا موجب ہے۔ پھر اس کو مسبب سے مسبب کی جانب راستہ آسان ہو جاتا ہے۔ حضرت منظر کو ما شاہیؒ فرماتے ہیں۔ فقیر وہ ہے کہ خدا کی طرف اسکی کوئی حاجت نہ ہو۔ کیونکہ اس کی تمام حاجت وہ خود ہی ہے اور بس۔

عبد اللہ بلایانؒ فرماتے ہیں۔ کہ فقیر وہ ہے جو کسی سے رنجیدہ نہ ہو۔ کیونکہ سب کو خدا کی طرف سے ہے۔ ابو عبد اللہ زو غندیؒ فرماتے ہیں الفقیر الذی لمن لم یکن لہ وسیلۃ الیہ غیر یعنی فقیر وہ ہے جس کا وسیلہ خدا کی طرف اس کے سوا اور کوئی نہ ہو۔

حضرت مقری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ الفقیر الصادق الذی لا یملک کل شئ ولا یملک لہ شئ سچا فقیر وہ ہے کہ کسی شے کا مالک نہ ہو اور اس کا کوئی مالک و ارث نہ ہو۔

حضرت عبد اللہ دنیوریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ خدا خود اس پر سلام بھیجے اور فقر ہی دین و دنیا کے بادشاہ ہیں جو خوشی کی جانب جلدی دوڑ گئے ہیں۔

حضرت ابو منصور معمرؒ فرماتے ہیں الفقیر عزیز یعنی فقیر معزز و غالب ہوتا ہے۔

حضرت شیخ گورگانیؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو کپڑے کو درست پیوند لگا سکے۔ یعنی فقر کے لئے نہ زینت کیلئے اگر الٹ سیا جائے تو سیدھا ہی سمجھا جائے (۲) چچی بات کہے اور سنے یعنی حال سے سنے نہ خودی سے۔ اور حق و سعی سے اس میں تصرف کرے نہ خوش طبعی سے (۳) سیدھا پاؤں زمین پر رکھے یعنی وجد کے ساتھ زمین پر مارے نہ ابو کے ساتھ۔

حضرت عبداللہ مختارؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ اس کے تمام ظاہری اعمال و اقوال شریعت کے مطابق ہوں اور باطن میں ایسا ہو کہ اس میں غیر کی بونہ پائی جائے۔

حضرت خواجہ محمد یارؒ فرماتے ہیں کہ فقیر شرع کی پابندی سے فقیر بنتا ہے۔ اس کے کھانے میں اوسط درجہ کی محافظت ہوتی ہے۔ وہ دو عشاؤں کے درمیان سوتا نہیں۔ اور صبح اس قدر پہلے اٹھتا ہے کہ اس پر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی توجہ سے اپنی طرف ہونا اور خطرات کی نفی کرنا اور فضول باتوں سے سکوت کرنا اور اس کا شیوہ ہوتا ہے۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ اگر کبھی نظر کرم فرماوے تو پھپھوں کو پہلے اسے ملاوے۔ ان بت عین من الکرم المحقق باللاحقین بالسابقین۔ یعنی اگر کرم کی نظر ظاہر ہو جائے تو بالیوسوں کو مقبولوں کے ساتھ پھپھوں کو آگے جانے والوں کے ساتھ ملاوے۔

شیخ سعد الدین کاشغریؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے کہ جس کام میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی نہیں اس سے وہ مرزد نہ ہو۔ اور جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوا۔ اس میں نہ پایا جائے اور صفات نبویہ سے موصوف ہونے کے سبب حق سبحانہ تعالیٰ کے تصرف کا مظہر بن جائے اور خدائی تصرف سے مستعد لوگوں کے باطن میں تصرف کرے اور اپنے آپ سے پورے طور پر خالی ہو کر حق سبحانہ تعالیٰ کے مقصود کے لئے کھڑا ہو جائے۔

حضرت عین القضاۃؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جو علوم ظاہری و باطنی سے بے بہرہ نہ ہو۔ جاہل اور بے علم فقیر ہر حالت میں شیطان کا غل ہوتا ہے۔ اور اس سے ہر لحظہ ثلاث شریعت حکم پہنچنے کا امکان رہتا ہے۔

شیخ مجد الدین بغدادی فرماتے ہیں۔ فقیر وہ ہے جس کو سوائے متابعت حبیب مطلق صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ پسند نہ آئے۔ اور جس فقیر کو حضور علیہ السلام کی متابعت بڑھکر ہے وہ درجہ میں سب سے بڑھکر ہے حضرت احمق محمد دہقان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس کو دنیا اور اپنے نفس کی لذت سے کچھ بھی میلان نہ ہو۔ اور وہ چیز جو نفس کے مزہ کے متعلق ہے اس کی زبان سے بصورت طلب و تمنا نہ نکله نیند سے پیار نہ رکھے اور دوائی پر دفعیہ مرض کے متعلق شافی ہونے کا گمان نہ کرے۔

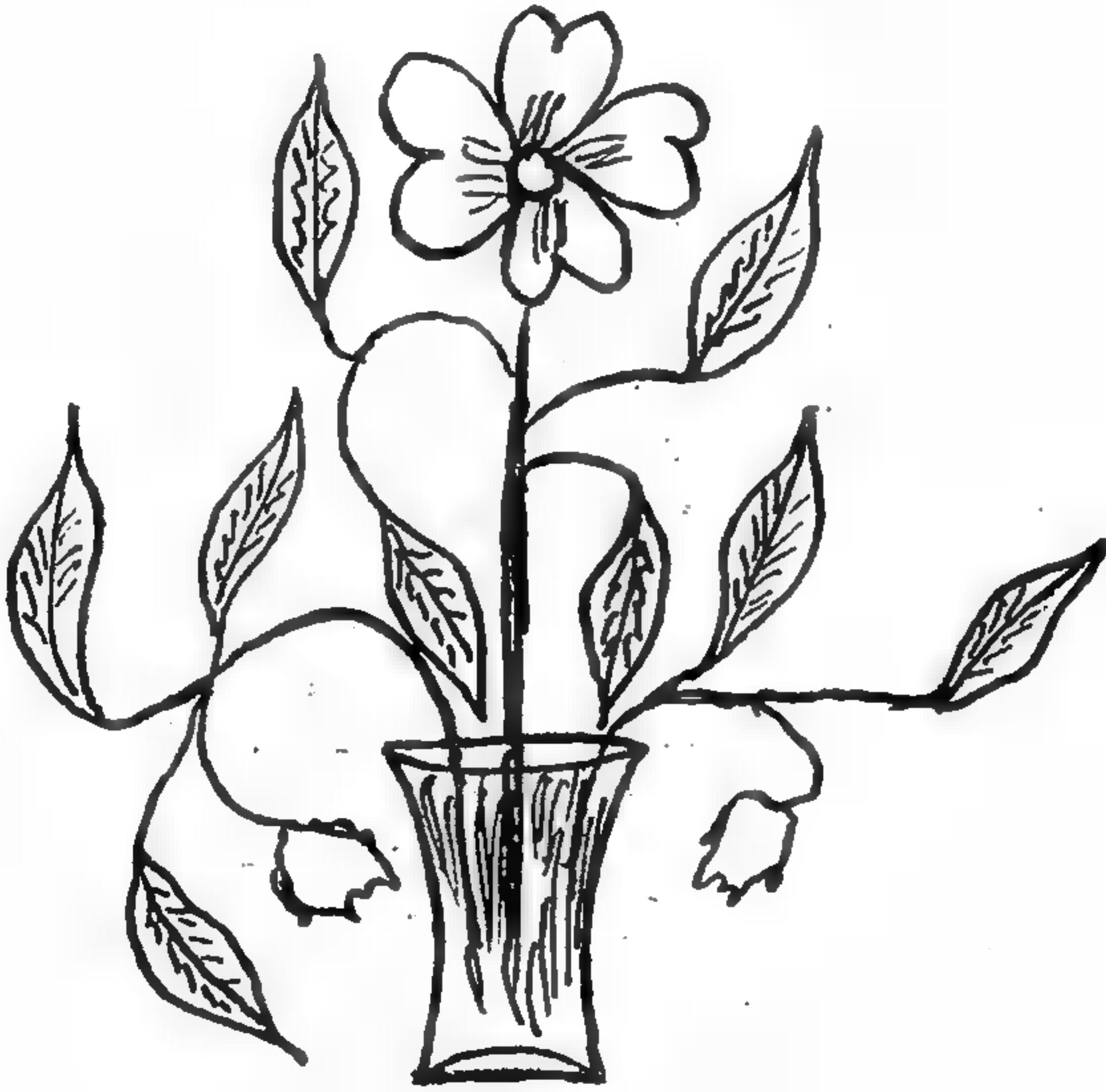
شیخ ابوالحسن شاذلیؒ فرماتے ہیں کہ فقیر وہ ہے جس میں یہ چار وصف پائے جائیں۔ چھوٹوں پر رحم بڑوں کی تعظیم، نفس سے انصاف نہ چاہنا اور اپنے لئے انصاف کو چھوڑ دینا۔ جس فقیر میں یہ نہ ہو وہ مٹی ہے۔ فقیر مولف کتاب ہذا ابوالفیض قلندر علی سہروردی کہتا ہے کہ فقیر وہ ہوتا ہے جو مرید کو اپنی توجہ و تصرف سے حضور میں تو مطمئن رکھے اور غیبت میں فتنہ نفس سے محفوظ کرے۔ اپنے اخلاق و اسباق سے ارادتمند کی ایسی تربیت کرے کہ اس کے باطن کو اپنی توجہ سے مشرف اور اپنے نور اشراق سے منور بنا دے۔ اور اگر بیعت سے قبل لوح محفوظ سے اس کی ارادت اور بیعت کا ثبوت نہ پائے تو اس کو یہ کمکر رخصت دیدے کہ میرے پاس کوئی خدمت کا وظیفہ نہیں رہا۔ جس پر تم قیام کر سکو۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بے جا نہ ہوگا۔ کہ توجہ درویش میں چار قسم پر کام کرتی ہے:-

اول القانی زیر سایہ شیخ کے مرید کا حاضر ہو کر توجہ پیر کے ساتھ ہر دوسوہ سے محفوظ رہنا۔ اور اس کا متواتر اثر انداز ہونا جیسے مکان کا سایہ، یہ القانی کہلاتی ہے۔ یعنی بیت کے بعد ارادتمند شیخ کے سایہ میں اس طرح مہلتوں و محفوظ ہو جاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص مسقف پختہ مکان میں دھوپ آندھی برسات و دیگر حوادث سے حفاظت میں ہوتا ہے۔ اس کو شیخ کامل کی اس توجہ کی برکت سے فتنہ نفسانیہ و دوسوہ شیطانیہ کا ڈر نہیں رہتا۔

دوئم اتحادی وہ ہے کہ شیخ اور ارادتمند کی مجلس متحد ہو۔ ایک مقام معین پر شیخ توجہ دینے کے لئے اور مرید توجہ لینے کے لئے آمادہ ہو۔ دونوں کا خیال اور ارادہ ایک ہو۔ جیسے چکوه اور چکوی نزدیک جن کے لئے مشہور ہے کہ وہ اولاد پیدا کرنے کے لئے جفت نہیں ہوتے۔ بلکہ

جاتا ہے۔ غرضیکہ روحانی تعلیم اور روحانی طاقت و ترقی سے ہزار ہا جتنوں کے باوجود فلسفہ جدید بھی اقرار کئے بغیر نہیں
 رہ سکا۔ اور اسلامی معتقدات کے مقابلہ میں ان سائنس دانوں اور فلسفیوں کی یہی ایک بے بسی، مادی اور روحانی
 تذبذب اور مضحکہ انگیز انکار و اقرار قابل غور ہے۔ شعر ہے۔

مانا نہیں تھیں نے تجھے جانا ہے ضرور
 بھٹکے ہوئے دل میں بھی ہے کھٹکتیرا



اقسام الناس

قرآن کریم کے تدبر و مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اعتقاد و اعمال اور تعلق الہی کے لحاظ سے انسانوں کو تین جماعتوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ **فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وَمِنْهُمْ مُقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ** **إِنَّ اللَّهَ ذَا الْفَضْلِ الْكَبِيرِ** یعنی ان میں سے ایک گروہ احکام الہی سے سرتانی کر نیا لایا ہے۔

جو اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے اور ایک گروہ درمیانہ حالت میں ہے اور ایک ایسا بھی ہے جو خدا کے حکم سے نیکیوں کے کرنے میں آگے بڑھا ہوا ہے۔ سو یہ آخری حالت خدا کا بہت ہی بڑا فضل ہے۔ جو وہ اپنے بندوں پر کرتا ہے۔ حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سروردی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب عوارف المعارف کے تیسرے باب کی دسویں فصل میں فرماتے ہیں۔ کہ لوگوں کے مراتب بھی ان کے اعمال کے لحاظ سے تین قسم پر ہیں، اول تو داصلوں اور کاملوں کا مرتبہ ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں۔ دوسرے کمال کے طریق پر سالک اور چلنے والے۔ یہ متوسط درجہ کے لوگ ہیں۔ تیسرے نقصان کے گڑھے میں پڑے ہوئے۔ یہ پست درجہ کی مخلوق ہے۔ داصلین تو مقربین اور سابقین ہیں۔ در سالکین نیک اور اصحاب الیمین ہیں اور گروہ مقیمان شر و فساد بائیں جانب والے ہیں۔

فی الحقیقت انسان کے اعمال و اخلاق کی یہ ایک ایسی صحیح اور قدرتی تقسیم ہے جس کی صداقت ہر حیثیت سے مسلم اور ہر پہلو سے ثابت شدہ ہے اور اعمال کا کوئی میدان ایسا نہیں جہاں یہ تین گروہ نہ پائے جاتے ہوں۔ پھر انبیاء علیہم السلام کے بعد داصلین کے بھی دو گروہ ہیں۔ اول وہ مشائخ صوفیہ میں کہ جنہوں نے حضور علیہ السلام کی متابعت کے سبب وصول کا مرتبہ پالیا ہے۔ اور پھر مخلوق کی دحوت کی طرف بطریق متابعت شرع متوجہ ہونے پر مامور و ماذون ہوئے ہیں اور یہ گروہ کامل و مکمل افراد کا ہے۔ کیونکہ خداوند عالم جل شانہ کی ازلی عنایت اور فضل نے ان کو جمیعت کے چشمہ اور توحید کے بحر میں غرق ہونے کے بعد بقا کے میدان میں صحیح سلامت پہنچا دیا ہے۔ تاکہ لوگوں کو راہ نجات و بلندی درجات کا نشان دیں دوسرا گروہ وہ ہے کہ درجہ کمال کو پہنچنے کے بعد مخلوق کی طرف رجوع کرنا اور تکمیل کا اوروں کی سپردگی میں دنیا ان کو میسر ہی

نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ تو جمیعت کے چشمہ اور توحید کے سمندر میں ایسے غرق ہوتے ہیں کہ تفرقہ کے ساحل یا بقا کے میدان تک پہنچنے کی ان کی کوئی خبر ہی نہیں ملتی۔ اور نہ ان کا کوئی اثر پہنچتا ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ بعد کمال وصولِ ولایت اور دل کی تکمیل ان کے پیچڑ ہی نہیں ہوتی۔ بزرگانِ دین کے ملفوظات میں لکھا ہے کہ اہل سلوک بھی دو قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ ایک وہ بومعہ بداعلے کے طالب اور ذاتِ احدیت کے مرید ہوتے ہیں۔ یعنی اسی کو چاہنے کے لئے اپنی زندگیوں وقف کر دیتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا ہے کہ **يُؤَيِّدُ دُونَ وَجْهِهِ** اسی کی ذات کا ارادہ رکھتے ہیں اور اسی کو چاہتے ہیں) دوسرے وہ جن کا ارادہ آخرت میں کامیابی اور جن کی طلبِ جنت کی باریابی ہے۔ یعنی وہ حسب ارشاد کلامِ پاک **وَمِنْكُمْ مَنْ يُؤَيِّدُ الْآخِرَةَ** بہشت کے طالب اور آخرت کے مرید ہیں۔

پھر فرمایا کہ اسی طرح عام طالبانِ حق بھی دو گروہوں میں منقسم ہوتے ہیں۔ ایک گروہ متصوفیہ کا ہے۔ جو نفوس کی بعض صفات سے تو پھوٹ گئے ہوں، مگر صوفیوں کے بعض حالات و صفات ان میں پائے جاتے ہوں۔ مگر وہ نفسانی خواہشات کے احاطہ سے ابہر نہ نکلے ہوں اور مقامِ قربِ صوفیہ سے پیچھے رہ گئے ہوں۔ دوسرا گروہ ملائقیہ کا ہے۔ کہ وہ اخلاص و صدق کی رعایت و محافظت میں نہایت ہی سعی کرتے ہیں اور بندگی و عبادت کے اخفا میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔ اور ایسا کرنا ضروری جانتے ہیں باوجودیکہ اعمالِ صالحہ سے کوئی دقیقہ فضائل و نوافل تک کی بجا آوری کا فرو گذاشت نہیں کرتے۔ پھر بھی بگمانِ ریاکاری عبادت کے طور سے حیران و ترساں ہوتے ہیں اور ہر وقت ایسے خوفزدہ رہتے ہیں کہ جیسے گنہگارِ اظہارِ گناہ سے ڈرتا ہے۔ بعض فقرا کے نزدیک اس گروہ کی تعریف یوں کی گئی ہے: **الْمَلَامَتِي هُوَ الَّذِي لَا يُظْهِرُ خَيْرًا وَلَا يُظْهِرُ شَرًّا** یعنی ملامتی وہ گروہ ہے کہ جو نیکی کو ظاہر نہ کرے اور بُرائی دل میں نہ رکھے یہاں سے پورے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ گروہ اگرچہ نادر الوجود اور شریف الحال ہے۔ لیکن ابھی تک ان کی نظر سے مخلوق کے وجود کا حجاب نہیں اٹھا اور باوجود اس بات کے کہ یہ گروہ نیکی کرنے اور چھپانے میں نہایت حریص ہوتا ہے۔ مگر فی زمانہ بعض جہلاء نے اس گروہ کے صرف ظاہری نام اور کام سے نفع اٹھاتے ہوئے ملامتی کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ غیر شرع دین کا منحرف فقر اور اصولِ فقیر محمدی کا منکر، عمل میں کمزور، علم میں بے طور اور خدا کے اوامر و نواہی کی علانیہ سرکشی اور سرتابی کرنے والا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ تعریف نہایت لغو اور اس مشرب و مسلاک کے درویشوں کے اصول کے خلاف ہے۔ بلکہ جو شخص اس تعریف کا قائل ہوتا ہے۔ وہ ایک محفوظ و مصئون عن الوسوس طبعی کی

توہین کرتا ہے۔ اور اس گردہ پاکٹ تھمت لگاتا ہے۔

ہمارے شیخ سلسلہ شیخ الاسلام ابو نجیب سروردی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ تاسیخ تصوف کی رو سے یہ فرقہ ملائقیہ کوئی نیا فرقہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ خود نفس طریق ملائقیہ کی عظمت کے پوری طرح قائل ہیں اور فرماتے ہیں کہ یہ ایک معزز حال اور بلند مقام ہے۔ یہ سنت نبوی علیہ السلام اور انصار صحابہ کرام سے تمسک اور مرتبہ اخلاص کی تحقیق کا نام ہے۔

مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ بہت بعد کے شخص ہیں۔ لیکن شیخ کے اسی نکتہ اجمال کی شرح و توضیح وہ بڑی خوبی سے اپنی زبان سے فرما گئے ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ملائقیہ اس فرقہ کو کہتے ہیں جن کی انتہائی کوشش مرتبہ صدق و اخلاص کے برقرار رکھنے کی ہوتی ہے۔ اور ریاء کاری و نمائش کی ہوا بھی اعمال و طاعات کو نہیں لگنے دیتے اور طاعات و حسنات کو نظر خلائق سے مخفی رکھنے میں انتہائی طریق پر کوشاں رہتے ہیں وہ اعمال صالحہ سے کوئی بڑبڑک بھی نہیں چھوڑتے۔ فرائض و نوافل کی بجا آوری کا انتہائی اہتمام رکھتے ہیں اور جن اخلاق کے تحقق میں لگے رہنا اس جماعت کا مسلک ہے انہیں لذت اسی میں آتی ہے کہ ان کے اعمال و احوال پر صرف ان کے خالق کی ہی نظر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی طاعت کو چھپانے میں البیہ اہتمام رکھتے ہیں کہ دوسرے لوگ اپنی معصیت کے چھپانے میں اتنا نہیں لکھتے وہ ہر لحظہ اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ اخلاص کامل میں دھبہ اور اعمال صالحہ میں ریاء کا شائبہ ظاہر نہ ہونے پائے۔



تصوّت اور متعزّزین

ہر صوفی مسلمان سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ تصوّت پر کس بیدردی سے نکتہ چینیوں ہو رہی ہیں اور کن کن تاویلات باطلہ اور تشریحات رقیقہ سے اڑی چوٹی کا زور لگا کر متعزّزین کو رہبانیت کی وادی کے ساکن ثابت کرنے کی سعی کی جا رہی ہے۔ چنانچہ کتاب صراطِ مستقیم کے مصنف اسد الرحمن صاحب بھوپالی بھی باوجود اپنے آپ کی بیطرفیت ظاہر کرنے کے اس مسئلہ میں غلو کرنے سے باز نہیں رہے اور لکھتے ہیں کہ :-

بعض صاحبِ ذوق علماء نے اشرافین کی پیروی کی اور اسلامی اعمال کو اشرافی اصول پر ترتیب دیا یہ تصوّت اسی کا ثمرہ ہے۔

۲۔ ماہرین علم الاصول نے نظریات کا تصوّت نام رکھا۔

۳۔ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں جب تمام ادیان و مذاہب سے حضراتِ اہل تصوّت آشنا ہوئے تو ہر ایک کے عقائد و اعمال میں سے اپنے مفید مطلب امور اخذ کر کے ایک عجیب و غریب مجموعہ تیار کر لیا۔

۴۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں تصوّت نے ایک ہمہ گیر عظمت حاصل کر لی اور جو گیلان ہند کے علوم قدیم سے بہت سے معتقدات و اعمال اخذ کر کے داخل تصوّت کئے گئے۔ اور ایک معجون مرکب تیار ہو گیا۔ اور دسویں صدی ہجری کے بعد سے تو تصوّت ایک طلسم ہو شراب بن گیا۔ معاذ اللہ کن کن طریقوں سے بخل کا اظہار ہوتا ہے اور کس کس رنگ میں بندگانِ خدا کی اور ان کے ایک پاکیزہ طریق کار کی مخالفت کی جا رہی ہے۔ اور بعض لوگ تو صوفی کے ساتھ باطنی بغض کے معاملہ میں یہاں تک بڑھ چکے ہیں کہ صوفی تو درکنار صوفی کے نام اور لفظ تک کو شور اور ملیچہ کا درجہ دیتے ہیں۔ بلکہ صوفی کے ساتھ اس لفظ صوفی کی بھی وہ مخالفت کرتے اور گت بناتے ہیں کہ تو یہ ہی بھلی ہے۔ صوفی اور اس کا فعل کسی حد

تک بھی تک اور قابلِ تحسین کیوں نہ ہو، ان چودھویں صدی کے خود رائے مجتہد مل کے نزدیک گردن زدنی ہی ہے۔ ان لوگوں نے مخالفانہ رنگ میں یہاں تک تجاوز کیا ہے کہ لفظ اور عمل صوفی کو باطل قرار دینے کیلئے سرکارِ انبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات ظاہری سے لے کر آج تک کچھ اس کٹختی سے گھسیٹا ہے کہ گویا جہادِ افضل لفظ صوفی اور تصوف ہی کو مٹانا ہے۔ کسی نے صوفی کے عمل کی تحقیق میں قلم اٹھایا تو کسی نے لفظ صوفی اور تصوف کے مادہ اشتقاق میں ٹوہ لگائی۔ چنانچہ بھوپالی صاحب کے علاوہ ایک اور اعظم گڑھی محقق نے لکھا ہے کہ عہد رسالت اور صحابہ میں اصحابِ صفہ کے سوا کوئی شخص یا کوئی گروہ کسی خاص لقب سے نہیں پکارا گیا۔ اس کے بعد تابعین اور تبع تابعین کے لقب ایجاد ہوئے۔ اس کے بعد بزرگانِ دین کو زاہد عابد کے لقب سے پکارا گیا۔ لیکن صوفی یا تصوف کے لفظ سے لوگ بالکل نا آشنا تھے۔ اس لئے لفظ صوفی کو کوئی مذہبی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ پھر جب بدعات کا ظہور ہوا اور مختلف فرقے پیدا ہو گئے تو ایک جماعت زیادہ کے لئے صوفی کا اسم بھی ایجاد ہو گیا۔ لہذا ہر اس اسم صوفی کی کوئی وجہ اشتقاق معلوم نہیں ہوتی اور نہ یہ اسلامی یا عربی زبان کا لفظ ہے بلکہ یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کا مادہ سووت ہے۔ جس کے معنی یونانی زبان میں حکمت کے ہیں۔ اور دوسری صدی میں جب یونانی کتابوں کے ترجمے ہوئے تو یہ لفظ عربی میں آیا۔ چونکہ حضرات صوفیہ میں اشرافی حکما کا انداز پایا جاتا تھا۔ اس لئے لوگوں نے ان کو سُوفی (حکیم) کہنا شروع کر دیا۔ اور رفتہ رفتہ یہ لفظ سُوفی سے صوفی ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ غوث بن مُرنے خانہ کعبہ کے پاس سب سے پہلے اپنے آپ کو خدا کی خدمت کیلئے وقف کیا تھا۔ اور اس کا مشہور نام صوفہ تھا۔ اس لئے جن لوگوں نے اپنے آپ کو اس کی طرف منسوب کیا۔ وہ صوفیا کہلائے۔ اور غوث بن مُرنے کو صوفہ اس لئے کہتے تھے کہ اس کی ماں کی کوئی اولاد زندہ نہ رہتی تھی۔ اور اس نے منت مانی تھی کہ اگر اس کی کوئی اولاد زندہ رہی تو وہ اُس کے سر پر اون لگا کر اس کو کعبہ پر دقت کر دے گی۔ چنانچہ اس نے ایسا کیا۔ تو غوث بن مُرنے کا نام صوفہ پڑ گیا۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ صوفانہ سے مشتق ہے۔ جو ایک قسم کی گھاس ہوتی ہے۔ چونکہ صوفی لوگ صحرا کی گھاس پات کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ اس لئے اس نام سے مشہور ہو گئے۔ اور بعض نے تو یہاں تک تشدد سے کام لیا ہے کہ یہ نام سینٹ صوفیہ گرجا کے رہنے والے راہبوں کی وجہ سے جو اپنے آپ کو تارک الدنیا

کہتے تھے مسلمان درویشوں میں آیا ہے۔ اور اسی تاویل کے ماتحت وہ اس کو اسلامی لفظ بھی نہیں مانتے۔

غرضیکہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ کسی خدا کے بندے نے اپنی لائیت پرستی کے ماتحت بھول کر بھی اس کا یہ مفہوم نہیں سمجھا کہ لفظ صوفی کا تعلق صفائی ظاہری و باطنی سے بھی متعلق ہو سکتا ہے۔ یا صوفی صفا سے مشتق ہے اور اس کو اہل باطن اہل صفا پر استعمال کرتے ہیں۔ یا جو لوگ کدورت بشریت سے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ ان کو صوفی کہا جاتا ہے۔ یا اصحاب صفہ کے باقیات صالحات صوفی کے لقب سے موسوم ہوتے ہیں۔ تاہم صوفی کے لئے کس قدر مقام شکر ہے کہ مخالفین باوجود شدت مخالفت کے بھی تصوف اور صوفی کا کوئی تاریک پہلو پیش نہیں کر سکے۔ ورنہ ان کے ہاتھ میں قلم مخفا۔ کعبہ شریفہ پر عبادت کے لئے زندگی وقف کرنے والوں پر کوئی اور بھی بے سرو پا الزام لگا دیتے یا کعبہ کی بجائے کسی بت خانہ سے ہی منسوب کر دیتے تو ان کا کوئی کیا کر لیتا۔ خدا کی پناہ یہ یک طرفہ فیصلہ بھی عجیب معاندت ہے۔ کاش کہ وہ تصوف کا مادہ اشتقاق تلاش کرنے سے پہلے اور صوفی کو بدعتی کا لقب دینے سے قبل ذرا ٹھنڈے دل سے اس پر بھی غور کر لیتے۔ کہ یہ یونانی لفظ تھیا صوفی کا چرہ ہے جس کے معنی حکمت خدا ہیں۔ پھر اس نقطہ نگاہ سے صوفی کا اطلاق اس شخص پر کیا جائے گا جو حکمت خدا کا طالب ہو۔ صوفیا، دراصل وہی بزرگ تھے جنہوں نے دنیوی مشاغل کو ترک کر کے اپنی زندگی حکمت خدا کی تلاش اور چھان بین میں صرف کر دی۔ ایمان میں تصوف کی تاریخ ایک طویل مدت کو گھیرے ہوئے ہے۔ طوائف الملوکی کے زمانہ میں ایران کے ذہین طبقہ نے حکمت خدا کی طرف رجوع کیا۔ ان بزرگوں نے نہ صرف نفس انسانی اور اس کے وظائف کو مانپنے تو لے کر گوشش کی۔ بلکہ اپنے زمانہ کے استبداد کے خلاف بھی ایک خاموش قسم کا عدم تعاون کیا۔ اور اس کے علاوہ انسانی حقوق کی پامالی کے خلاف احتجاج کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا پرست اور جاہ پسند لوگوں نے ہمیشہ صوفیاء کو ذلیل کرنے کی گوشش کی۔ مگر ان صوفیاء کرام کے عملی کارنامے ہمارے سامنے ہیں۔ گو ان کا وجود دنیا میں موجود نہیں۔ اس کے علاوہ وہ سلاطین بھی موجود نہیں جن کے تشدد اور بے رنجی کا انکو تختہ مشق بننا پڑا۔ تاہم ہمارے دل میں ان جلیل القدر فرزندان اسلام اور انسانیت کے سچے عاشقوں کے علمی اور عملی آثار موجود ہیں۔ جو ان کی عظمت کے زندہ شواہد ہیں۔ اور انہی آثار کے ذریعہ قیامت تک ان کی یاد ہمارے دلوں میں محفوظ رہے گی۔ کاش ہمارے ملک کے اہل علم حضرات اسلامیات کے اس اہم حصہ کی جانب بھی توجہ فرماتے۔ جس سے معاندین تصوف کا یہ مغالطہ دور ہو جاتا۔ فقیر کہتا ہے کہ

اگر صوفی کا لفظ حضور علیہ السلام کے زمانے میں رائج نہ ہونے کی وجہ سے بدعت اور قابل نفرت ہے تو اہل حدیث، اہل قرآن دیوبندی، وہابی، شیعہ، احمدی، مرزائی، ندوی اور لیڈر کب رائج تھے۔ کانگریسی، لیگی، احراری، خاکسار، پہلی پوش سرخ پوش، خدائی فوجدار کہاں تھے؛ حکیم الامت، علامہ، مولانا، مولوی کا کب ذکر ہوا تھا؛ کبھی تو خود خدا کے ماتحت مولائیت، مولائیت یا مولویت کے الفاظ کا مادہ اشتقاق بھی تلاش کرنے کیلئے قلم اٹھایا ہوتا۔ کیا صحابہ کرام کی جماعت میں کوئی بزرگ مولوی ابوہریرہ یا مولانا معاذ بن جبل یا ثقلان ابن سعود یا علامہ ابن عباس یا حکیم الامت ابن عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین مشہور تھے۔ اگر مخالفین کے اپنے گھر میں یہ بدعت دھڑتے سے جاری ہے تو بچارے صوفی کو لفظ صوفی کے عجیب و غریب اشتقاقات بتاتا کر کیوں شرمایا جاتا ہے رح

اہل گناہیت کہ در شہر شام نیز کنند

معارض اتنا بھی نہیں سوچ سکتا۔ کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے کوئی دوسرا تعظیمی لفظ مستعمل ہو ہی نہیں سکتا۔ اس لئے کہ ان کے جتنے بھی فضائل تھے سب سے اشرف و اعظم انکی فضیلت صحابیت میں تھی۔ کیونکہ صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام بزرگیوں اور فضیلتوں سے بڑھ کر ہے۔ ان کا زہد، فقر، توکل اور عبادات صبر و رضا جو کچھ بھی ان کے فضائل تھے ان سب پر ان کا شرف صحابیت غالب تھا۔ پس جب کسی کو لفظ صحابی سے ملقب کر دیا گیا تو اسکے فضائل کی انتہا ہو گئی اور باقی کوئی محل ہی صوفی یا کسی دوسرے تعظیمی لفظ کا نہیں رہا۔ جس سے اس کو یاد کیا جائے۔

اگر اس تقسیم خطابی پر ذرہ بھی غور کیا جائے تو سمجھ آ جائے گی۔ کہ صوفی یا مولوی مذہبی گروہ کی قسمیں نہیں۔ بلکہ یہ آدمیوں کے اقسام ہیں۔ بعض آدمی صوفی منش اور بعض مولوی صفت ہوتے ہیں۔ بہر حال ہر مومن یا دیندار صوفی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ کوئی مومن ایمان و عمل صالح کے ساتھ جب موافق ہوتا ہے تو اسی کو عام لوگ صوفی کہتے ہیں۔ اسی طرح جب مولوی بھی ایمان و عمل کے دائرہ میں قدم رکھتا ہے تو اپنی مولویت کے جس ایمان کو پاتا ہے اس پر مولویت کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ کیا یہ تسلیم نہیں کہ تصوف کو تو اس قدر کرید آجائے اور مولویت کے لئے غور بھی گناہ عظیم سمجھا جائے۔ کیا مولوی کا مادہ اشتقاق تلاش کر نیوالے کو اس قدر وسیع میدان نہیں مل سکے گا۔ افسوس کہ آج یہ مسلمان جن کے پاس لے دیکر قرآن و حدیث اور فقہ و تصوف کا ہی سرمایہ محافظہ ایمان تھا، خود بخود اس کے نیست و نابود کرنے کے درپے ہو رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمان کے پاس جو کچھ ہے سب کا نامادہ ہے۔ اور بعض چیزیں اگر آج کارآمد نہیں سمجھی جاتیں تو کل (گذشتہ) تک وہ ضرور کارآمد چیزیں تھیں۔ فقیر

کا مطلب ان الفاظ سے محض یہ ہے کہ جن بزرگوں نے جو کچھ کیا اپنے زمانے میں نور نبوت کے ماتحت کچھ دیکھ کر کیا۔ اور وہ اس پر مامور تھے۔ اب ان پر نصرت کرنا یا یہ کہنا کہ ہمارے وقت کے لئے ان کی مساعی کا رآمد نہیں کس طرح حق بجانب سمجھا جاسکتا ہے۔ صدیوں کی مخلصین اسلام کی محنتوں کو اکارت قرار دے دینا اور چند لمحوں میں ایک باخدا جماعت کے حق میں ایک طرفہ معاندانہ ڈگری جاری کر دینا بڑی زود کاری ہے۔

ایسی ہی غلط فہمیوں کی اصلاح کے لئے جن میں اکثر علماء، ظاہر اور صوفیاء ناقص مبتلا رہتے ہیں۔ علامہ ابوالنضر سراج نے اپنی بابرکت تصنیف کتاب اللع میں وہ کچھ ارشاد فرمایا ہے کہ جس کے پڑھ لینے کے بعد ایسے شکوک و ادہام قریب ہی نہیں بھٹکتے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ کہ:-

اللہ تعالیٰ نے تمام مومنین سے بلند و بالا مرتبہ ان کا رکھا ہے جو اولی العلم اور قائمین بالقسط اور ملائکہ کے بعد انہی کی شہادت پیش کی ہے۔ چنانچہ فرمایا شَهِدَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَالْأَعْلَمُ قَائِمًا بِالْقِسْطِ۔ اور انحضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علماء کو جانشین انبیاء علیہم السلام ارشاد فرمایا ہے۔ سورہ القاب میری تحقیق میں ان لوگوں کے حق میں وارد ہوئے ہیں جو کتاب اللہ کا سرشتہ مضبوط تھامنے والے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کے لئے کوشاں اور صحابہ اور تابعین کے نقش قدم پر چلنے والے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء متعین و صالحین کی راہ اختیار کرنے والے ہیں اور ایسے اشخاص کو طبقات سے گاہ میں رکھا جاسکتا ہے۔

ایک طبقہ ارباب حدیث کا ہے، دوسرا فقہاء کرام کا، تیسرا صوفیاء عظام کا۔ بس یہی طبقات سے گناہ اولو العلم اور قائم بالقسط کہے جانے کے مستحق ہیں جو انبیاء علیہم السلام کے جانشین ہوتے ہیں۔

بہت سے امور تو صوفیہ اور محدثین و فقہاء کے درمیان مشترک ہی ہوتے ہیں اور جو عقائد ان کے ہوتے ہیں۔ وہی ان کے بھی ہوتے ہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی یہ اور وہ دونوں گروہ اپنے لئے واجب سمجھتے ہیں علوم و فنون سے جس طرح وہ کام لیتے ہیں یہ بھی لیتے ہیں۔

لیکن اس اشتراک کے بعد صوفیاء انواع عبادات، حقائق طاعات اور اخلاق جمیلیہ سے جن درجات عالیہ اور منازل رفیعہ کو طے کرنے لگتے ہیں، وہاں تک علماء ظاہر اور فقہاء اور اصحاب حدیث کی رسائی نہیں ہو سکتی اور صوفیاء کے امتیازی خصوصیات سے جن میں دوسرے طبقات ان کے ساتھ شریک نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان کی توحید بالکل خالص

ہوتی ہے۔ غیر اللہ سے وہ کسی صورت بھی دل نہیں اٹکاتے اور ان کی کو صرف اللہ ہی سے لگی رہتی ہے۔ وہ اللہ ہی پر نظر رکھتے ہیں اور ان کا تمام پر مقصود و مطلوب اللہ ہی ہوتا ہے۔ وہ قناعت کو اپنا شیوہ بنا لیتے ہیں۔ قلیل کو کثیر پر ترجیح دیتے ہیں۔ غذا، لباس اور ہر قسم کے سامان دنیوی سے صرف مایحتاج کو اختیار کرتے ہیں۔ بجائے تو نگری کے تنگ دستی، بجائے سیری کے گرسنگی، بجائے افراط کے قلت، بجائے جاہ و شہمت کے تواضع ان کی پسندیدہ خصلتیں ہوتی ہیں تمام علائق و اسباب سے قطع نظر کر کے صرف رب العزت جل و علا شانہ پر بھروسہ رکھتے ہیں۔ نیکیوں اور طاعتوں کی جانب خلوص نیت کے ساتھ پیش قدمی کرتے ہیں۔ بلا، الہی پر صابر اور قضاء، الہی پر راضی رہنا ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے۔ ان کے تمام اوصاف و اخلاق سنت نبویؐ اور آثار صحابہؓ کی مطابقت میں ہوتے ہیں۔ گویا سب سے بڑا صوفی وہ ہے جو سب سے زیادہ عامل بالقرآن اور متبع سنت ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جب عرصہ تک اپنے علم و معلومات کے مطابق عمل کرتے رہتے ہیں تو اللہ کریم انکو وہ علم بھی عطا فرما دیتا ہے جو پیشتر انہیں حاصل نہ تھا۔ اور یہ علم ان ہی کے ساتھ مخصوص رہتا ہے۔ وہ ان کے نفوس میں تزکیہ اور قلوب میں جلا پیدا کرتا ہے۔ کثرت معاصی و شہوات، حب جاہ، طمع، حرص، خود پسندی وغیرہ سے بوزنگ الوح قلوب پر جما ہوتا ہے، وہ دھل جاتا ہے۔ اس وقت ان پر اسرار غیب منکشف ہو جاتے ہیں اور ان کی زبانیں حقائق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔

یاد رکھئے کہ اسلام اگر فطری اور ابدی مذہب ہے، تو اس کی روح تصوف بھی ابدی ہے۔ اور جہاں تک تحقیق تصوف کے ساتھ زہد و عبادت اور مجاہدہ و ریاضت کی روشنی کا تعلق ہے۔ تصوف کی ابتدا خود آغاز اسلام ہی میں ہو چکی تھی چنانچہ اسی کے عمل و علم کے ماتحت حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک مقدس و ممتاز جماعت نظر آتی ہے۔ جن کی طبقات ابن سعد قسم اول جلد دوم صفحہ ۲۸۷ میں حضرت عثمان بن مطعون، حضرت باہلی، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت ابوذر غفاری رضوان اللہ علیہم اجمعین اور اصحاب صفہ ایسی جلیل القدر بہتوں کی ایک فہرست ملتی ہے۔ جو خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے مطابق اسلام کے دینی مقاصد کی تکمیل کیلئے قیام پذیر ہوئی۔ جن کا شیوہ یہ تھا کہ اپنی زندگی عبادت، تعلیم قرآن و حدیث اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت پذیری پر ہی وقف سمجھتے، ان کے معاش کے مختلف ذرائع تھے کچھ لوگ تو جنگل سے لکڑیاں چن کر لاتے اور ان کو فروخت کر کے اپنے بھائیوں کیلئے کھانے پینے کا سامان ہتیا کرتے۔ اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوتی شاخیں توڑ کر لاتے اور مسجد کی چھت میں لٹکا دیتے۔ جو بوجھیں ان شاخوں سے ٹپک ٹپک کر گرتیں

یہ لوگ ان کو اٹھا کر کھا لیتے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں جب کہیں سے کسی قسم کا پاکیزہ کھانا آتا۔ تو حضور ان کے پاس روانہ فرمادیتے اور جب دعوتوں پر ضروری سمجھتے تو ان کو بلا کر ان کے ساتھ خود بھی بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضور علیہ السلام اس جماعت کے افراد کو کھانے کیلئے مہاجرین و انصار پر تقسیم بھی فرمادیتے اور اپنی اپنی مقدور کے مطابق ہر شخص ان میں سے ایک ایک دو حضرات کو اپنے ساتھ لے جا کر کھانا کھلاتا۔ حضرت سعد بن عبادہؓ جو نہایت دولت مند اور مخیر صحابی تھے، بعض اوقات مسجد کے اسی اسی مہانوں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور کھانا کھلاتے۔ حسب تحقیق علامہ شبلیؒ ان حضرات کی تعداد چار سو کے قریب تھی۔ لیکن ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی اور نہ ہی صفہ میں اس قدر گنجائش تھی۔ بلکہ یہ تعداد گھٹتی چلتی رہتی تھی۔ چنانچہ ان لوگوں کا مفصل حال علامہ ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۵۰ھ صحری المقدس ابو ابن منذرہ کے استاد تھے، نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے۔

علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام میں لکھا ہے جس میں ایک سو آدمیوں کے نام بترتیب سجا مذکور ہیں۔ اصحاب صفہ کا بخاری شریف باب المغازی وغیرہ میں اور صحیح مسلم میں حسبہ حسبہ مقامات پر ذکر کیا گیا ہے۔ نیز مسند ابن حنبل جلد دوم صفحہ ۱۳ اور کچھ اضافہ کے ساتھ ذرقانی میں بھی درج ہے۔ بلکہ بالوضاحت یوں بھی بیان ہوا ہے۔ کہ ان لوگوں کے بال بچے نہ تھے اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل جاتے تھے۔ یہ حضرات دن بھر بارگاہ نبوت میں حاضر رہتے اور حدیثیں سنتے اور رات کو چوہوتہ پر پڑھتے۔ ان کے پاس چادر اور تہ بند دونوں چیزیں ایک ساتھ کبھی موجود نہیں ہوتیں۔ یعنی چادر ہوتی تو تہ بند نہ ہوتا اور تہ بند ہوتا تو چادر نہ ہوتی۔ چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ راتوں تک لٹک آتی۔ جسکو پنجابی میں گلی مارنا کہتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کو ان لوگوں کا استغدر خیال تھا کہ ایک مرتبہ حضرت خاتون جنت عیسیٰ بنت مریمؑ رسول اللہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھلے پڑ جانے کی شکایت کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک کنیز کی درخواست کی تو حضورؐ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہو سکتا۔ تم کو کنیزوں اور صفہ والے بھوکوں مریں۔ سبحان اللہ صفہ والوں پر کتنی رحمت تھی۔

مگر ان مقدس انسانوں کی اس کیفیت کو رہبانیت سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بلکہ قرآن کریم میں تحت آیۃ لا یسئلون الناس الحاناً (یعنی وہ لوگ چمٹ کر سوال کرتا نہیں جانتے) سے بعض مفسرین نے یہی جماعت مراد لی ہے۔ لیکن اس کے برخلاف موجودہ دور کے بعض غرض پرست ملائوں نے تصوف کو بدنام کرتے وقت ان حضرات پر بھی اتہام

لگای دیا ہے۔ لاہول ولاقوۃ۔ اگر ایسا ہوتا تو حضور علیہ السلام ان کی حمایت و اعانت کیوں فرماتے۔ بلکہ یہ جماعت رہبانیت کے ماتحت علم و عمل کی بنا پر ممنوع قرار دیدی جاتی۔ حالانکہ ایسا نہیں ہوا۔ اور نہ ہو سکتا ممکن تھا۔ اہل دل ہمیشہ سے جہان میں موجود رہے ہیں اور اس وقت تک خدا کے فضل سے دنیا میں موجود رہیں گے۔ جب تک اس جہان کا قیام رہے گا اور خدائے واحد جل شانہ اپنے مقبول درپستار بندوں سے دنیا کو ہمیشہ آباد رکھے گا۔ اور اس کے عبادت گزار و مخلصین کبھی ذلیل و خوار نہیں ہوں گے۔ چونکہ یہ مسئلہ حقیقت ہے کہ اسلام فطری اور ابدی مذہب ہے۔ لہذا اسکی ظاہری و باطنی، صوری و معنوی حقیقت (تصوّت) کو بھی بفضلہ تعالیٰ زوال و نقصان کا اندیشہ نہیں، خواہ معاندین و مادہ پرست اس پر ہزار حملے کریں۔ شعر

شورِ بزمِ آواز و خواہند
مقبلاں را ز فالِ نعمت جاہ
گر نہ بیند پردِ شیرِ چشم
چشمہ آفتاب را چہ گناہ

پس اہل حرص و ہوا کی علالت اور ظاہریت کے حامیوں کی بطالت اس مسئلہ میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی۔ کہ خدائے واحد کے مقدس ذکر سے قلوب مومنین خالی ہو جائیں اور نفس کے پجاری حق پر فتح حاصل کر سکیں۔

تصوّت کی ابتدا تصوّت اپنے عمل پہلو کے لحاظ سے ایک وہ طریق کار ہے جسکی ابتدا جیسا کہ پیشتر ازیں ذکر ہوا ہے آغاز اسلام ہی میں ہو چکی تھی اور یوں کہنا بے جا نہ ہو گا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام (فداہ امی

وامی) کے باطنی و صوری کوائف اور رب العزت کے حضور میں وہ پاکیزہ و پسندیدہ ادائیں (جو اعلانِ نبوت سے قبل اور اظہارِ نبوت کے بعد حصولِ معرفت و نوشنودی باری تعالیٰ کے معاملہ میں ظہور میں آئیں) اکائِمِ تصوّت

ہے۔ مگر بعض مخالفین تصوّت نے اہل تصوّت کے قتلِ معاملہ میں اور ترکِ دنیا کے خیال کو جو کسی خاص سبب سے ایک وقت

معین کے لئے اہل تصوّت میں پایا گیا۔ نہایت غلط بیانی اور ہٹ دھرمی سے رہبانیت کی سرحد میں ملانے کی کوشش کی

ہے۔ اور یہ اُن لوگوں کی اخلاقی و علمی کمزوری ہے، کیونکہ وہ دیکھتے ہیں کہ ایک طالب علم حصولِ علم دین کیلئے، ایک کاروبار

حصولِ معاش کیلئے، ایک سیاح اپنے مشن کیلئے، ایک ملازم اطاعتِ حکمران کیلئے اگر سالہا سال تک گھر اور وطن سے دور

رہتا ہے اور اسکی زندگی پر رہبانیت کا شبہ بھی نہیں کیا جاتا۔ تو پھر کیا یہ نافی نہیں کہ ایک حق کے متلاشی نے اسی طالب علمانہ

طریق پر اگر چند سال زہد و ریاضت میں گزار دیئے یا اصلاحِ نفس کیلئے کچھ عرصہ کسی پیرِ طریقت کے ارشاد پر بادیہ پیمائی کی

تو اس پر چھٹ رہبانیت کیوں ٹھونس دی جائے۔ جبکہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین کی مقدس

جماعتوں میں بھی خود ایسے لوگ پائے جاتے ہیں۔ جن کا وہی عمل تھا جو آج کل کے ایک خدا شناس صوفی کا ہے۔ اور حضور علیہ السلام نے ان کو صوفی کے اس کام سے نہ مطلع فرمایا۔ اور نہ ہی ان کے اس عمل کو رہبانیت کی کڑی سے تعبیر کرنے کا حکم دیا۔

متصوفین حضرات کے تمام مضامین تصوف اور کتابوں میں یہ امر بطور قدر مشترک کے پایا جاتا ہے۔ کہ تصوف اور صوفی پرتقید کے وقت یہ لوگ مریدوں (صحابہ کرام) کو تو دیکھتے ہیں، لیکن عین اسی وقت ان کے پر (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ حالانکہ یہ ایک حقیقت ہے۔ کہ اگر ان لوگوں کی نظریں دوزلوں جانت ہوئیں، تو ان کی بہت سی غلط فہمیوں کا خود بخود ازالہ ہو جاتا۔ انہیں اس کو یہ توفیق حاصل نہ ہوتی۔ اور تعصب کے ماتحت یک چشم ہی رہے۔

اگر یک چشم بربندم گناہیت و گراہرد و بنیم شرط راہیت

مقام غور ہے کہ کتنی تنگ و دو کے ساتھ صوفیوں کے فعل چلہ کشی کو بدعت کا رنگ دے کر اچھا لاجاتا ہے اور یہ محض اس لئے کہ ان لوگوں کے زعم باطل میں صوفی کا چلہ کشی کرنا رہبانیت کا جزو اعظم ہے۔ حالانکہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسی اولوالعزما اور پیغمبرانہ شان رکھنے والی ہستی کے لئے (چلہ) یعنی عبادت کیلئے چالیس دن کی میعاد مقرر فرمائی جانے کا بڑی وضاحت سے ذکر ہے۔ صوفیوں کی چلہ کشی کو اگر بے معنی اور خود کشی بھی مان لیا جائے تو یہ بتائیے کہ قرآن کریم کی اس اربعین (چلہ) میں کیا حکمت تھی۔ اگر مولا کریم موسیٰ علیہ السلام سے کوئی راز دارانہ بات ہی فرمانا چاہتے تھے۔ تو یوں ہی بغیر چلہ (اربعین و تثنین) کے بھی فرما سکتے تھے۔ کیا حق تعالیٰ اس امر پر قادر نہیں (نعوذ باللہ) کہ بلاؤ، قورمہ، قلیہ کھلا کر نرم قالین پر بیٹھے ہوئے اپنے ایک بندے سے مخاطبت فرمائیں، ہو سکتا ہے اور ضرور ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کے ایک اور قصہ پر غور فرمائیے کہ زکریا علیہ السلام اولاد کے لئے دعا فرماتے ہیں جواب میں یہ خوشخبری ملتی ہے کہ ہم تجھ کو یحییٰ نام کا بیٹا عطا فرمائیں گے۔ عرض کرتے ہیں، الٰہی وہ کیونکر ہو گا میں بوڑھا ہوں اور بوی بیری بچہ ہو چکی ہے۔ فرمایا ہاں ملے گا۔ اور ضرور ملے گا۔ عرض کیا کوئی نشانی فرمائی جائے۔ فرمایا تو تین دن خاموشی (پپ) کا روزہ رکھ اور بغیر اشارہ کے کسی سے بات نہ کر اور اللہ تعالیٰ کا صبح و شام کثرت سے ذکر کر جو حضرت زکریا علیہ السلام کو بیٹا ملا، مگر تین دن کا یہ ایک مختصر سا پپ کا روزہ اور مجاہدہ بیٹھے کے پیدا ہونے سے کیا تعلق رکھتا تھا

جیکر بیاب العزت کی رحمت اور مہربانی ہی سے ملنا تھا معلوم ہوا کہ قدرت کے کچھ قوانین ہیں۔ اور عموماً نتائج ان ہی قوانین کی پابندی سے حاصل ہوتے ہیں۔ اگر علمی تحقیق سے کام لیا جائے تو مجاہدہ کا سب سے بڑا رکن ایک چلہ کشی ہی ہے جس کے بغیر مجاہدہ مکمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فعل چلہ کشی حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کی مخصوص چیزوں میں سے ہے۔ اور تمام اولیاء کرام اسی کی برکات سے فیض یاب ہوتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چلہ کے لئے مخصوص اور سوکھ مسائل میں سے ایک یہ مسئلہ بھی ہے کہ جس شخص کی بسا اوقات اپنی ذاتی اور قوت بازو کی کمائی پر نہ ہو۔ اس کو چلہ کشی نہ اختیار کرنی چاہئے۔ کیونکہ خیرات و زکوٰۃ کھانے والے آدمی کو اس راہ میں قدم رکھنا عبث ہے۔ اس لئے کہ مشتبہ روزی والا آدمی کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ بالخصوص قرض لیکر چلہ کشی میں روٹی کھانا تو دیر پاہل کا حکم رکھتا ہے۔ ہر قرضدار کو قرض ادا کر کے یہ شغل اختیار کرنا چاہئے، ورنہ سب کچھ رائگاں جائیگا۔ صدقات و خیرات اور قرض کی وجہ سے شکم سیری بندے میں سستی اور غفلت کے علاوہ بے حسی شقاوت قلبی اور بے غیرتی پیدا کرتی ہے۔

چلہ کے ساتھ نیت اعتکاف ضروری ہے۔ اور مدت چلہ چالیس دن ہوتی ہے۔ جسکو قرآن کریم نے بھی العین (چالیس دن) فرمایا ہے۔ اور سرکارِ دو جہاں سرورِ کائنات فخرِ موجودات سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چلہ مبارک غارِ حرا کا ذکر بھی احادیث شریفہ میں بایں الفاظ آتا ہے۔ من اخلص للہ تعالیٰ العین صباحاً ظہوراً لہ ینابیع الحکمۃ علی لسانہ من قلبہ یعنی جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے چالیس دن خلوص سے گزار دیے حکمت (رازداری) کے چشمے اس کے دل اور اس کی زبان پر چل پڑتے ہیں۔ یہاں یہ مسئلہ بھی یاد رہے کہ باطنی انکشافات کیلئے چلہ کشی میں پاکیزگی مکان و طعام نہایت ضروری ہے۔ کسی شے کا حلال اور جائز ہونا اور چیز ہے اور پاکیزہ ہونا اور ہے اور بحکم قرآن کریم جو حلال چیز پاک نہ ہو وہ خبیثات میں داخل ہے۔ مثلاً مشرکین کے ہاتھ وکان اور گھر کا کھانا ناپاکی میں سے ہے جسکی مسلمان پرواہ تک نہیں کرتے۔ پھر حضور علیہ السلام کا یہ ارشاد حَبَّبَ عَلَیْہِ الْخَلَاءُ۔ یہ خلوت کی تنہائی کیوں مرغوب کرانی لئی۔ وَادَّکُرْ سَمَ دَرَبَکَ وَتَبَتَّلْ اِلَیْہِ تَبَتَّلًا کا ارشاد (یعنی یاد کر نام رب اپنے کا اور الگ ہو طرف اسکی الگ ہونا) سے کیا مطلب تھا۔ کیا اس سے مراد انقطاع عملیات عقلی اور استحکام عملیات علوی اور اہتمام خلوت و تنہائی ہی ثابت نہیں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر کا لگاؤ نہ رہے۔ یہ غارِ حرا کا چلہ اور اس کا سارا قصہ جو بخاری و مسلم کی سند سے مروی ہے کیا ہے۔ یہ چند خشک کچے اور بہت کم مقدار کے ستوئے کر مکہ معظمہ سے چند میل دور درندول والے بیابان کی پہاڑیوں میں

سلسلہ راتیں گزارنا اور دشت عرب کے ایک ہیبت ناک کموہ میں تنہا کالی گھڑیاں بسر کرنا، چلہ کشی نہیں تو اور کیا تھا۔ اور پھر ایک بار نہیں۔ برداشت ابن ہشام (مِنْ كُلِّ سَنَةٍ شَهْرًا) یعنی ہر سال میں ایک مہینہ حضور علیہ السلام غارِ حرا میں چلہ کشی فرماتے تھے۔ چنانچہ چودھویں صدی کے نامور مورخ اور فاضل محقق علامہ شبلی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ النبی علیہ السلام کی جلد اول ص ۱۸۶ میں لکھا ہے کہ مکہ معظمہ میں تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں، حضور علیہ السلام مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے۔ وہ ہو چلتا تو پھر گھر پر تشریف لاتے۔ اور پھر وہاں جا کر مراقبہ میں مصروف ہو جاتے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ وہاں جا کر (غارِ حرا) میں تختہ یعنی عبادت فرماتے تھے۔ یہ عبادت کیا تھی۔ عینی شرح بخاری میں ہے قِيلَ مَا كَانَ صِفَةً تَعْبُدُ أَجِيبْ يَا ذَا الْكَرَّ وَالْتَفَكَّرْ وَالْإِعْتِبَارُ ترجمہ یہ سوال کیا گیا ہے کہ آپ کی عبادت کیا تھی۔ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری اور یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا حبان ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی۔ ستاروں کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی دھوکا ہوا۔ چاند نکلا تو اور بھی شبہ ہوا اور آفتاب پر اس سے زیادہ۔ لیکن جب سب نظروں سے غائب ہو گئے تو بے ساختہ پکار اٹھے اِنِّیْ لَا اُحِبُّ الْاَفْلَکَیْنِ۔ یعنی میں فانی غروب ہونے والی چیزوں کو نہیں پاتا ہوں۔

ایک مغربی مورخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی کہ

سفر و حضر میں ہر جگہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہزاروں سوال پیدا ہوتے تھے۔ میں کیا ہوں۔ یہ غیرتناہی عالم کیا ہے۔ نبوت کیا شے ہے۔ میں کن چیزوں کا اعتقاد کروں۔ کیا کوہِ حرا کی چٹانیں، کوہِ طور کی سر بلک چوٹیاں کھنڈر اور میدان کسی نے ان سوالوں کا جواب دیا۔ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ گنبدِ گرداں، گردشِ لیل و نهار، چمکتے ہوئے ستارے، برستے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا۔

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپ پر اسرارِ الہیہ منکشف ہونے شروع ہوئے۔ اور جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا کیونکہ وحی کے انواع میں ایک خواب بھی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی شرح میں ہے اَوَّلُ مَا بَدَأَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْوَحْيِ الرَّؤْيَا الْفَصْلِحَةَ فِي التَّوْحِيدِ چنانچہ بخاری کتاب التبعیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ ادا کیا گیا ہے) ایک دن جب آپ حسب معمول غارِ حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے تو فرشتہ غیب نظر آیا جو آپ سے کہہ رہا ہے اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ط یعنی پڑھ اس خدا کا نام۔ جس نے

کائنات کو پیدا فرمایا۔ الاخر۔ آپ گمراہی تشریف لائے۔ تو جلال الہی سے لبریز تھے۔ طبیعت میں ایک اضطراب تھا۔ جو جلال الہی کا تاثر اور نبوت کے بارگراں کی عظمت کا تخیل تھا۔ آپ نے کیا دیکھا۔ ناموس اعظم نے کیا کہا۔ کیا کیا مشاہدات ہوئے۔ یہ وہ نازک باتیں ہیں۔ جو الفاظ کا تحمل نہیں کر سکتیں۔ اب اگر غریب صوفی اس سنت پر عمل کرے تو رہبانیت کا علمبردار کہلائے۔ کیا عمل اسلام ہی ہے۔ کہ فرعون کے تکیے قارون کے خزانے، نمرود کے محل، ماد پرہیزگاری کی دینگیں شہاد کے جنت، ہامان کے زم قالین اور تیج ابلیس کے سے تخت و تخت اور رُسیانہ جو چلے جن میں نفس پرستی کے مکمل متانہ مشاغل ہوں۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ۔ یاد رکھئے صوفی کی جو کی مسنون روٹی اور غار حرا کے خشک ستو، خلو معدہ کی کرکڑاہٹ اور دماغی خشکی ہی موجودہ مسلمانوں کے بنادہی اسلام سے ہزار درجہ بہتر ہے۔ جس میں ملکوتی وجود کا مکاشفہ اور ناسوتی شہود کا مکالمہ ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ صوفی کی خود ساختہ وہمی چیز نہیں۔ بلکہ بانئے اسلام کے مستقل چلہ کی مقدس خیرات ہے۔ جیسا کہ مسلم اور ترمذی میں حضور علیہ السلام کے لئے باصرہ پر عجیب و غریب انوار کی تجلیات غیبی سہتیوں کا ظہور اور بہ تصحیح محدث سہیلی، جبرئیل علیہ السلام سے پہلے آپ کو پہاڑ کی غار میں حضرت الفضل علیہ السلام کے ملکوتی وجود کا مکاشفہ مسلسل تین سال تک ہوتے رہتا اور اس کے بعد جبرئیل امین علیہ السلام کے وجود کا وہ مشہور ناسوتی ظہور جسے سب جانتے ہیں۔ یہ کس فعل کی برکات ہیں۔ یہی جبکہ مخالفین صوفی کا بدعتی چلہ اور رہبانیت کی سرحد کا جوڑ قرار دیتے ہیں۔ اُن۔ ہزار نکتہ باریک تر زمواں جا است۔ ہم کہتے ہیں کہ صوفیوں اور فقرا میں مراقبوں اور مجاہدوں کا جو آئین قائم ہے، اور ان میں سے بعض جو چشم بند و گوش بند و لب بہ بند۔ اور بعض عالم تصور اور بعض عالم محویت میں مراقبہ کا خط حاصل کرتے ہیں۔ وہ اسی سنت نبویؐ کے اتباع میں بیٹھتے ہیں۔ روحانی ترقی اور عرفانی مشاہدوں کی بسم اللہ ہیں سے اور اسی طرح ہوتی ہے۔ کیونکہ تصوف میں تزکیہ باطنی سے بغیر عرفانی مشاہدات نہیں ہوتے۔ اور نہ انوار آسمانی کا نزول ہوتا ہے۔

کاش کہ یہ لوگ صوفیائے کرام کی عملی زندگی کے بعض حصوں پر نکتہ چینی اور تنقید کرتے وقت صحابہ کرامؓ ہی کی زندگیوں کو سامنے نہ رکھتے تاکہ ان کو کسی صوفی یا پیر کا مقابلہ کرانے کے لئے پر حقیقت (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے دستور العمل سے موازنہ کی آسانی ہو جاتی اور وہ اس الجھن سے جو مریدوں (صحابہ کرامؓ) سے موازنہ کرانے سے اپنی جہانوں کو جو کھوں میں ڈال لیتے ہیں محفوظ ہو جاتے۔ کیونکہ صحابہ کرامؓ کی لکھو لکھا زندگیوں کا حامل موجودہ زمانے کا ایک ہی

فیج سنت پر ایک وقت نہیں ہو سکتا اور پیر کا مقابلہ مرید سے کرانے میں بہت سے ایسا اشکال پیدا ہو سکتے ہیں جن پر غور کرنے والا انسان خواہ مخواہ گمراہ ہو کر رہ جاتا ہے۔ مثلاً مقابلہ میں یہ کہتا کہ موجودہ صوفی کا حبس دم سے سبق پڑھنا یا نفی اثبات پکاتا ایک خلافت اسلام طریق اور بدعت ہے۔ کیونکہ یہ صحابہ کرام میں نہ تھا۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر ایسا طریق عبادت بفض محال صحابہ کرام میں سوائے چند ایک کے نہیں ملتا کیونکہ وہ ابتدائے اسلام میں تبلیغ اسلام اور عبادت نہ سرگرمیوں میں اپنا وقت گزارنے کے باعث یہ صورت و طریق عبادت الہی اختیار کرنے کا وقت ہی نہیں پاسکے (تو کوئی اعتراض کی بات نہیں ان کے اور ہمارے پیشوا سید الانبیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو پایا جاتا ہے۔ اگر باور نہیں کیجیے حدیثوں میں غلط کالفاظ آیا ہے۔ جس کے متعلق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں **حَتَّىٰ ظَنَنْتُ اَنَّهُ الْمَوْتُ**۔ میں نے ایسا خیال کیا کہ موت طاری ہو گئی۔ اور جس کا ترجمہ زرقانی ص ۶۶۶ میں یہی حبس النفس کیا گیا ہے۔ یہ کیا ہے صوفی اگر حبس دم کرے تو اس کو گردن زدنی ٹھہرا کر جوگ و اشراق کا حامل قرار دیا جائے۔ اور محدثین اگر غلط یعنی حبس النفس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت کر دیں تو ان کو کوئی ٹوکنے والا نہ ہو۔ اور طیالسی کی مشہور سند سے اس کی تائید میں حدیث حرا کا یہ ٹکڑا بھی پیش کیا جاتا ہے کہ غلط کے ساتھ جبرائیل علیہ السلام کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **فَاَخَذَ عَجَلَتِي** جبرائیل نے میرے عجلت کو دبایا (یعنی سانس روک دی)۔ آخر سانس روک دینے کا کیا نفع تھا۔ جب کہ عالم الغیب کا ادراک یوں بھی ہو سکتا تھا۔ مگر باطنی قوی کا بیدار ہونا یا در کھوا اس حبس نفس کو بھی ادراک کے لئے ایک فطری حالت قرار دیا گیا ہے کاش کہ یہ خدا کے بندے جس چیز کے اہل نہیں اس پر قلم نہ اٹھائیں اور اپنی بے خبری اپنے تک ہی محدود رہنے دیں۔ کسی مسئلہ کی عدم واقفیت ہوتے ہوئے اس پر قلم اٹھانا اور تمثیلات سے بحث کرنا دوسرے لوگوں کی گمراہی کا باعث بننا ہو گیا اور ایسی حالت میں تمثیلی قیاس انسان کو غلط نتائج پر پہنچانے کا سبب بن جاتا ہے۔ بلکہ یوں کہئے کہ اکثر اوقات ایسے مسائل مثالوں میں سلجھانے سے کھیر حبسی نرم شے کو بھی ٹیسرھا بنا دیتے ہیں۔

صوفی اگر کسی باطنی آواز کا اظہار کرے یا الہامی کیفیت کا مدعی ہو جائے تو پکا مجرم ٹھہرے اور شہد کی مکھی کا وہی الہی کی نسبت دھمے ہو تو یہ جہانز اور قابل قبول مکاشفہ قبر حیوانات کے لئے تو ثابت اور جہانز کیونکہ حدیث شریف میں ہے اور اگر صوفی اس کا راز دار کہلائے تو گناہ عظیم کا مرتکب۔ افسوس کہ لوگ انسانی شرافت و بلند مرتبہ اور اس کی خلانت کو نظر انداز کر چکے ہیں۔ ورنہ ان ہر لیاقت کو کام میں نہ لاتے۔ ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ علم لورانی ظاہری عقل و حواس کے

سوا دوسرے ذرائع سے بھی ممکن ہے۔ اور ہمیشہ حق تعالیٰ ایسی نظیروں کو قائم رکھتا ہے جن سے عقل و حواس کے توسط کے بغیر جان ثابت ہوتا ہے۔ کچھ نہیں تو ہر دس پانچ آدمیوں میں ایک آدمی ایسا پایا جاتا ہے جسکو ایسے سچے خواب آتے ہوں کہ بعض اوقات وہ حالات و واقعات جو ابھی طور پر نہ ہونے والے ہوں دیکھ لیتا ہے اور اس وقت دیکھ لیتا ہے جب وہ علم خوابیہ کی حالت میں ہو، خدا خواستہ اگر یہ نظائر نہ ہوتے تو عقل کے بندوں اور حواس کے اسیروں نے تو ارادہ کر ہی لیا تھا کہ جس طرح بیچارہ صوفی مالِ بخیر لیا کا مریض قرار دیدیا گیا ہے۔ اسی طرح پیغمبروں کو بھی اگر نیت کی نہیں تو فہم کی غلطی کا شکار ٹھہرا ہی دیا جائے

نصیحة باللہ من ذالک۔

پھر مخالفین تصوف و صوفی پیدا اعتراض بھی کیا کرتے ہیں کہ یہ صوفی کہلانے والے لوگ جو اپنی قلبی اور معنی و بصری کیفیتوں میں قبض و بسط کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ بھی محض برہمن کی تعلیم کا اثر اور ہندو مذہبوں کی دیوانتی فیکری کا تشیع ہے۔ اور حقیقت میں اسلام کی تعلیمات میں قبض و بسط کا مسئلہ ایک بالینی ڈھکوسلہ ہے۔

ان مریض القلوب مسلمانوں کی ایسی داہی تباہی باتوں سے جو درحقیقت الحاد و مغرب کی مخالفت اور دہریت کی موافقت سے لی گئی ہیں حیرانگی ہوتی ہے کہ یہ دردمندان اسلام جو ش میں یہ خیال ہی نہیں فرماتے کہ مسلمانوں کے کسی حصہ عمل و دین پر حملہ کرنا خود اسلام کے کسی حصہ کو مجروح کرنا ہے۔ غریب مومن و مسلم جب بحکم لایو من احد کم حتی اکون احب الیہ من ولده و والدہ و الناس اجمعین۔ سب کچھ کسی پر لٹا چکا اور تمام کائنات کو چھوڑ کر کسی ایک کے قدموں سے لپٹ پڑا۔ تو کم از کم اس پر ایسی غداری کا الزام لگاتے ہوئے تھوڑی دیر کے لئے انہیں تحمل و خود سے کام لینا پڑا ہے کیا کوئی محمدی سرکار نبیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے یہ چیزیں لے کر اپنے دین و ایمان میں داخل کر سکتا ہے نیت کی غلطی دوسری چیز ہے لیکن ایسی تغلیط بھی تحقیق کے بعد ہونی چاہئے۔ چند سنی سنائی سطحی باتوں پر مسلمانوں کے سوا اہم اور تمام امت اسلامیہ خصوصاً فقراء و اہلسنت و الجماعت کو مستہم کرنا شاید تجاوز عن الحد ہوگا۔

ایک چلہ کشی، خلوت، سمعی، بصری، قلبی مرکبات و الہامات اور قبض و بسط پر کیا موقوف ہے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا دیکھنے والی آنکھ سے مطالعہ فرمائیے۔ سب کچھ ملے گا اور بڑی کھلی ہوئی حقیقتوں کے ماتحت ملے گا اس غارِ حرا کی وحی کے بعد بخاری شریف میں ہے کہ فترۃ ہوئی، یعنی وحی منقطع ہو گئی تھی لیکن اس کا اتنا اثر کہ حضور علیہ الصلوٰت و السلام اپنے آپ کو پھاڑکی چوٹی سے گرا دینا بہ نسبت زندہ رہنے کے آسان خیال فرمانے

گئے۔ اور اپنے آپ کو گرا دینے کی نیت سے چڑھ بھی چکے تھے۔ جیسا کہ آیت شریف مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلَىٰ کے ماتحت بعض مفسرین حضرات نے لکھا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو ہمارے صوفیاء اگر اپنی قلبی کیفیت کی تعبیر کبھی بسط و قبض سے کرتے ہیں۔ تو یہ کچھ اسی فترۃ ہی کا بنا بنایا نقش نہیں ہے۔ دیکھو صحیح بخاری کی شرح فتح الباری کی کتاب التبعیر جلد ۱۱ صفحہ ۳۱ مطبوعہ مصر میں ہے کہ چند روز تک جب وحی رک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے۔ تاکہ اپنے آپ کو گرا دیں کہ دفعۃً حضرت جبرائیل علیہ السلام نظر آئے اور کہنے لگے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہیں جس سے آپ کو تسکین ہو گئی۔ لیکن جب کبھی پھر وحی رک جاتی تو آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تو پھر جبرائیل نمایاں ہو کر تسکین دیتے۔ اور اس مسئلہ میں محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وحی کا بار بار رکنا اس لئے تھا کہ آپ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے عادی ہو جائیں۔ اُن کتنی سبق آموزیاں ہیں جن کے بعض لطائف و اسرار کے نہ سمجھنے پر آج نام نہاد مولوی بحث کرتے ہوئے کہہ گزرتے ہیں کہ یہ سب کچھ سرزمین ہند کے ہو گیل کا سرور ہے۔ بہت سے ان افراد کو جو اپنے آپ کو قادری خاندان کا غلام سمجھتے ہیں۔ بلکہ تازیہ بزرگوں سے خلافتوں کے بھی معی ہیں۔ یہ کہتے سنا ہے کہ یہ قبض و بسط کے قصے جہاں صوفیوں کی اختراع ہیں۔ ان کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ حضرت سیدنا غوث الاعظم محبوب سبحانی شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی اپنی اپنی کیفیتوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام کی فترۃ کے واقعات سے لفظ بلفظ متعلق ہیں۔ یعنی پہاڑ پر سے گرا کر اپنے آپ کو ہلاک کر دینے کے لئے محض اس لئے آمادہ ہو جانا کہ بسا اوقات قلبی بندش کے متحمل نہ ہو سکتے تھے۔ مگر ان قادری غلاموں کی تصوف دشمنی کا کون علاج کرے۔ حقیقت یہی ہے۔ لوگ ہیں جو قادریت سے کوسوں دور ہو کر دوسرے لوگوں کو فریب دیتے ہیں اور دنیوی اغراض کے ماتحت قادری کہلا کر بزرگان دین کے تنج سے روکنا چاہتے ہیں۔ جن کا قادری کہلانا اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ سے نسبت کا اظہار کرنا بھی دربار غوثیت کی توہین پر منتج ہوتا ہے۔ کیونکہ ان قادریوں کا باطن و باہیانہ اور ظاہر ایسا مولایانہ ہے کہ دیکھنے والا ان کی چمکی پھری باتوں سے ان پر قادری ہونے کا شبہ کر ہی بیٹھتا ہے۔ حالانکہ ان کو خدا کے بندوں سے دور کا لگاؤ بھی نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ایک قادری کہلانے والے مکار کی عملی کیفیت فقیر نے سنی جس سے خوف پیدا ہوا۔ کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔ اور اس مسئلہ سے غافل ہیں کہ انہیں ایک دن خداوند عالم جل و علا شانہ کے سامنے بھی جانا ہے۔ ایک دیوبندی عقیدے کے آدمی نے ان قادری کہلانے والے مولوی سے پوچھا کہ کیوں صاحب وظیفہ یا شیخ پڑھنا شرعاً کیسا ہے مولوی صاحب

کو یہ تو معلوم تھا ہی کہ سائل دیوبندی جماعت کا ایک سرگرم مکن ہے۔ ممکن ہے صحیح جواب دینے سے مجھ سے بدگمان ہو جائے اور آنا جانا چھوڑ دے۔ جواب دیا کہ بھائی زندہ خدا کو چھوڑ کر مردوں کو پکارنے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ پکار تو فقیر کے نزدیک شرک کے قریب ہے۔ سائل جواب سن کر خوش ہوا اور ان قادری صاحب کی توحید پرستی کے گیت گاتا ہوا چلا گیا۔ پھر کسی دوسرے وقت اتفاق سے یہی مسئلہ ایک سچے قادری نے پیش کیا۔ مولوی نے دیکھا کہ اس کے ہاں سے گیارہویں شریف کی ماہانہ ایک دیگ اور انجن کا چندہ آیا کرتا ہے۔ ہفتہ سے اسکو بھی کھونا چاہئے۔ بڑی متانت سے جواب دیا کہ بھائی یہ بات بھی جھلا دریافت کرنے کی ہے۔ ان بزرگوں کے بغیر خدا تمہارا کیا لگتا ہے۔ جب ہماری پکاروں کو یہ نہ سنیں تو خدا کب سنتا ہے۔ وظیفہ "یا شیخ" ایک مبتدی کے لئے تو مشعل راہ ہے۔ میں نے سا لہا سال پڑھا ہے۔ اور اب تک پڑھتا ہوں جب تک پوری محبت سے سرکار بغداد کو پکار نہ لوں۔ بخدا قلب میں چمک نہیں آتی۔ اور مر جھایا سا رہتا ہے۔ شعر

نہیں ہم کو مفر اصل البحر حضرت کی خدمت کے
 ٹھکانا خلق کا بندے خدا کہیں جو کامل ہیں

پھر کسی تیسرے وقت میں یہی سوال کوئی اور سائل کرتا ہے تو اسکو جواب ملتا ہے کہ میاں یہ کسی جاہل کی اختراع ہے جس سے پرہیز لابدی ہے۔ ایسے لالچ یعنی وظائف بجائے منزل پر لے جانے کے گمراہ کرتے ہیں اور جھلا کا فعل محبت نہیں ایسے گمراہ کن وظائف سے توبہ کر کے ہمیشہ کے لئے اپنے آپ کو بچاؤ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ یہ ہے وہ ایمان و یقین کا بلند درجہ جس کی بنا پر یہ لوگ پیران عظام کو طعن کرتے ہیں اور خود شیخیت کے مدعی بنتے ہیں۔ اور بعض تو ان لوگوں سے وہ ہیں جن کو سوائے کتابی تصوف کے اور کچھ بھی یاد نہیں ہوتا۔ بزعم خود صوفی ہیں اور اصطلاحات صوفیہ میں جاوید بیا استعمال سے بہت غلو کرتے ہیں۔ محسوسات میں مقید، کشف و سلوک سے بے بہرہ، مشاہدہ کی ہوا تک نہیں لگی۔ مگر کتابی معلومات اور عقل کی طبع آزمائیوں کے بل بوتے پر دوسروں کو ہر کالے نے ہر وقت سعی لاحاصل کا انہماک رکھتے ہیں اور اس بدیتی دگر باطنی کا نام خدمت دین ٹھہراتے ہیں۔ پھر قریباً قریباً ہی حال بعض ان لوگوں کا بھی ہے جو حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے علمبردار کہلاتے ہیں۔ حالانکہ مجددیت اور نقشبندیہ کا سارا دار و مدار انہی کیفیتوں اور لطائف و اسرار پر ہے۔

ایک مرتبہ ایک نقشبندی صاحب کہنے لگے یہ جو لطائف ستہ کا تذکرہ فقیروں میں ہوتا ہے۔ اس کا کیا ثبوت ہے ہم نے تو آج تک ان لطائف کی صفائی سے اخلاقی عزائم و خصائل کے اندر اعتدال پیدا ہوتا نہیں دیکھا اور نہ ہی اس

کی کوئی دلیل بزرگان سلف بلکہ صحابہ میں سے ہمارے معلومات میں آئی ہے۔ قاتل۔ قتل آہا غم آہا۔ ان سے کون کے کہ ممکن ہے صحابہ کی زندگی میں اس کی نظیر نہ ملے۔ مگر پہلے بھی ذکر کیا جا چکا ہے کہ عمل کے لئے صرف مریدوں ہی کی زندگی کو کیوں لیا جاتا ہے۔ شیخ کی زندگی بھی سامنے رکھی جانی چاہئے۔ آخر بتایا جائے کہ حفصہ علیہ السلام کے واقعہ شق الصدر سینہ کا چیرا جانا کی کیا وجہ ہے۔ جس کے متعلق شاہ عبدالعزیز محدث کی تحقیق یہ ہے کہ شق صدر کا واقعہ پانچ دفعہ پیش آیا اور سینہ شق کیا گیا۔ جو ازل ہی سے انوار الہی کا گنجینہ اور اسرارِ توحید کا خزانہ تھا۔ کیا ایسے مولویوں کے پاس کوئی شرح و توجیہ اس واقعہ کی ہے کہ سینہ چاک ہوا۔ قلب مبارک نکالا گیا۔ پھاڑا گیا۔ کوئی سیاہ سی چیز اس سے نکالی گئی۔ طشتِ خدیں میں کوئی چیز برف کی مانند لائی گئی جس سے قلب اظہر دھویا گیا، نور تاباں سے عبرا گیا۔ اور اس سے قلب نبی علیہ السلام پر مہر کی گئی جس کی ٹھنڈک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت تک بھی محسوس ہوتی رہی۔ جب پچاس سال کی عمر کے بعد بھی آپ اس واقعہ کو مدینہ منورہ کے اصحاب سے ذکر فرما رہے تھے۔ مگر نہ خون نکلا نہ ٹانگے لگے، نہ تکلیف ہوئی اور یہ سب کچھ ہو بھی گیا۔ اگر صوفی حضرات لطافت و اسرار کے ان مسائل کو ہم تک نہ پہنچاتے تو شاید ہم ان تمام باتوں کو خواب و خیال ہی سمجھ رہے ہوتے۔ جیسا کہ واقعہ معراج شریف کے متعلق بعض لوگوں کو ذہولِ ظاہر ہو چکا ہے۔

مثلاً مشہور ہے متعصب بات کے انونی جس سے تعصب ہوا اس کی نیکی بھی بدی دکھائی دیتی ہے۔ اور جس سے پیار ہوا اس کا عیب بھی ثواب نظر آتا ہے۔ موجودہ دنیا پرست مسلمان چونکہ مذہب کے پاکیزہ اصولوں سے کانگریسی پنڈتوں کی صحبت و تعلیم کے ماتحت بہک گیا ہے۔ اس لئے صوفی کا ہر اسلامی فعل اس کو عیب دکھائی دیتا ہے۔ وہ مذہب کو ہر دُئل اور گاندھیوں کی عینک سے دیکھتا رہا ہے۔ اس لئے ان کے پیار کی وجہ سے اس گم کردہ راہ کو ایک زمانہ بھر کامکار رہا تا نظر آتا ہے۔ مگر اپنا صوفی اسلام کا دشمن اور گمراہ۔ لاجول و لا قوۃ الا باللہ پھر صوفیوں کے سیر و سلوک پر صرف طعن ہی نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ان کے بظلمات پارسوں کی کتابیں دکھائی جاتی ہیں کہ ان کا کوئی مؤید محسوس اور نامحسوس شہادت و غیبیہ کے جہانوں سے گزرتا ہوا فردوس بریں تک پہنچا ہے۔

دور کی کوڑی لائے کہ صوفیوں کا ماخذ مل گیا۔ لیکن کاش کہ اتنی طویل مسافت طے کرنے کی بجائے کبھی آیت معراج شریف پر ہی نگاہ ڈال لیتے تو پارسوں کی کتابوں سے بہت پہلے ان کو بخاری و مسلم کے اوراق میں ان آیات کبریٰ کا حال کھل جاتا۔ جن کا کچھ تہہ کبھی کبھی بچارے صوفی بھی دیتے ہیں۔ مگر کیا کیا جاسے۔ یا تو قرآن کریم اور بخاری و مسلم سے واقعہ معراج شریف

حذف کر دیا جائے یا ان کے لئے دربار نبوت سے چودھویں صدی میں طریق کار کی کوئی نئی مشعل راہ مانگی جائے۔ کیا ان مومنین کا یہی فریب خوردہ ایمان نہیں جس نے ان کو تقصوت سے بہکا کر اور مدینہ منورہ کے تعلقات سے قطع کر کے کسی نئی نبوت کے دروازے پر جا بکھڑا کیا ہے۔ حیا ذابا ند۔

پھر صوفیوں کے اس فعل پر بھی اعتراض کیا جاتا ہے کہ ان کا طریقہ اعداد و صلوات و تسبیحات غیر شرعی ہے۔ اور گن گن کر ذکر الہی کرنے کا کیا فلسفہ ہے۔ اور اسکی عقلی ضرورت کیا ہے۔

پیر جی جب گناہ کریں تو کرتے ہیں ان گنت نام لیتے ہیں خدا کا تو لیتے ہیں گن گن کے

لیکن یہ وجہ صرف غریب صوفیوں اور پیروں ہی سے کیوں پوچھی جاتی ہے۔ ان سے بھی پوچھی جانی چاہئے جن کے نزدیک نمازوں کی رکعتیں عددی تسبیحات بھی عددی، رکوع بھی عددی، سجدے بھی عددی، تحمیدات بھی عددی، تکبیرات بھی عددی، تہلیلات بھی عددی، روزے بھی عددی، اور زکوٰتیں بھی عددی ہوتی ہیں۔ افسوس کہ دوسرے کی آنکھ کا تنکا بھی قابل اعتراض اور اپنا شہتیر غائب کبھی تو اپنی چار پائی کے نیچے بھی یہ تختیق کی ڈنگوری پھیرتی ہوتی۔ اگر ریاضیات کو قرب الہی میں دخل نہیں ہے۔ تو یہ صوفیوں ہی سے کیوں پوچھتے ہو، سرکار انبیاء علیہم السلام سے اور ام الکتاب سے پوچھا ہوتا۔ یہ پیدنا موسیٰ علیہ السلام کی الرعین ذکر یا علیہ السلام کے تعداد صوم، سال بھر کے مہینوں کی تعداد، ایام حج کی خاص گنتی، عزیز علیہ السلام کے معدود ایام بہوشی، اور اصحاب کفایت کی مدت خواب کیا ہیں۔ خدا کی پناہ۔ تعصب کے میدان میں صوفی کا کونسا پہلو ہے جس پر اعتراض نہ کیا جاتا ہو، غیر کی تو تمام بے اعتدالیوں بھی باعث تحسین۔ اور صوفی کی عبادت الہی اور زہد و قناعت و توکل علی اللہ بھی قابلِ نظر ہیں۔ اور ان کی روٹی تک تو نہیں بھاتی۔ اور کچھ نہیں تو معتزض ہی کہہ دیتا ہے کہ یہ کما کر نہیں کھاتے، یہ قوم کیلئے بار ہیں، یہ توکل کے پردے میں ہڈ سحرام ہو کر بیٹھ گئے ہیں انہوں نے تعطل کا نام توکل رکھ لیا ہے۔ یہ لوگوں کو لوٹتے ہیں۔ ان کے گھروں میں بجلی کے ہنڈے جلتے ہیں، مگر صرید بھوکا مارتا ہے۔ خدا جانے انہوں نے سہل انگاری کا اور احدی پن کا نام توکل کس طرح رکھ لیا ہے، وغیرہ وغیرہ۔ تعصب و جہالت بھی کتنی بڑی چیزیں ہیں۔ خدا رحم فرمائے۔ ہوشمند کی بھی آنکھیں سی دیتی ہیں، کیا پیر اور شیخ کی یہی تعریف ہے کہ وہ بھوکا پیاسا، انگا دھڑنگا، سبگل اور غلیظ مقامات میں پڑا رہے، کیونکہ معتزض کو اس کے گھر کا

تمول چھینتا ہے۔ اگر اتنا ہی بعض دھند تھا تو قرآن کریم سے سورہ اعراف رکوع ۱۷ کی یہ آیت پڑھ لی ہوتی۔ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِينَةَ اللَّهِ الَّتِي أَخْرَجَ لِعِبَادِهِ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ كَذَلِكَ نَفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ۔ مولا کریم فرماتے ہیں کہ زینت الہی جو بیش قیمت لباس اور سحرے پاکیزہ کھانوں کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے پیدا کی ہیں اور انمول جواہرات اور لذیذ ماکولا و مشروبات اس سب کچھ کو کس نے حرام کیا ہے۔ بلکہ یہ تمام اسباب آسائش و آرائش اور انعام و اکرام سب مسلمانوں اور ایمانداروں کیلئے ہی تو ہیں۔ کہا گیا ہے کہ عمدہ لباس، طیب کھانا، اچھا مکان، بہترین سواریاں، املاک و جائداد، امارت و سلطنت مومن کیلئے ناجائز و معیوب ہیں۔ کیونکہ صحیح حدیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ کہ بلا تکلف زندگی بسر کرنا۔ میسے کھیلے پھٹے پڑانے کپڑے سے تنگ نہ کرنا۔ ایمان کی واضح نشانی ہے۔ رب العزت کو اگر مومنین کو یوں ذلیل و خوار اور فقر و فاقہ میں دیکھ کر خوش ہونا مقصود ہوتا تو زکوٰۃ میں صدقات اور حج جیسی بیش بہا رقوم خرچ کرنے والی عبادت فرض نہ فرماتا۔ ان عبادات کی فرضیت اور ان کی لاگت ہی بتا رہی ہے کہ رب العزت جل و علا شانہ کو سرکارِ دو جہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی کوئی متمول حکمران صاحب ثروت اور عینہ و پر شوکت جماعت پیدا کرنا مقصود تھی۔ جن تنگ نظروں اور کم ظرفوں کو ایک پیر طریقت کے گھر میں بجلی کے چراغ کا جلنا اور قالین کا فرش پر نظر آنا ناگوار ہو وہ کیا جانیں کہ مولا کریم نے اپنے مقبول بندوں کیلئے کیونکر دین و دنیا کے انعامات مرغوب فرمائے ہیں۔ اور وہ کن کن وعدوں کے ماتحت ان کو اولوالعزما نہ شان میں دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ جس قوم کے رہنا گداگر، ذلیل، مفلوک الحال اور خانماں برباد ہوں وہ قوم دنیا میں سلطان و حاکم، مخیر و حاتم، بلذات اقبال بخشش کرنے والی اور ملک کی مالک ہو سکے ہرگز نہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ خداوندِ عالم کی یاد سے محروم انسان، دنیا اور عقبے کے انعامات سے بھی محروم و بے نصیب رہتا ہے۔ اسکی اپنی محرومی دوسروں کے اکرام پر جلاپے کا سبب بن جاتی ہے۔ علامہ ابن جریر نے کیا مزے کی بات کہی ہے۔ کہ جس شخص نے روٹی اور کتان کا کپڑا باوجود حلال اور قادر ہونے کے نہ پہنا اور اسکی جگہ اون یا کم حیثیت پوریا پہنا، گہوڑوں اور پلاؤ کا کھانا ترک کر کے مسور کی دال اور ساگ پات پر گزارا کرنا شروع کر دیا، یا شہوت کے خوف سے گوشت کھانا بند کر دیا اُس نے سخت خطا کی۔ میسر ہوتے ہوئے اللہ کی نعمتوں سے محروم ہونا قطعاً کفرانِ نعمت ہے۔ علامہ اقبال مرحوم نے یہاں کتنے بلیغ انداز سے اس حقیقت سے پردہ اٹھایا ہے۔

کیا فقر ترے دہم میں ہے جوگ کا نقشہ
اے مردِ خدا تجھ کو وہ قوت نہیں حاصل
مسکینی و محکومی و نومیدی جاوید
فطرت کے تقاضوں کو کرے دم میں جو برباد
جا بیٹھ کسی غار میں اللہ کو کر یاد
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کراہیاد

اسلام ہے وہ چشمہ عنایاتِ خدا کا
جس سے ہوئے شیخ پہ العامِ خدا داد

مگر ہاں تقویٰ و طہارت، زہد و ریاضت، وساوس و خطرات، شب بیداری وغیرہ کے پیش نظر اور جسم کو قائم رکھنے کی ضرورت سے زاید نہ کھانا مسنون اور افراط و تفریط سے بچکر اعتدال کے ساتھ ترکیب کرنا محسن ہے لیکن معاندین نے بات کا بشکرت بنا کر صوفی کی پرہیزگاری پر بھی کیچڑا چھال ہی دیا ہے کہ یہ جو گیارہ زندگی گزارتے ہیں جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ پناہ بخدا۔ فراخی کا رزق کھاتے ہیں تو نشانہ طعن بنتے ہیں اور اگر کنارہ کش ہوتے ہیں تو رہبانیت کے عال کہلاتے ہیں، جائیں تو کہاں اور کریں تو کیا؟ حالانکہ یہ مسئلہ صوفیوں کی کتاب میں نہیں بلکہ نام نہاد مولویوں ہی کے صحیفہ تریذی شریف میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بطحا کی زمین پیش کی گئی کہ سونا کر دی جائے۔ مگر حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ رب یوم النشور میں التجا فرماتے ہیں۔ لایا رب اجمع یوماً و افطر یوماً یعنی نہیں اے رب میرے مجھے بطحا کی زمین ساری کی ساری سونا بناوا لینے کی ضرورت نہیں۔ میں ایک دن بھوکا رہوں گا اور ایک دن کھاؤں گا۔ اس کے علاوہ کس قدر عجیب بات ہے کہ جب خندق کی دعوت میں جابر رضی اللہ عنہ کے چند سیر آگے سے سینکڑوں صحابیوں کا پیٹ بھرا ہوا تھا، تو اس قدرت والے نے اس خندق کے مقام پر اپنے پیٹ سے دو دو بندے بچائے پتھر کیوں کھل کر دکھائے تھے۔ قرآن حکیم میں حکم ہوتا ہے وَ یُؤْتِرُونَ عَلٰی اَنْفُسِهِمْ وَ کَانَ رِیْضًا لِّمَنْ خَصَّصَتْ اللہ کے بندے اپنے آپ پر دوسروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ حالانکہ خود وہ نادار ہوتے ہیں۔ کیا معترض اس کا ترجمہ سمجھ سکتا ہے۔ افسوس کہ خدا کے نیک بندوں سے اپنا منہ پیٹ کر بھی دکھاوے کی زہر خندگی کی جاتی ہے پیار کی جلتی نظر آتی ہے، اپنے پاؤں کی نظر نہیں آتی۔ پیر صرت مسنون بس پسینے تو معترض جیل بھن کر کوئلہ ہو جائیں اور خود خدا نے جمع کریں تو پاکباز اور نظروں سے اوجھل رہیں۔ "بریں عقل و دانش بایاد گریست" مضمون لکھنا مقصود نہیں، ورنہ یہ حقیقت پوری طرح واضح کر دی جاتی کہ یہ نا فہم کہاں تک حق بجانب ہیں۔ اصل مطلب یہ ہے

کہ جب کسی دین کا آغاز ہوتا ہے تو اس وقت پیغمبر کی حیثیت شیخ اور مُرشد کی ہوتی ہے۔ اور ان کے تابعداروں کی حیثیت صحابہ و مریدین کی، پھر جب اپنا کام کر کے اُمت سے نبی واپس تشریف لے جاتے ہیں اور ان کے ساتھ ان کے صحابہ و مریدین بھی، اور دوسری نسل ظہور پذیر ہوتی ہے تو اس وقت ظاہر ہوتا ہے کہ اُمت میں دونوں (نبی و صحابہ) کی نمائندگی ہونی چاہئے۔ زیادہ گروہ ان لوگوں کا ہوتا ہے جو صحابہ کی نمائندگی کرتے ہیں اور زندگی کے مختلف شعبوں میں کام کرتے ہوئے دین پر اپنے قدم مضبوط جملائے رہتے ہیں۔ لیکن ہر دس میں ہزار مسلمانوں میں قطعاً ایک ایسی ہستی کی بھی ضرورت ہوتی ہے، جو شیخ کی صورت میں پیغمبر علیہ السلام کی نمائندگی بھی کرے۔ انہی حضرات کو درختۃ الانبیاء کہا جاتا ہے۔ فقیر یہ عرض کر چکا ہے کہ ممکن ہے ان وارث الانبیاء میں بعض باتیں ایسی بھی پائی جاتی ہوں، جو صحابہ میں نہ ہوں لیکن ان کے متعلق یہ چیز دیکھنے ہی کی نہیں ہوتی۔ بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کے خصوصیات کے ظلال اور ان کے عکس ان میں پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ مغالطہ سارا یہ ہے کہ اُمت میں جن کو شیوخ یا عام اصطلاح میں پیر کہا جاتا ہے، ان کو لوگ صحابہ پر قیاس کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ میں تجارت بھی تھے، صنّاع بھی تھے، کسان بھی تھے، باغبان بھی تھے، سپاہی بھی تھے، سردار بھی تھے، عادل بھی تھے، والی بھی تھے، سب کچھ تھے اور ان شیوخ میں اکثر ہر چیز سے الگ ہو کر صرف دین ہی کے لئے ہو جاتے ہیں۔ اِنَّا أَخْلَصْنَاهُمْ بِخَالِصَةٍ ذِكْرَى الدّٰارِ حاصل مطلب یہ ہے کہ ان کی زندگی کو صحابہ کی زندگی پر نہیں بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے معیار پر جانچنا چاہئے۔ اگر علم شریعت ہے تو اپنے دل سے پوچھئے کہ جب ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال ہو گیا تھا تو اس کے بعد سرکارِ انبیاء، محمد الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش قبل فتح غیر کیا تھا؟ جو شہرہ میں فتح ہوا تھا، کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیغمبرانہ عہد میں کوئی معاشی ذریعہ اختیار کیا؟ کوئی کسب کیا؟ کوئی نوکری کی یا اور کیا کیا؟ آخر آپ کی زندگی کس طرح گزرتی تھی؟ حضرات مشائخ کرام رحمہم اللہ کی عملی زندگی کے سوا اس کا اور کیا جواب ہو سکتا ہے۔ یعنی مریدوں سے جو پہنچا وہ قبول فرمایا۔ اس کے علاوہ حضرت ام المومنین کی وفات کے بعد حضور کی معاش کی کوئی اور تشریح کیا ہو سکتی ہے؟ اظہارِ نبوت کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں جہاں صوفیانہ معاش کا یہ تین ثبوت ملتا ہے۔ اس کے ساتھ صبح سے شام تک دربارِ رسالت میں عاجز و متذلل کا دھا کے لیے حاضر ہونا، لوگوں کا اپنے خورد و سل پہل کو سامنے

فانا۔ ان کے سر پر ہاتھ رکھوانا۔ حضورؐ سے حضورؐ کے دین مبارک میں چبائی ہوئی کجوریں لے کر بچل کو چٹانا۔ آپؐ کی استعمال شدہ ایک ایک چیز کو بطور تبرک حاصل کرنا اور برکت کے لئے اپنے پاس محفوظ رکھنا دور دور سے آئے ہوئے مسلمانوں کی رسالت و خورد و نوش کا انتظام کرنا۔ کیا اسی نقشہ کو پیش نہیں کرتا۔ جو آج اور آج سے قبل ہم اور ہمارے متقدمین اسلامی خاندانوں میں دیکھ چکے ہیں۔ یاد دیکھتے چلے آئے ہیں۔ دربار رسالت میں آنے والے وفود اور اُن کے حالات ہی اگر کوئی پڑھ لے تو صاف معلوم ہو جائے گا کہ سرکارِ نبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرب کے شمال و جنوبی، مشرق و مغرب سے انہی ضرورتوں کے لئے لوگ آتے جاتے تھے۔ جن ضرورتوں کے ماتحت آج بھی بزرگانِ ہر لہجہ کے پُرس فوج در فوج دنیا چلی آ رہی ہے۔

مسلمانوں کے لئے جب یہ بات مستحقِ ہو گئی کہ ہم میں سے اللہ تعالیٰ کسی ایک کو یا دو کو رسولِ علیہ السلام کی نمائندگی کے لئے منتخب فرماتا ہے تو انہی لوگوں کا نام عرب عام میں شیخ یا پیر یا مشد ہوتا ہے۔ الفاظ بدلتے رہیں گے۔ حقیقت یہی رہے گی۔ کہ ان سے رسولِ علیہ السلام کی نمائندگی کا کام ہو رہا ہے۔ اب شیخ وقت سے منصبِ تبلیغ و اصلاح کے کام میں جس وقت در اور جس حد تک حضورِ علیہ السلام کی نمائندگی ظاہر ہو گی، اسی قدر اس کے ہم صحبت یا مرید بھی ایمان و عمل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے قریب ہوں گے۔ اور جس درجہ تک بیچارہ شیخ رسالت کی نمائندگی میں (نمود بانہ من ذلک) کمزور ہو گا، اس کے مرید بھی اسی قدر صحابہ کرام سے دور ہوتے جائیں گے۔ اللہ کریم رحم فرمائے جو کہ بھول دوائے دل کے پیچھے والے اپنی دکانوں کو بڑھاتے چلے گئے، توں توں یہ جنسِ نایاب نام نہاد مولویوں کی انشائی تحریر و دل کا شکار ہو کر رہ گئی ہے۔ اس بحث سے عوام کو ایک اور مغالطہ بھی ہوتا ہے کہ جب اسلام کے مشائخ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔ تو ان کا مرتبہ صحابہ کرام سے بھی بڑھ گیا۔ لاجل و لا قوۃ۔ معترض کے خیال میں یہ کیوں لازم آیا۔ مسلمان بادشاہ بھی ہوتے ہیں تاجر بھی ہوتے ہیں اور کسان بھی ہوتے ہیں۔ اور ان کو ہر قسم پر ہونا چاہئے۔ اب ہر ایک اپنے مشاغل کے ساتھ ساتھ ایمان و عمل کے جس مرتبہ کو حاصل کرے گا آخرت میں نجات و قرب کے اسی درجہ کا وہ مستحق ہو گا۔ مسلمان تاجر بھی مقامِ ولایت حاصل کر سکتا ہے اور بادشاہ بھی۔ سپاہی بھی اور کفش دوز بھی۔

یہ کس نے کہا کہ جنت فلاں فلاں بن باسی ہی کے لئے وقف ہے۔ مگر یہ یاد ہونا چاہئے کہ خود کو ظاہر بنانا کچھ اور ہے۔ مظهر ہونا کچھ اور۔ معاشی وسائل کی حقیقت کچھ اور ہے اور مدارِ کار ایمان و عمل کچھ اور ہے۔ جن کی نگرانی کے لئے ایسے نفوس کا ہونا لازمی ہے اور یہ کام از خود نہ در بازو سے نہیں کیا جاسکتا۔ بلکہ ہر لحظہ فضلِ ایزدی کے شامل حال ہونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ کسی شخص نے حضرت مرزا مظہر جان جاناں رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ آج کل آپ کا کیا مشغلہ ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ انسانیت کے صحیفہ کی تصحیح۔ غلطیوں کو کاٹنا ہوں اور صحیح کو درج کرتا ہوں۔ اور یہی رسالت کی نمائندگی ہے۔ یعنی ان بزرگوں نے دنیا کے تمام مشاغل میں سے اپنے لئے اسی مشغلہ کو پسند فرمایا۔ جو ہمارے آقا و مولا سید انس و جان صلی اللہ علیہ وسلم کا حیاتِ طیبہ ظاہری میں تھا۔ حافظ شیرازیؒ نے کیا خوب لکھا ہے۔

زادِ ظاہر پرست از حالِ ما آگاہ نیست
در حق ما ہر چہ گوید جائے بیجِ اکراہ نیست

تصوّف اور کتاب و سنت

یہ زمانہ بہت نازک زمانہ ہے۔ علوم دینیہ کے متعلق لوگوں میں عجیب و غریب خیالات اور طرح طرح کے تصورات پیدا ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مغربی الحاد کی تند و تیز آندھیاں اٹھ رہی ہیں جنہوں نے اس دنیا میں ایک قیامت برپا کر رکھی ہے۔ اور ان کی بدولت ملک کے نوجوانوں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے عقاید بالکل متزلزل ہو گئے ہیں۔ نہایت بیباکی بلکہ دیدہ دلیری سے دین سے انکار اور دینی تعلیمات سے نفرت کا اظہار کر رہے ہیں۔ کبھی وہ احادیث کی بے ضرورتی پر زور دیتے ہیں اور کبھی وہ تصوّف کے وجود ہی سے انکار کر دیتے ہیں۔ پھر ان ہی پر کیا منحصر ہے۔ پاکستان میں ایک طبقہ ایسا بھی موجود ہے جو تصوّف کی اصل و اساس ہی کا سرے سے قائل نہیں۔ اور اعلانیہ کہتا ہے۔ کہ یہ جدید اختراع اور بدعت ہے۔ حالانکہ یہ سخت غلطی اور شدید مغالطہ ہے۔ جیسا کہ ہم اس سے پیشتر ذکر کر چکے ہیں کہ تصوّف کی ابتدا بھی دیگر علوم دینیہ کی طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے عہد مبارک سے ہوئی ہے اور یہ عہد رسالت اور عہد صحابہ میں بھی جلوہ گر ہوا ہے۔

اں اتنا ضرور ہوا ہے کہ اس صداقت پر مختلف قسم کی اختراعات کا ایک ہلکا سا غبار مٹیہ گیا ہے۔ اور تصوّف کی جو حالت قرن اول کے بزرگان دین میں جلوہ گر تھی عہد حاضر میں اس کی صورت اس سے کچھ متفاوت ہو گئی ہے۔ اس تغیر کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اہل ہوانے دنیا طلبی کے لئے ہر زمانہ میں اپنے اغراض و مقاصد کی پیش بندی کے واسطے ایسی باتوں کو مذہبی پیرایہ میں پیش کرنا شروع کر دیا ہے جن کی کتاب و سنت میں کوئی اصل نہ تھی۔ اور رفتہ رفتہ وہی باتیں جزو دین سمجھ لی گئیں۔ چونکہ ان ماننے والوں میں اپنے جاہل پیشواؤں کی تقلید و حومت کا بھوش بے پناہ تھا۔ اور وہ ان کی ہر بات کو بمنزلہ وحی سمجھنے کے خوگر ہو چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے ان کی تحقیق کے لئے کتاب و سنت کی طرف رجوع نہ کیا۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ مرور زمانہ کے ساتھ تصوّف کا چہرہ صافی گدلا ہو گیا۔ یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ تصوّف اس مبارک زمانہ میں اس نام کے ساتھ موجود نہ تھا

مگر اصحاب صفہ میں یہ اپنی تمام حقیقت اندوزیوں کے ساتھ جلوہ گر تھا۔ اور ان کے بعد تابعین و تبع تابعین یکے بعد دیگرے اس نعمت سے یکسال طور پر برابر مستفید ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ وہ دور آیا کہ یونانیوں کے فلسفہ الہیات یا حکمت اشراق نے معشر اسلام میں ایک اختلال کی صورت پیدا کر دی۔ عین اس وقت صوفیائے کرام کی توجہ اس طرف مرکوز ہوئی۔ مگر اس نازک دور میں ایک نئی مصیبت یہ پھیل گئی تھی کہ بعض مصنفین کو یہ جنون لاحق ہو چکا تھا کہ وہ خواہ مخواہ اہل فلسفہ کی مصطلحات اور ان کے مفہیم کو وحی الہی سے تطبیق دینے کی فکر کرنے لگے تھے۔ اور اس سعی میں ٹھوکر دوں پر ٹھوکر پڑھاتے چلے جا رہے تھے (لفظ تصوف کا اشتقاق نہ صوف ہے نہ صُف۔ جیسا کہ حضور عظیمؐ نے لکھا ہے اور حضرت امام غزالیؒ نے بھی بیان کیا ہے کہ یشتن ہے لفظ صُفا سے۔ صوفی کی جو تعریف بزرگان دین نے کی ہے وہ یہ ہے کہ جو اخلاقِ روزیہ سے پاک اور اخلاقِ فاضلہ سے منصف ہو کر اپنے اوقات طاعات و عبادات میں گزارتے ہوئے آگے بڑھے وہی صوفی ہوتا ہے) لیکن ہم اپنے تجربہ کی بنا پر جو کچھ سمجھ سکے ہیں وہ یہ ہے کہ انسان شریعتِ اسلامیہ کی اسس پر قائم رہتے ہوئے روحانی ترقی کرے اور اس کا باطن نور الہی سے منور ہو جائے حقیقت یہ ہے کہ تصوف ایک ایسا علم باطنی ہے جس کی حقیقت لفظوں میں بیان ہی نہیں کی جاسکتی جو اس بنو زار میں اترتا ہے وہی اسکی سرشاریوں اور فائز اطرامیوں کو سمجھ سکتا ہے جس طرح دنیا میں اور علوم بھی ہیں جیسے علوم عقلیہ، علوم دینیہ، علوم لطیفہ وغیرہ وغیرہ، جو بشرطِ ظاہر سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس طرح علوم باطنی بھی ہیں جن کا تعلق باطنی ترقی سے ہے۔ لیکن جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کی اسس شریعت ہی ہوتی ہے۔ لہذا حقیقی صوفی وہی ہوتا ہے جو شریعت کا پورا پورا پابند ہو اور اسلام کی تعلیمات سے ہرگز متجاوز نہ کرے، سنت کے جادہ کو تلاش کر کے اس پر گامزن ہو۔ ویسے تو مجذوبین بھی اس دنیا میں ہیں اور ان میں بھی بڑے بڑے باکمال اور صاحبِ حال بزرگ موجود ہیں جنہیں دنیا والے مجنون و دیوانے یا جودل چاہے کہیں اور علمائے کرام بھی شریعت کی عدم پابندی کی بنا پر انہیں جو چاہیں لکھیں۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ انہیں دنیا اور اغراض دنیا سے کوئی سروکار نہیں ہوتا اور یہی ان کے کمال کی دلیل ہے اور اسی سے ان کے علوم مرتبہ کے متعلق کسی حد تک قیاس کیا جاسکتا ہے۔ حقیقت میں تصوف بھی دیگر علوم کی طرح ایک علم ہے جس طرح کوئی شخص موسیقی، ریاضی اور فلسفہ وغیرہ کو اسی صورت میں سمجھ سکتا ہے کہ وہ کم از کم ان علوم کی مبادیات سے واقف ہو۔ اسی طرح علم تصوف کی حقیقت سے آشنا ہونا آسان نہیں ہے وہی شخص سمجھ سکتا ہے جو عبادات، ریاضیات، تصفیہ قلب، تزکیہ نفس، مشاہدات، مراقبات، کیفیات اور واردات قلبی پر عبور رکھتا ہو۔ یہ مصطلحات بھی ایسی

ہیں کہ سائنس کی مصطلحات کی طرح محض ان کا نام معلوم ہونے سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔

حیرت ہے کہ وہ علم جس کی اساس شریعتِ حقہ ہے اسے بھی لوگ اسلام سے الگ اور غیر بتانے میں پاک نہیں کرتے اور یہ وہ لوگ ہیں جو نہ تو خود شریعت کی روح سے واقف ہیں نہ ہی وہ اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں یاں اعتراض کرنے میں وہ بڑے سرگرم ہوتے ہیں۔ حالانکہ علوم ظاہری قال سے اور علوم باطنی حال سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے یہ علم کسی عادت کامل کی صحبت و توجہ کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا دار و مدار اور تعلق محض اس کا علم حاصل کر لینے سے نہیں بلکہ عمل سے ہے۔ اور سچ پوچھو تو عمل اور نفع عمل ہی تصوف کا نظری اور عملی رخ ہے۔ بغیر عمل کے تصوف بادۂ بے کیف، گل بے رنگ اور نعمۂ بے اثر ہے۔ عمل کے بغیر تصوف کی روح تکت کسی کو رسائی ہوئی ہے نہ ہو سکتی ہے۔ رہا یہ امر کہ اس کی حقیقت عام طور پر عقول عامہ سے بالاتر ہے۔ تو یہ بھی کوئی بات نہیں۔ علمِ سبقتی کو لیجئے اسکی مصطلحات اور اس کے لغزوں کے متعلق تصریحات پڑھ کر اس وقت تک کسی کے پلے کچھ نہیں پڑتا جب تک وہ اسے حاصل کرنے کے لئے عملی ریاضت نہ کرے کسی چیز کی حقیقت نہ سمجھنے سے اس کی نفی لازم نہیں آتی۔ معراج، نبوت، رسالت اور معاد وغیرہ وہ دینی مسائل ہیں جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کے لئے لازمی و لا بدی ہے۔ لیکن اگر کوئی مسلمان اپنی عقل سے بام لینا چاہے تو وہ قیامت تک بھی ان کی حقیقت معلوم نہیں کر سکے گا۔ البتہ علم تصوف ہی ایک ایسی چیز ہے جو ان سب کی گرہ کشائی بھی کر دیتا ہے۔ علامہ ابن جوزی جو بڑے پایہ کے بزرگ گزرے ہیں انہوں نے بھی بڑے شد و مد کے ساتھ تصوف سے انکار کیا ہے۔ مگر بے معنی جیسا کہ شیخ الانوار میں امام عبدالواہاب شعرانی نے لکھا ہے کہ صوفیوں کے برخلاف ہر زمانہ میں اعتراض و انکار کئے جاتے رہے ہیں جن کا سبب یہ رہا کہ جس مقام تک یہ بزرگ پہنچ چکے تھے عقول عامہ ہاں تک پہنچنے سے قاصر رہی تھیں مگر کبھی انہوں نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ حضرت امام نے یہ بھی صاف صاف لکھا ہے کہ اصل تصوف کا طریق انبیاء علیہم السلام کے قدم بہ قدم چلنا ہے۔

تصوف سے مراد وہ حقیقی نور علم ہے جو کتاب و سنت پر بشدت تمام عمل کرنے سے اولیاء اللہ کے دلوں کو چمکا دیتا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کس رتبہ و شان کے بزرگ گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ مجتہدین شریعت اور مجتہدین طریقت سب راست باز ہیں جنہیں اللہ نے اپنی شریعت کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔

سید الطائفہ حضرت بنیہ بغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اہل تصوف کا علم کتاب و سنت ہی سے استوار و مستحکم ہوتا

ہے۔ لوگ حضرت شہابی کو دیوانہ سمجھتے تھے آخر انہیں اور ان کے ساتھ متعدد صوفیاء کو گرفتار کر لیا گیا۔ سوالات بھی انہیں سے کئے گئے جو نہایت نفیاتی سوالات تھے۔ لیکن انہوں نے ایسے واضح جوابات دیئے کہ سب لوگ دنگ رہ گئے۔ آخر ان لوگوں کو انہیں رہا کرنا پڑا۔

حضرت امام ابو تراب نجاشی نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص خدا کی طرف سے منہ پھیر لیتا ہے۔ تو اسکی پہلی علامت اور پہلا کام یہ ہوتا ہے کہ اللہ کے متعلق زبان طعن دراز کرنی شروع کرتا ہے۔ حضرت شیخ محمد مغربی شاذلی فرمایا کرتے تھے۔ کہ اہل طریقت کی حقانیت پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کا واقعہ شاہد ہے۔ کیونکہ جیسا کہ خود قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ آیا میں اس شرط پر آپ کی پیروی کر دوں کہ آپ مجھے اپنے خدا داد علم سے صلاح و تقویٰ کی تعلیم کریں۔ گویا جس طرح شریعت کا حامل کرنا ضروری ہے۔ عین اسی طرح علم طریقت کا حصول بھی ضروری ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی نے حضرت امام فخر الدین یازی کو لکھا کہ اگر آپ کسی اہل اللہ کی مجلس میں بیٹھ کر حقیقت شریعت سے آگاہی حاصل کریں تو وہ آپ کو بہت جلد شہود حق کے مرتبہ تک پہنچا دیگا۔ جس سے آپ کو بلا تکلف خدائے تعالیٰ کی طرف سے علوم حقیقت معلوم ہونے لگیں گے۔ آپ کو واضح رہنا چاہئے کہ استدلال سے جو علم حاصل ہوتا ہے اسکو علم حقیقت کیلئے کوئی نسبت ہی نہیں کیونکہ نظر و فکر چپ عقل ڈھکوسلوں کا نام ہے۔ وہ علم حاصل کیجئے جس سے آپ کی ذات کو حقیقی کمال حاصل ہو سہ اور مرنے کے بعد بھی ساتھ جائے علوم وہی ہیں جو وہی طریق پر اور بروئے مشاہدہ خدا تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ جتنے علوم ہیں۔ ان کا فائدہ صرف انسان کی زندگی تک محدود ہے۔ لیکن یہ علوم خلوت و ریاضت مشاہدہ اور جذب الہی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے۔ اور اہل حقیقت کے علوم کا حصول ایمان اور تقویٰ پر منحصر ہے۔ کیونکہ خود خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَ لَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرْیٰ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْہِمْ بِرِکَاۡتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ۔ اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقوا اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین و آسمان سے برکات کے دروازے کھول دیتے۔ اس آیت میں ارضی و آسمانی برکات سے مراد ظاہری برکات کے علاوہ موجودات ارضی و سماوی کے اسرار و حقائق بھی ہیں اور ایسے علوم حقیقت کا انکشاف مراد ہے جو علومیات، سفلیات اور عام ہیروت و ملکوت اور انوار و ملکوت کے متعلق ہو سکتے ہیں۔ چہرہ آیت کریمہ وَ رِزْقُہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ سے مراد جسمانی و روحانی دونوں رزق ہیں۔

فرمان نبوی ہے ان لكل آية ظهور و بطناً و حداً او مطلقاً الى سبعة البطن اس میں ظاہر سے مراد وہ احکام شرعیہ ہیں جن کی پابندی سے اعمال صالح بجائے جاتے ہیں اور باطن سے مراد وہ اسرار و معارف ہیں جو کمال ایمان و تقویٰ پر مسترب ہوتے ہیں۔ قرآن معارف و اسرار کا گنجینہ ہے۔ وہ ان لفظ پرستوں سے مخفی رکھا گیا ہے۔ جن کے حصے میں اہل حق کی تردید و تکذیب کے سوا اور کچھ نہیں آیا۔ یہ لوگ جب معارف و حقائق کو اہل حقائق کی زبان سے سن پاتے ہیں تو بجائے اس کے کہ وہ اپنی کم علمی کا اعتراف کریں کہ اٹھتے ہیں کہ سلف میں سے تو کسی نے یہ بات نہ کہی تھی یہی وہ لوگ ہیں جو مشائخ عظام رحمہم اللہ کے فیضانِ باطنی سے محروم رہ جاتے ہیں۔

حضرت شیخ ابوالحسن شافعی فرماتے ہیں کہ ایک ولی اللہ اور اس کے کمالِ باطنی کا اندازہ کرنے کے لئے چشم بصیرت کی ضرورت ہے۔ چنانچہ شیخ ابن تیمیہ نے ہمارے زمانہ میں اس امر کی نسبت بہت تہاؤ کیا ہے اور بعض نے ان حقائق سے بھی انکار کیا ہے جن کی اصلیت مسلم و محکم ہے لطف یہ کہ اختلاف ہے اور ایسے امور کے متعلق ہے جن کا تعلق مقام ولایت سے ہے۔ اس کا سمجھنا نہ نام نہاد محدثین کا کام ہے اور نہ علماء سوکا۔ اس لئے کہ یہ لوگ تو بجز معتقدات اور احکام جائز و ناجائز کے کچھ بتلا ہی نہیں سکتے۔

ان کے تو یہ امر ذہن نشین ہو چکا ہے کہ کتاب و سنت کا بمعنا صرف علماء ہی کا کام ہے۔ قرن اولیٰ میں بھی صوفیائے کرام موجود تھے اور وہ اس وقت تک کسی کو اپنے حلقہ بیعت میں نہ لیتے جب تک یہ نہ دیکھ لیتے کہ اسے احکام شریعت کا پورا علم ہے۔ اور ان کی مجالس میں کتاب و سنت ہی کے اذکار رہتے تھے۔ لیکن اسرار حقائق و معارف کے بیان کے لئے علیحدہ مجالس بھی ہوتی تھیں۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ قاصر الغنم لوگ بعض اعمال میں بہت سیدہ ہو کر مشتم کرنے لگ جاتے تھے۔

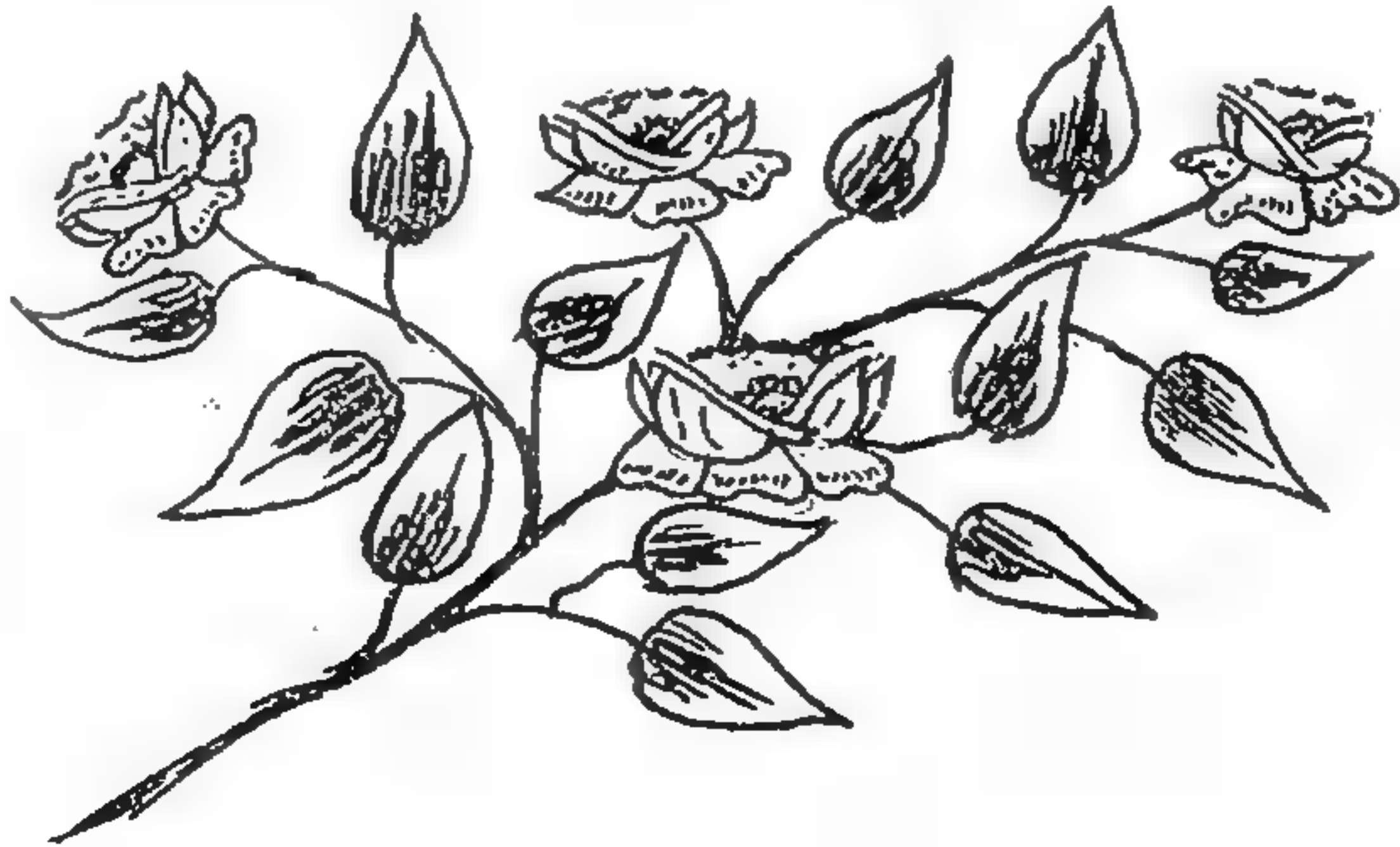
بعض صحابہ کرام اور ائمہ اہل بیت مثلاً حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ سرِ چشمہ نبوت سے ہم نے بعض ایسے علوم بھی حاصل کئے ہیں کہ اگر انہیں ہم تم پر ظاہر کر دیں تو کافر کہنے لگو۔
فی زمانہ بھی بعض لوگ بے تکلفی کے ساتھ کہہ دیا کرتے ہیں کہ محض شریعت کی پابندی تزکیہ نفس کے لئے کافی ہے یہ ضرور ہے کہ انسان اس طرح ترقی کر سکتا ہے مگر مقامِ اعلیٰ پر پہنچنا صرف شیخِ کامل کی بیعت پر منحصر ہے۔ علمائے ظاہر میں ہر زمانہ میں غرور، غنیمت، طلب جاہ، ریا اور حرص و فیر و یکھ گئے ہیں اور ان خصوص میں عام دنیا داروں میں نہیں ہوتے۔

ایک دوسرے کے سامنے صرت متحد الخیال ہو کر اس نیت پر بیٹھ جاتے ہیں تو مادہ صرت خیال ہی سے بوجھل ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی مرید بھی شیخ کی اس توجہ سے حصہ معرفت پالیتا ہے۔ کسی مہندو صوفی کا قول ہے۔ شعر

ریت پد پت پریم کس چکوا کرے دھیان
یعنی ہو کے سنگرے تب پاوے عجب گوان

وہ یہ ہے کہ شیخ اور ارادتمند میں گویا ہری طور پر ہزاروں کوس کی مسافت ہو مگر مرید کے مجاہدے سے **سوّم الصّالی** اور شیخ کی مہربانی سے فیضانِ باطنی ارادتمند کو ہر لحظہ متصل طور پر ایسے پہنچتا رہتا ہے۔ جیسے دریا کا پانی کھیتی کو بغیر انقطاع کے ملتا رہتا ہے۔ اور وہ سرسبز و شاداب ہوتی رہتی ہے۔ یعنی دریا کہیں ہوتا ہے اور کھیتی کہیں۔ مگر پانی کے مسلسل پہنچنے سے کھیتی کی سیرابی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔

وہ یہ ہے کہ فیضانِ معرفت ارادتمند پر اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے جیسے سورج آسمان پر ہو اور دھوپ زمین کے پانی پر پڑے اور اس کا عکس مکان کے اندر پایا جائے۔ یہ اکثر اوقات اس وقت ہوتی ہے۔ جب مرید براہِ راست الوار و تجلیات الہیہ کے بے حجابانہ پانے کے لئے بمقام ہو۔ جسکی بہترین مثال سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ ایزدی میں جب دیدار بے حجابانہ کی تمنا کی تو حکم ہوا کہ تو نہیں دیکھ سکتا۔ دیکھنے کے لئے میرے اور اپنے درمیان پہاڑ کو تجلی گاہ بنالے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور تجلی الٰہی پہاڑ سے انعکاسی طور پر موسیٰ علیہ السلام پر پڑی۔



ولایت اور ولی

قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اعمال صالح اور کاروبار سیئہ کے لحاظ سے دو بالکل مخالف و متضاد گروہ دنیا میں ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور کتاب اللہ نے مختلف ناموں سے ان دونوں جماعتوں کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کا نام اولیاء اللہ دوسری کا نام اولیاء الشیطان ہے۔

قرآن کریم میں ۳۲ سے زیادہ مقامات پر ایسی جماعت کا تذکرہ ہے جس نے اپنے دلوں کو حق کے قبول کے لئے مستعد کر لیا ہے۔ اور اپنی تمام قوتوں اور جذبول سے اللہ کریم اور اسکی رضا و صداقت کو چاہنے والی ہے۔ اس لئے اللہ نے اس کو اپنا دوست کہہ کر پکارا ہے اور اپنا ساتھی بنا لیا ہے۔ جیسا کہ اللہ ورحی المؤمنین کا ارشاد ہے پھر انکو مدعیان باطل اور اولیاء الشیطان کو بھی مقام دنیا میں دعویٰ ولایت کی جرأت ہو سکتی تھی۔ اس لئے اس جماعت اولیاء اللہ کے لئے ایک شرط لگا دی گئی اور وہ اس لئے نہیں کہ موت کو پکار کر اپنی محبت الہی کا ثبوت دیں یا موت کو پکارنا ان کی ولایت کی شہادت ہے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ مطلوب کے حصول کے لئے موت کی تمنا کرنا ایک انتہائی جذبہ طلب و محبت ہے۔ تاکہ سچے اور جھوٹے کی پہچان ہو جائے۔ لہذا فرمایا۔ قُلْ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنْتُمْ اَوْلِیَاءُ اللّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمُوْا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ط اے میرے محبوب یہودیوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم کو اس بات کا دعویٰ ہے کہ تمام لوگوں میں سے صرف تم ہی اللہ کے ولی اور دوست ہو تو اس کی آزمائش یہ ہے کہ خدا کی راہ میں موت کی آرزو کرو اور اگر تم سچے ہو گے تو ضرور ایسا ہی کرو گے۔ آگے فرمایا۔ وَلَا یَمْنُوْنَ اَبَدًا اِلَّا مَاتَ اَبَدًا لِّهٖمُ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِاَلْظٰلِمِیْنَ ط اور ہرگز تمنا نہیں کریں گے وہ بسبب اس کے جو آگے بھیجا ان کے ہاتھوں نے اور اللہ ایسے بد عملوں اور ظالموں کو جاننے والا ہے۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ کے دوستوں کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ جب انہیں جان دینے اور زندگی اور اسکی لذتوں سے دست بردار ہو جانے کی دعوت

دی جاتی ہے، تو وہ لبتیک کہتے ہوئے اس طرح دوڑتے ہیں، گویا بھوکوں کو غذا اور پیاسوں کی پانی کی پکار سنائی دی۔ پر جو جھوٹے ہیں اور اللہ کی ولایت سے محروم۔ وہ اس تمنا و عمل سے انکار کر دیتے ہیں اور یہ ان کے جھوٹے ہونے کی تہر ہے جو انہوں نے اپنے آپ پر خود لگا دی ہے۔

پس فرمایا کہ خدا کے دوست اور ولی وہ ہیں۔ جو اس کے لئے اور اس کے کلمہ حق کے لئے خون بہانے، جان دینے اور اپنے آپ کو مہلک مشقتوں میں ڈالنے اور زندگی کے عیش و آرام سے محروم ہونے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

پھر ان کے مقابلہ میں ایک دوسری جماعت بھی ہے۔ جو اپنے خواہش و اعمال میں قطعاً اسکی ضد ہے قرآن کریم نے اسے اولیاء الشیطان سے تعبیر فرمایا ہے۔ کیونکہ قرآن کی اصطلاح میں وہ تمام قوتیں جو تعلق الہی اور رشتہ حق و صداقت کی مخالف ہیں اور اطمینان کی اطاعت میں کام آنے والی ہیں وہ سب شیطانی کہلاتی ہیں۔

پس جو لوگ راہ حق و عدل سے ہٹ کر اعمال باطلہ کی تاریکی میں گم ہو گئے ہیں اور اللہ کریم جل و علا شانہ کا رشتہ ان کے ہاتھوں میں نہیں رہا۔ وہ خواہ کسی حال اور کسی شکل میں ہوں درحقیقت شیطان کے ولی، اس کے پرستار اور اسکی بادشاہت کے غلام ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے: **وَاِنَّ جَعَلْنَا الشَّيَاطِیْنَ اَوْلِیَاءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُوْمِنُوْنَ** یعنی ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا ولی بنا دیا ہے جو ایمان سے محروم ہیں۔

پس ایک طرف اولیاء اللہ ہیں اور دوسری طرف اولیاء الشیطان۔ گویا ایک جماعت اپنے تئیں اللہ کی راہ میں قربان کر نیوالی ہے، اور دوسری شیطان کی اطاعت میں جنگ و جدال کرنے والی۔ جو کامیابی اور فلاح سے دور اور ہر میدان عمل میں گھسائے کی مستحق ہے۔

ان دونوں جماعتوں میں ایک بڑا فرق اور حقیقی فرق یہ بھی ہے کہ اولیاء اللہ ایسے عہدیں پیدا ہوتے ہیں جب کہ حق اور سچائی محدود اور باطل و فساد عام ہوتا ہے اور گمراہی کی تاریکی اس طرح پھیل جاتی ہے کہ کوئی گوشہ منور نہیں رہتا، پھر ان پاکبازوں کے لئے خدا کا ہاتھ چمکتا ہے جو تاریکیوں سے نکال کر نور کے میدان میں لے جاتا ہے۔ مگر اولیاء الشیطان پہلے سعادت و ہدایت کی وادیوں میں سفر کرتے ہیں۔ بعد کو شیطان انہیں سعادت و ہدایت سے نکال کر شقاوت و ہلاکت کے جنگل میں دھکیل دیتا ہے، جہاں وہ ٹھیکے ہیں اور ان

کے قلوب کا سیہ میں یہ گمان پیدا کر دیتا ہے کہ تم ہی حق و صداقت پر ہو، اور صراطِ مستقیم تمہارے ہی سامنے ہے یہاں سے واضح ہو گیا کہ حق اور باطل، نور اور ظلمت، کفر اور ایمان کی حقیقت تب ہی سمجھ میں آئے گی۔ جب راہ نمائی کے لئے خدا کا ہاتھ چمکے اور اپنے متلاشی کی نگاہ کو منور کر کے اسے اپنا ولی بنالے۔ بغیر اسکی رحمت اور انکشاف کے اس حقیقت معرفت الہیہ کو پانا محال بلکہ مشکل ترین عمل ہے۔ جن کو اس نے ظلمتوں سے نکال کر نور میں لانا چاہا ان پر اپنے نور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنی کتاب قرآن کریم کا راز کھول دیا۔ جس نے اس نورِ مبین کی معرفت حاصل کر لی اور اسکی غلامی کا قلابہ گلے میں ڈال لیا۔ وہی ولی اللہ بنا اور جس نے اس نور اس رحمت اس ہدایت اس سعادت سے منہ موڑا، وہ ولی شیطان اور جہنمی ہوا۔

کیونکہ اس جہانِ عمل میں معرفت الہی کی تمام راہیں، تمام تعلیمیں اور تمام دروازے بند ہو چکے ہیں، جو آدم علیہ السلام سے مسیح علیہ السلام تک کھلے تھے، اور اب صرف ایک ہی شاہراہ اور ایک ہی بڑا دروازہ ایک ہی معرفت الہی کی صراطِ مستقیم ہے جو مدنیہ طیبہ سے ہو کر عرشِ عظم پر جاتی ہے اس کے بغیر راز الہی کا پانا محال اور دربار الہی تک رسائی ناممکن ہے۔ جس نے پایا اسی راہ سے پایا۔ اور جس نے پانا ہے اسی راہ سے پانا ہے۔ اس کے بغیر راز و نیاز کا دعویٰ ایک کھلی بطلان اور اس کے اتباع کے علاوہ ولایت کا مدعی ہونا صریح ہلاکت ہے۔ کیونکہ بندہ اطاعتِ رسالت و اتباعِ شریعت اور ترکِ بدعت کے بغیر تقرب الی اللہ کی منزل میں کوئی حیثیت پیدا ہی نہیں کر سکتا۔ کوئی زمانہ بعض وہ لوگ پیدا ہو گئے ہیں جنہوں نے بغیر کسی فطری اور قدرتی مجبوری کے اخراجاتِ شریعت اور استخفافِ سنت کا نام طریقت رکھ لیا ہے۔ اور اپنی نفسانی خامیوں پر ان الفاظ سے پردہ پوشی کر کے اپنا وقت گزار رہے ہیں کہ قانونِ شریعت اور چیز ہے اور طریقت و ولایت اور چیز ہے۔ مگر ان کا یہ نظریہ اور انکشاف و اجتہاد قطعاً غلط ہے۔ اور سمجھ ہی نہیں سکے کہ دراصل شریعت اور طریقت حقیقت اور معرفت کے الفاظ کس مفہوم پر وضع کئے گئے ہیں۔ اور یہ اپنے معانی کے لحاظ سے کس کس محل پر وارد ہوتے ہیں۔ اور کن کن مطالب کو ادا کرتے ہیں۔ اگر وہ سمجھ سکتے تو اس فریبِ نفس میں مبتلا نہ ہوتے۔ اور اگر عام فہم الفاظ میں ان کی کیفیت کو سمجھنے کی تکلیف کرتے تو بہت جلد سمجھ میں آ سکتی جس پر کسی زیادہ دماغ سوزی کی ضرورت بھی محسوس نہ ہوتی۔ مثلاً شریعت کسی شے کے وجود میں آنے کو کہتے ہیں اور اس کا طریق استعمال طریقت کہلاتا ہے۔ اس طریق استعمال کے بعد اس سے اس کی غرض کے ماتحت نفع

اثبات حقیقت ہے۔ اور اس نفع کا نتیجہ جو انسانی ضرورت کیلئے پیدا ہوتا ہے وہ اسکی معرفت ہوگی۔ اب جو شخص ایک شے کی پیدائش ہی کا قائل نہیں۔ وہ اسکی معرفت کیلئے کیوں میدان سعی میں قدم رکھے گا۔ مثال کے طور پر ایک کرسی یا میز کو لے لیجئے۔ اس کا جام لکڑی کی حالت سے کرسی کی شکل میں آنا اور ایک خاص ضرورت کے ماتحت آنا شریعت کہلائے گا۔ پھر اس کو یہ سمجھنا کہ اس کا طریق استعمال کیا ہے اور کس غرض کے لئے بنائی گئی ہے یہ طریقت ہے۔ پھر اس پر بیٹھ کر اپنا کام کرنا یہ حقیقت ہے اور اس کام کے بعد کام کا انجام اور راحت و آرام پانا اور ایک آخری نتیجے پر پہنچ جانا یہ معرفت ہے۔ ایک انسان جب بذاتہ کرسی کی ساخت ہی کا قائل نہیں اور اس کے نتیجے کے طور پر راحت و آرام اور سرد و عیش کا متمنی ضرور ہے تو وہ ایسا ہی ہے جیسے ایک شخص عمر بھر مدرسے سے بھاگا رہے اور لوگوں کی ایم۔ اے کی ڈگریاں دیکھ کر اپنے لئے ڈگری کی تمنا کرے۔ اہل خیال است و محال است و جنوں۔ مزید کیفیت ان تمثیلات سے معلوم کیجئے کہ شریعت اتباع ہے اور طریقت انقطاع۔ حقیقت اطلاع اور معرفت متاع۔ یا شریعت بندگی ہے اور طریقت ترک خودی حقیقت وصال اور معرفت کمال۔ یا شریعت فرمانبرداری ہے اور طریقت غیرے بیزاری حقیقت دوست سے بر خور داری اور معرفت اپنے آپ سے ہشیاری۔ یا شریعت عنا ہے اور طریقت فنا۔ حقیقت بقا اور معرفت فنا۔ یا شریعت بشیر اور طریقت بنیر۔ حقیقت مسکے اور معرفت روغن خالص ہے۔ پھر وہ انسان جو سرے سے دودھ ہی کی ضرورت محسوس نہیں کرتا اس گھی سے کہاں تک واسطہ ہو سکتا ہے۔ گویا شریعت ہی ایک وہ چیز ہے جس نے ہستی باری تعالیٰ کا سبق دیا ہے۔ اور اسکی تلاش اور جستجو کے اصول و قواعد سمجھائے ہیں۔ مخلوق پرستی سے نکال کر مورتی پوجا اور نفس پرستی چھڑا کر بھگے ہوئے انسانوں کو ان کے خالق و مالک سے شناسا ہونے کی دعوت دی ہے۔ گویا توحید الہی کی اصل و اساس ہی شریعت ہے طریقت اس شریعت کے فرمودہ اصولوں پر عمل کرنے اور چلنے کا نام ہے۔ یعنی بغیر شریعت کسی شے کی ظاہری صورت کے اس کی حقیقت کا مدعی ہونا بے بنیاد اور لالچ یعنی عقیدہ ہوگا۔ شریعت پر چل کر اور طریقت حاصل کر کے حقیقت پر پہنچ سکے گا۔ جب شریعت کے اصولوں کو اپنا کر اور طریقت کو اختیار کر کے تلاش حق میں متعصب نہ ہوگا وہ اس کی حقیقت پر کیونکر پہنچ جائیگا۔ اور کس طرح حقیقت کے مقام کو پا کر اس کی پہچان کرے گا۔ جس کی اس کو تلاش تھی۔ اور کیسے وہ عارف باللہ یا معرفت یافتہ کہلائے گا۔ گویا شریعت نے جس نظریہ کو اس کے سامنے پیش کیا تھا، طریقت

پر قدم اٹھا کر حقیقت سے واقف ہوتا ہوا مطلوب کی معرفت پر اس کی تکمیل ہو جائے گی۔ اگر کوئی مدعی کاذب معرفت الہی کا تو دعویٰ ہے اور شریعت غرا کا شکر تو وہ اپنے دعویٰ فقر و محبت میں جھوٹا ہے۔ ایسے لوگ خود نامرد اور مردوں کے راہزن ہوتے ہیں اور عوام کو یہ کہہ کر فریب دیتے ہیں کہ فلاں بزرگ غیر شرع تھے، نماز کے پابند نہ تھے، روزہ نہ رکھا کرتے تھے، تکلفات شرعیہ سے بے نیاز تھے۔ ہم بھی ان ہی کے تابع ہیں۔ اس لئے ہم پابند شرع نہیں۔ حالانکہ یہ محض فریب نفس اور بے نیکی کی گفتگو ہوتی ہے۔ کسی کے غلبہ حال کی کیفیتوں کو ایک نفس پرست پر غلبہ حال سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتا اپنے واسطے اور اپنی نفسانی شرائط کے واسطے دلیل نہیں لاسکتا۔ وہ لوگ ہیں جنکو شریعت نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور سوائے مغلوب الحال بزرگوں کے کوئی شخص اتباع شریعت سے انکار کرنے کا استحقاق نہیں رکھتا۔ اور نہ خلاف شرع جا کر اہل طریقت سے اپنے آپ کو شمار کر سکتا ہے۔ یہاں شریعت اور طریقت کے فرق پر اسی نظریے کے ماتحت ایک نظم ملاحظہ ہو۔ جو لسان العصر حضرت اکبر الہ آبادی نے لکھی ہے:-

نظم شریعت اور طریقت کیا ہے؟

شریعت وضو ہے، طریقت نماز
طریقت عبادت کی تکمیل ہے
کہ معنی سے کر دے تجھے متصل
طریقت میں رفتار راہ خدا
وہ ہے موج دریا، یہ دریا میں کھٹ
طریقت میں فطرت کا ظاہر ہے نور
طریقت میں حسر مذاق انکشاف
طریقت کا اک خاص مضمون ہے

سنو دو ہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
طریقت شریعت کی تکمیل ہے
شریعت بحکم و طریقت بدل
شریعت میں آثار راہ خدا
طریقت شریعت سے ہے صفت بہ صفت
شریعت سے ہے طلعت کفر دور
شریعت کرے گی بصیرت کو صاف
شریعت تو اک عام قانون ہے

شریعت میں لازم اطاعت ہوئی
 شریعت تو ہے دیدہ نور میں
 شریعت ہے اک شمع محفل فروز
 شریعت ہے مہر سپر ہڈے
 شریعت ہے جان اور طریقت نشاط
 شریعت غذا ہے طریقت دوا
 شریعت عبادت ہے اللہ کی
 شریعت کی خدمت کا سب سے لگاؤ
 شریعت میں ہے نار و بخت کا رنگ
 شریعت کتابوں کی ہے محفل
 شریعت طریقت میں تو کیوں الجھ
 سخن سنجیاں گو ہوں میری درست
 طریقت بجز خدمت خلق نیست
 محال است سعدی کہ راہ صفا
 نہ ہو اہل اس کا تو کیا اس کی قدر
 شریعت میں دین اور ایمان ہے
 عبادت سے عزت شریعت میں ہے
 شریعت میں تائید ضبط نفوس
 طریقت قدم ہے شریعت ہے راہ
 شریعت در محفل مصطفیٰ
 شریعت میں ہے قیل و قال حبیب

طریقت میں شرط ارادت ہوئی
 طریقت بتی روح کی دور میں
 طریقت ہے اک شعلہ دہم سوز
 طریقت کا رخ سوسے حب خدا
 شریعت ہے منزل طریقت رباط
 شریعت چین ہے طریقت ہوا
 طریقت محبت ہے اللہ کی
 طریقت کی لذت ہے من یسأل
 طریقت میں ہے وصل و فرقت کا رنگ
 طریقت میں ہے درس الواح دل
 وہ قرآن ہے اور یہ اسکی سمجھ
 مگر قول سعدی نہایت ہے چست
 بہ تسبیح و سجادہ و دلق نیست
 تو آں رفت بجز بر پئے مصطفیٰ
 خدا ہی کی مرضی سے ہے شرح صدر
 طریقت میں تسکین اور ایقان ہے
 عبادت کی لذت طریقت میں ہے
 طریقت میں ذوق عمل با خلوص
 شریعت زباں ہے طریقت نگاہ
 طریقت عروج دل مصطفیٰ
 طریقت میں محو جمال حبیب

شریعت میں ارشادِ عہدِ الست طریقت میں ہے یادِ عہدِ الست

شریعت شکر ہے، طریقت ذباں

کہ معنی کی لذت چکھے تیری جاں

اس اصول کے خلاف ایک مدعی ولایت ولی تو کیا منکر احکام شریعت ہوتے ہوئے پکا مومن بھی نہیں رہ سکتا۔ العیاذ باللہ۔ وہ موٹے موٹے اصول جو ایک مومن کے لئے ولی بننے کے واسطے مجید ضروری ہیں اور نورانی صداقت و ربانی ہدایت کے ساتھ اہل مجاہدہ و محاسبہ و اولوالعزم لوگوں نے بیان فرمائے ہیں یہ ہیں۔
اصول :- اول متمنی ولایت کو چاہئے کہ کبھی خدا کی قسم نہ کھائے، جھوٹا ہو یا سچا، خواہ عمدہ ہو یا سہواً، کیونکہ اہل طریقت نے لکھا ہے کہ جب وہ ترک قسم پر اپنے نفس کو مضبوط کر دے گا اور زبان اس کی عادی ہو جائے گی تو یہ عادت اس کو وہاں تک پہنچا دے گی۔ کہ قسم کو وہ بالکل عمدہ و سہواً ترک کر دے گا۔ جب وہ اس خصلت کا عادی ہو جائے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے انوار سے ایک نور کا دروازہ اس پر کھول دیگا۔ اور اس کے درجہ میں بلندی۔ اس کے مقصد میں قوت، اس کے عزم میں استقلال، اس کے صبر میں تعریف، اس کی عزت و تکریم میں وسعت پیدا ہوگی۔ پھر عامل اس کا نفع اپنے اندر محسوس کرے گا۔ جو اس کو دیکھے گا اس سے ہیبت کھائے گا اور عزت کرے گا۔

دوئم :- دروغ بانی اور کذب بیانی یعنی جھوٹ بولنے سے قصداً و سہواً کناہہ کش رہے۔ اس لئے کہ جب وہ اس پر قائم ہو جائے گا اور اپنے نفس کو محکم و پختہ کر لے گا تو اس کی زبان حقیقہ و راست بازی کی عادی ہو جائیگی یعنی اس سے سچ کے سوا کچھ ظاہر نہ ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے انشراح صدر فرمائے گا۔ اور اس کے علم و سینہ کو مصفا کر دے گا۔ پھر وہ ایسا ہو جائے گا کہ گویا جھوٹ سے آشنا ہی نہیں۔ سچائی اس کے رگ و پے میں ایسی سرایت کر جائے گی کہ جب کسی دوسرے سے بھی جھوٹ سنے گا تو اس پر اظہارِ نفرت کر بیگا اور عیب رکھے گا۔ اور اپنے دل میں اس کی اس بد عادت کے دور ہونے کی دعا کرے گا۔

سوئم :- وعدہ کے پورا کرنے کی عادت رکھے اور وعدہ خلافی سے پرہیز اور احتراز کرے۔ اس عادت کے پیدا کرنے کی صورت یہ ہے کہ عام طور پر کسی سے وعدہ کرنا ہی چھوڑ دے۔ کیونکہ یہ بات اس کے حق میں

وعدہ خلافی سے بہتر رہے گی۔ وعدہ خلافی جھوٹ ہے اور جب انسان جھوٹ سے بچتا ہے تو اس پر سخاوت و
جاکا درود ادا کھل جاتا ہے اور راست باز لوگوں کے قلوب میں اس کی محبت ڈال دی جاتی ہے۔

چہارم۔ مخلوقات میں سے کسی ذی روح پر انسان ہو یا حیوان لعنت نہ کرے اور کسی کو ایذا نہ پہنچائے۔ اس سے لے کر
لعنت سے باز رہنا اور ایذا رسانی سے بچنا۔ اصفیاء اور صدیقوں کے اخلاق میں سے ہے۔ لعنت سے اجتناب
کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں رکھتا ہے اور ہلاکتوں سے بچاتا ہے۔ خلق کے فتنہ و شر سے محفوظ
کرتا ہے اور اپنا قرب نصیب فرماتا ہے۔

پنجم۔ مخلوق میں سے کسی پر بددعا نہ کرے، اگرچہ کسی نے اس پر ظلم ہی کیا ہو۔ ظالم سے اپنی زبان کے ساتھ قطع
صلہ کرنا اور اپنے فعل کے ساتھ اس سے بدل لینا اس کی بلندی مراتب سے بہت دور ہے۔ کیونکہ اس کو خدا
کے لیے برداشت کرنا چاہئے۔ یہ خصلت عامل کو بندگی درجات بخشی اور آخرت میں بزرگ بناتی ہے۔ قریب
و لعب میں عزت پاتا ہے اور صوفیوں کے نزدیک قابل تحريم و تکریم ہوتا ہے۔

ششم۔ اہل قبلہ میں سے کسی پر کفر و شرک کا فتویٰ نہ دے۔ جب تک کہ اس کا شرک و کفر و لفاق اس کے نزدیک
مسلم و یقینی نہ ہو۔ یہ بات رحمت کے قریب درجہ میں بلند اور اللہ تعالیٰ کے علم میں دخل دینے سے بہت
دور ہے۔ کیونکہ کسی پر کفر و شرک کا فتویٰ دینا گویا خدا کے علم میں دخل دینا ہے۔ یومومن کی شان سے بے یار و اسلام کے
منافی ہے۔ یہ فعل اللہ تعالیٰ کی ناراضگی سے بچانا اور اسکی رضامندی کے قریب کرتا ہے۔

ہفتم۔ ظاہری و باطنی گناہوں سے پاکیزگی حاصل کرے اور ان سے اپنے اعضاء و جوارح کو محفوظ رکھے۔ کیوں کہ عملوں
میں سے اس عمل کا ثواب جلدی ملتا ہے۔

ہشتم۔ اپنا ہر قسم کا چھوٹا بڑا بوجھ مخلوق میں سے کسی پر نہ رکھے اور نہ کسی کے اسیر سے کا قادی بنے۔ بلکہ اپنے بوجھ کو
تمام مخلوقات سے لوٹائے۔ خواہ اس بوجھ کی اسکو حاجت ہو یا اس سے سبب استعجاب ہو۔ کیونکہ یہ عبادوں کی
عبادت کا نتمہ ہے۔ اور اسی سے نیازی کے سبب سے ان کی عزت ہوتی ہے۔ کسی شاعر نے کیا
خوب لکھا ہے :-

ہیچ میدانی کہ سگ را با گدا غوغائے چسیت منع سے سازد کہ ہر حق بر در و بگد سرو

ترجمہ - شاعر کہتا ہے کہ کیا تو جانتا ہے کہ کتے کو بھیک مانگنے والے فقیر و گدا کر سے کیا عناد ہوتا ہے۔ کتا اس کو منع کرتا اور سبق سکھاتا ہے کہ سوائے خدا کے مخلوق کے دروازے پر نہ جا اور اپنی حاجت اسی بے نیاز سے مانگ جو انسان اپنی قوتِ لایموت کے لئے بھی دوسروں کا دست نگر ہو جاتا ہے۔ اللہ کریم اس کو تو نگری، استقامت یقین اور اعتماد کی دولت سے دُور ہٹا دیتا ہے۔ اور وہ دین و دنیا کے ہر میدان میں ذلیل و رسوا ٹھہرتا ہے۔

تھم - اپنی طمع کو لوگوں سے قطع کر دے اور اپنے نفس کو اس چیز کی طمع میں نہ ڈالے۔ جو اس کے ہاتھ میں نہیں ہے یہ عادت منقہ بزرگی، صحیح تو نگری، یقین مستحکم اور تخلص توکل عطا کرتی ہے۔ گویا یہ زہد کے دروازوں سے ایک دروازہ ہے۔ اسی لئے پرہیزگاری حاصل اور طبیعت عبادت پر مائل ہوتی ہے۔

دھم :- متواضع بنے، کیونکہ عابد کا محل اسی سے محکم ہوتا ہے۔ مولا کریم اور اس کی مخلوق کے نزدیک عزت و رفعت کامل ہوتی ہے۔ متواضع شخص دنیا و آخرت کے امور میں سے جس امر کا ارادہ کرے گا، اس پر اس کو قدرت حاصل ہوگی۔ اس سے صاحبین کے مراتب بلند ہوتے ہیں۔ اور یہی کمال تقویٰ کی کنجی ہے۔ تواضع کی تشریح اگلے باب اعمال و اشغال میں ذکر ہوگی۔

جب تک کسی شخص میں بندہ بالاختصاص نہ پائے جائیں، اس وقت تک اس کو سند ولایت پر متمکن سمجھنا ہی جائز نہیں اور جو ایسا نہ کرے گا، اپنے دعویٰ میں کاذب ہوگا۔ ایسے شخص کو کتاب اللہ کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ کہ وہ تعریف جو کتاب اللہ نے ولی کی کی ہے وہ کیا ہے اور کس پر وہ صادق آسکتی ہے۔ کتاب اللہ میں ولایت کا مفہوم قرب کا ہے۔ اور اس کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ولایت عامہ، دوسری ولایت خاصہ۔ ولایت عامہ میں تو تمام مومن شریک ہیں۔ جیسے مولا کریم نے ارشاد فرمایا ہے :- **اللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ** یعنی اللہ تعالیٰ مومنوں کا دوست ہے۔ جن کو اندھیروں سے نور کی جانب نکال لیتا ہے۔ اور ولایت خاصہ صرف اہل سلوک کے خدا رسیدوں کو حاصل ہوتی ہے۔ حضرت ابو علی صہبائی فرماتے ہیں۔ **وَهِيَ عِبَارَةٌ فَنَاءُ الْعَبْدِ فِی الْحَقِّ یَقَابِلُهَا فَاُولٰٓئِیْ هُوَ الْفَانِیْ فِیْهِ وَالْبَاقِیْ** یہ معنی اس سے مقصود ہے بندہ کا خدا کی حقیقت میں فنا ہو جانا اور اسی کے ساتھ باقی رہنا۔ پس ولی اس کو کہتے ہیں جو فانی فی اللہ ہو اور باقی باللہ ہو۔ ابو علی جو رجائی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **اَلْوَلِیُّ هُوَ الْفَانِیْ مِنْ حَالِہٖ وَالْبَاقِیْ فِی مُشَہَدَةِ الْحَقِّ**

لَمْ يُجِبْ لَهُ مِنْ نَفْسِهِ احْبَارٌ وَلَا مَعِ غَيْرِ اللَّهِ قَرَارٌ یعنی ولی وہ ہے جو اپنے حال سے فانی اور خدا کے مشاہدہ میں باقی ہو۔ اس کو نہ اپنی طرف سے خبر دینا ممکن ہے اور نہ خدا کے سوا قرار ہے۔

حکایت

حضرت ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو فرمایا کہ کیا تو ولی اللہ بننا چاہتا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ ہاں حضرت ابراہیم ادھم نے فرمایا کہ دنیا اور آخرت کی طرف خواہش نہ کر، کیونکہ ان کی خواہش سے خدا کی طرف اعراض ہوگا رسالہ قشیریہ میں ہے کہ ولی وہ ہے جو خدا کی اطاعت اور عبادت کا والی ہو۔ اور اسکی عبادت اس سے بدول کسی گناہ کے متواتر جاری رہے۔ اور گناہ سے ایسا محفوظ ہو جیسے نبی گناہ سے معصوم ہوتا ہے۔

ابو عبد اللہ سالمیؒ فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جس کی زبان میں نرمی ہو۔ حسن اخلاق، خندہ پیشانی اور نفس کا سخی ہو۔ اعتراف کم کرے۔ جو شخص اس کے سامنے عذر کرے۔ اس کا عذر قبول کرے۔ تمام لوگوں پر خواہ نیک ہوں یا بد شفیق ہو اور کسی کے احسان پر نظر نہ رکھتا ہو۔

کتاب کشف المحجوب میں حضرت زبید الاولیاء، قدوة الاصفیاء، داتا گنج بخش علی ہجویری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ ولی اولیاء ولایت پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے نبوی برہان کو باقی کر دیا ہے۔ اور اولیاء اللہ اس کے اظہار کا سبب ہیں تاکہ خداوند عالم کی نشانیاں اور حضور ختمی مرتبت تاجدار کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت ظاہر ہوتی رہے۔ اور اولیاء اللہ کو خدا کی کائنات کا والی بنا دیا گیا ہے۔ تاکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے منجر و مجدد ہو جائیں۔ ان کے قدموں کی برکت سے آسمان سے بارش ہوتی ہے اور ان کے حال کی صفائی کی وجہ سے زمین سے روئیدگی اُگتی ہے۔ اور ان ہی کی پاک جوانیوں اور بلند بہتوں کا صدقہ مسلمان کا نروں پر تنگیوں میں فتح حاصل کرتے ہیں۔ اور ان کی تعداد چار ہزار ہے۔ جو ہر حال میں اپنے آپ اور مخلوق سے چھپے رہتے ہیں۔ اور ان میں جو لوگ اہل تصرف اور درگاہ الہی کے پیارے ہیں وہ تین سو ہیں۔ جن کو اختیار کہا جاتا ہے۔ پھر ان میں سے چالیس ابدال سات ابرار، چار اوتاد، تین سونقباء اور ایک قطب و غوث ہوتے ہیں۔ یہ سب ایک دوسرے کو جانتے پہچانتے ہیں اور کاموں میں ایک دوسرے کی اجازت کے محتاج بھی ہوتے ہیں۔ کتاب فتوحات مکیہ کے باب ایک سو

اٹھانے کی فصل اکتیس میں سات قسم کے اشخاص کو ابدال بیان کیا گیا ہے۔ اور ذکر کیا ہے کہ حق سبحانہ تعالیٰ نے زمین کو ہفت اقلیم بنایا ہے۔ اور اپنے بندوں میں سے سات اشخاص کو پسند کر کے ان کا نام ابدال رکھا ہے۔ تاکہ ہر اقلیم کے دو دو کو ان میں سے ایک ایک نگاہ میں رکھے۔ غالباً صاحب فتوحات مکیہ کی بھی منشا اس بیان سے وہی ہے جو حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہوری کی ہے۔ اور یہ سات مقدس ہستیاں وہی ہیں جن کو داتا گھاتک نے سات ابرار ارقام فرمایا ہے۔ بعض کتب تصوف میں یہ تذکرہ بالترتیب بھی آیا ہے۔ جیسا کہ فقیر نے اپنی کتاب صحیفہ غوثیہ شرح قصیدہ غوثیہ شریف میں لکھا ہے۔ یعنی۔

افراد۔ اس جماعت کا نام ہے جو قطب زمانہ کے دائرہ تصرف سے باہر ہوتی ہے۔ چونکہ یہ حضرات ظل ملائکہ ہوتے ہوتے ہیں اور ملائکہ تصرف ارضی سے علیحدہ اور اس کے تصرف سے بالاتر ہوتے ہیں۔ اس لئے افراد اقطاب کے تصرفات سے باہر ہوتے ہیں۔

اقطاب۔ وہ ہیں جو مدار وجود خلائق اور شہود حقائق میں جیسا کہ فلکیات کے مرکز قطب کو صرف انتظام وجود عالم کے لئے منتخب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح اصطلاح تصوف میں قطب بھی مقام مخدع ہے۔ پھر اقطاب ایک زمانہ میں کئی ہوتے ہیں جو قطب الاقطاب کے ماتحت ہوتے ہیں جس کے متعلق کتب تصوف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ **هُوَ بَاطِنٌ نَّبُوْتُهُ مُحَمَّدٌ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا يَكُونُ إِلَّا بِوَرِثَتِهِ لَا خَتَمَ لِي بِإِلَّا كَمَلِيَّةٍ فَلَا يَكُونُ خَاتَمًا وَلَا حِيَّةً وَقُتُبُ الْأَقْطَابِ إِلَّا عَلَى بَاطِنِ خَاتَمِ النَّبُوْتِ** یعنی قطبیت نبوت محمدی کا باطن ہے۔ پس نہیں حاصل ہوتی مگر اس کے وراثت کے لئے کیونکہ حقیقی کمال ان کے لئے مختص ہے۔ پس خاتم الولايت اور قطب الاقطاب سوائے باطن خاتم النبوت کے نہیں ہو سکتا پھر اقطاب ایک زمانہ میں کئی ہوتے ہیں۔ اور قطب الاقطاب یا غوث جس سے درجہ قطبیت کبریٰ مراد ہے صرف ایک ہوتا ہے۔ پھر ان کے مختلف مدارج اور بھی ہیں۔ مثلاً۔

قطب ارشاد۔ یہ آیات ہدایت کا مدار ہوتا ہے جس سے عصیان و طغیان اور کفر و عدوان کی تاریکیاں دور ہوتی ہیں۔

قطب اوتاد۔ اس طبقہ کا ہر فرد ایک بیج کا کام دیتا ہے۔ کیونکہ اوتاد جمع وتد کی ہے۔ اور وتد (بیج) کو کہتے

ہیں جسکے ساتھ زمین و آسمان بھر رہا، شجر و حجر، چرند و پرند وابستہ ہیں۔ جب کوئی قطب دنیا سے سفر کر جاتا ہے تو اس کی جگہ اوتا دسے پوری کی جاتی ہے۔

قطب ابدال۔ یہ حضرات اس درجہ سے متعلق ہیں۔ جن کو ہر لحظہ ترقی مدارج ہوتی رہتی ہے۔ ان کو ابدال اس لئے کہا جاتا ہے کہ ایک کی کمی پر دوسرا اس کا بدل بن کر اس کی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ اور ان کی تعداد ہمیشہ چالیس پر مشتمل رہتی ہے۔

پنجاب۔ یہ بھی چالیس اولیاء اللہ کی ایک جماعت ہوتی ہے جس سے قطب ابدال بنتے ہیں۔

نقیار۔ یہ جماعت تین سو اولیاء اللہ پر مشتمل ہوتی ہے۔ جو عام مقامات میں کام کرتے ہیں۔

الغرض مرتبہ ولایت، اتباع شریعت، ترک بدعت، اجتناب کفر و شرک و کبار معاصی، کی شرط اولین رکھتا ہے۔ جو شخص احکام شرع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تابع نہیں وہ ولایت و فقر سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتا۔ کیونکہ جس نے شریعت کے احکام سے سر تانی کی اور محبوب کی غلامی سے تساہل برتا وہ بدعت، مکار اور فریبی ہے۔ لکھی کی طرح پروانے کی ہم پائیگی کا دعویٰ رکھتا ہے۔ مگر شمع کے حسن بے پناہ پر جان دیتا نہیں جانتا۔

حضرت مجدد الدین بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں ایک درویش کے ساتھ سفر میں تھا کہ راستہ میں ہم نے ایک علاقہ کے مشہور بزرگ کی تعریف سنی۔ میں نے اس درویش کو کہا کہ چلو ان کی زیارت کو چلیں۔ چنانچہ وہ میرے ساتھ ہولیا۔ جب ہم اس مقام پر پہنچے جہاں وہ بزرگ رہتے تھے تو اتفاق سے وہ ہم کو راستہ میں ہی مل گئے جو نماز پڑھنے کے ارادے سے مسجد میں جا رہے تھے۔ ہم نے ملاقات کی اور سلام سنون کے بعد ان کے پیچھے مسجد کی طرف چل دیے۔ جب وہ بزرگ مسجد کے صحن میں ہوتا اتار کر قدم رکھنے لگے تو انہوں نے پہلے بایاں قدم اندر رکھا۔ بونہی کہ میرے ساتھی نے ان کو بایاں قدم مسجد میں رکھتے دیکھا مجھے کہنے لگا کہ چلو واپس چلیں۔ اس شخص نے مسجد میں پہلے بایاں قدم خلافت سنت داخل کیا ہے۔ جو انسان محبوب کے دروازے پر مجلس اور دربار کے آداب نہیں جانتا وہ بزرگ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ ہم اس کی اس بے ادبی کو دیکھ کر واپس چلے آئے۔ سبحان اللہ۔ طالبین حق کے لئے کس قدر غور کا مقام ہے کہ جو احسن اللہ اتنی سی کوتاہی پر ایک بزرگ کی ہم نشینی گوارا نہیں فرماتے، وہ بھلا یہ کب جائز رکھتے ہیں کہ ایک نام نہاد بلا عذر شرعی ترک احکام کرنے والا اور بغیر علیہ سال کے اعمال سنت کو چھوڑنے والا

ولی اللہ تسلیم کر لیا جائے۔

اسی قسم کی ایک حکایت حضرت سلطان الہند قطب زمال خواجہ غریب نواز اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے بھی منسوب ہے کہ ایک وقت کی نماز میں آپ کے ہاتھ ڈھیلے پڑ گئے، یعنی اپنے اصلی مقام پر نہ بندھے رہے۔ تو تین دن حضوری دربار رسالت سے محروم فرما دیئے گئے۔ آخر بڑی گریہ و زاری سے چوتھی رات دربار رسالت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں پھر باریابی ہوئی اور عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خادم کا کیا قصور تھا جو تین دن رات زیارت سے محروم فرما دیا گیا۔ حکم ہوا کہ فلاں وقت کی نماز میں تمہارے ہاتھ ڈھیلے بندھے ہوئے تھے۔ اس لئے دربار میں آنا بند کر دیا گیا تھا۔ کہ اگر تم جیسا ایک قطب وقت میری سنت کی یہ پرواہ و قدر کرے تو عوام کا کیا حال ہوگا۔ اللہ اللہ کجا وہ اولوالعزم بزرگان دین اور کجا آج کل کے بدنام کسندہ نیکو نام چند فقراء بھال جو ہر امر شریعت کا استحقاق و توہین اپنی درویشی کا طرہ امتیاز سمجھتے ہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ ۝



ضرورتِ شیخ اور بیعتِ بیعت

ضمناً گزشتہ باب میں بیعت کی معنوی حقیقت و ضرورت پر مفصل بحث ہو چکی ہے۔ کہ اس کی غرض و قیامت کیا ہے۔ اور متقدمین نے اسکو کیوں لادبی خیال کر کے امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے بعد داعی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں دوسرا درجہ دے رکھا ہے۔ مگر فی زمانہ بعض لوگ اس مسئلہ کے اس قدر منکر نظر آتے ہیں کہ گویا مسئلہ بیعت ان کی تحقیق میں ایک کفر یہ فعل ہے۔ اور گفتگو میں تو یہاں تک تجاوز عن الحد کر جاتے ہیں کہ ان کی عقل نارمابیت لینے والے مشائخین اور بیعت ہونے والے ارادتمندوں کو نعوذ باللہ کسی بڑے سے بڑے مشرک سے کم نہیں سمجھتی۔ پھر کس پر خود ساختہ دلائل کا وہ بہکاوا کہ خدا کی پناہ۔ جو بھی مشرکین و بت پرستان عرب کے حق کی آیات و احادیث ملتی ہیں۔ تمام تر تصویروں، فیقروں اور پیروں پر بڑی جہالتی ہیں۔ باور نہ ہو تو کتاب صراطِ مستقیم اسد الرحمن صاحب بھوپالی کو دیکھیے جس میں اسی عیاری سے کام لیا گیا ہے۔ ص ۲ پر لکھا ہے۔ اگر تم نے اپنی دعاؤں اور عبادتوں میں کسی دوسری ہستی کو شریک کر لیا، خواہ وہ نبی ہو یا ولی۔ جیسا کہ اہل تصوف کا طریقہ ہے۔ تو تم نے توحید کا اعتقاد درہم برہم کر دیا اور تم اتقا کے دائرے سے نکل گئے۔ پھر ص ۲ پر زیر آیت وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ۔ الآخر۔ لکھا ہے کہ جو لوگ اللہ کے سوا اولیوں کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم اس لئے ان کی پرستش کرتے ہیں کہ اللہ کے قریب ہم کو پہنچا دیں گے۔ اللہ ان کے اس اختلافی عقیدہ کا فیصلہ کرے گا۔ اللہ ایسے جھوٹے منکروں کو نیک راستہ نہیں دکھاتا۔

خدا کی قدرت ہے کہ یہ لوگ قرآن کریم میں بھی اپنی کج فہمی نفس کے ماتحت غلو کرنے سے باز نہیں آتے۔ اور نہ خوفِ خدا رکھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس غلط بیانی کے بدلے قیامت کو کیونکر جواب دہ ہوں گے۔

پھر ص ۲ پر زیر آیت وَكَيْفَ يُدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ... الآخر۔ لکھا ہے کہ کیا مسلمان اور اہل تصوف حضرات خصوصاً وہ لوگ جو پیروں کو اللہ کے مال سفارشی اور دین و دنیا کا حاجت روا سمجھتے ہیں۔ ان آیات

شرفیہ پر غور کر کے اپنا موازنہ کریں گے۔ گویا اسد الرحمن صاحب بھوپالی کے نزدیک یہ آیات شریفہ صوفی اللہ کے نیک بندوں اور پیران عظام ہی کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جو پرلے درجے کی خیانت دینی ہے۔ لاجل ولا قوتہ الا بآلاء اللہ العلیٰ العظیمہ۔ یہ ایک وہ فریب نفس ہے جسکی زد سے یہ فریب خوردہ افراد بغیر کسی دلدیش ہی کی توجہ کے قیامت تک نیکی کو نہیں پہنچ سکتے۔ پھر ایک اور چیز بھی اس جماعت میں قابل ذکر ہے کہ پیران عظام کی بیعت کو حرام کہتے ہوئے اپنی جماعت کے بعض حضرات کی بزرگی کا ڈھنڈورہ پیٹتے ہیں، اور ان سے بیعت ہونے کی لوگوں کو دعوت بھی دیتے ہیں۔ اور وہ حضرات خود بھی قادری، چشتی، سروردی، نقشبندی، فقراء کی بیعتوں کو شرعاً ناجائز فرماتے ہوئے اپنا بے بنیاد سلسلہ بیعت جاری کر لیتے ہیں۔ اور اتباع نفس کی تعلیم کو مسنون بیعت کا رنگ پڑھا کر یوں تبلیغ کرتے ہیں کہ ان پیروں کی بیعت خلاف شریعت ہے۔ اور ہماری مطابق سنت۔ سبحان اللہ۔ صداقت وہ جو سر چڑھ کر بولے، کوئی پوچھے۔ ایں گناہ بیعت کہ در شریعت کفر ہے۔ وہی کام دوسرے کریں تو حرام اور خود کریں تو ثواب چونکہ اس جماعت کا تمام تر مدار الفاظ کے ذخیرے پر ہے اور شاید نہیں جانتے کہ بیعت کا حکم قرآن و حدیث میں ہے بھی یا نہیں۔ اور اگر ہے تو متقدمین حضرات، صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور ان سے متاخرین اصحاب نے اس کو کیا سمجھا ہے۔ اور اگر جانتے ہوتے تو یوں شاید انکار نہ کرتے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوتی ہے کہ ان کے اس ذخیرہ الفاظ کا جواب بھی دے ہی دیا جائے۔ جس سے ثابت ہو جائے کہ مسئلہ بیعت کس قدر ضروری ہے اور کتاب اللہ، حدیث و علائشانہ و احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اعمال اقوال متقدمین سے اسکی حقیقت کیوں کہ مشکفت ہوتی ہے۔ و یا اللہ التوفیق۔

یہ تو ایک مسئلہ مسئلہ ہے کہ قرآن حکیم میں رب العزت جل و علائشانہ نے انسانی پیدائش کی علت غائی صوفی اپنی عبادت اور معرفت قرار دی ہے۔ اور وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ کے حکم سے یہ ثابت فرمادیا ہے کہ اس کے علاوہ دنیا میں انسانی پیدائش کی اور کوئی غرض و غایت نہیں کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ اور دوسرے لوازمات و اسباب زندگی اسی عبادت و معرفت کی تکمیل کے لئے ہیں۔

چونکہ انسانی ڈھانچہ روح اور جسم کا مجموعہ اور ان ہی دو چیزوں سے مرکب ہے اور ان دونوں میں تغیرات و حوادث کا آنا ممکن ہے۔ اس لئے جسمانی علاج کی ضرورت کے ساتھ ساتھ روحانی قوی کی کمزوری بھی قابل علاج سمجھی گئی ہے

خورد و نوش کی بے اعتدالی اگر جسم کی صحت کو خراب کر دیتی ہے، تو ترک عبادت و ترک ذکر الہی اور بد اعتقادوں کی صحبت سے روح بھی بیمار ہو سکتی ہے۔ جسم کی زندگی اگر پاکیزہ غذا اور صحت و شقاوت پانی پر انحصار رکھتی ہے تو روح کی حیات و سلامتی کا دار و مدار عبادت الہی اور اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔ پس جس طرح جسمانی امراض کے علاج کو حکیم جسمانی کی طلب ہوتی ہے عین اسی طرح روحانی آفات و بلیات سے بچنے کے لئے کسی طبیب روحانی کی بھی ضرورت ہوگی۔ اور وہ طبیب روحانی شیخ طریقت و مرشد حقیقت ہی ہو سکتا ہے۔ جس نے نبوت کے روحانیہ کالج سے ڈگری حاصل کی ہوئی ہو پس ایسے حکیم روحانی سے علاج کرنا بیعت اور شیخ کی حقیقت کو واضح کر دیتا ہے۔ متلاشیان حق کو چاہئے کہ وہ ایسے شخص کی جستجوئیں رہیں جو ان کی روحانی امراض کا علاج کر کے دربار رسالت کے قابل اور باخدا بنا دے۔ اقبال مرحوم نے کیا مزے کی بات کہی ہے۔ شعر

کیمیایا کن از مشق گلے بوسہ زن بر آستانے کا ملے
نیز فرمایا۔ شعر

قدم زار در تلاش آدمی زن خدا ہم در تلاش آدمی ہست
کیونکہ اسلام نے تزکیہ نفس کا جو طریق اختیار کیا اور ارشاد فرمایا ہے۔ اس میں علم و عمل کی دونوں طاقتیں شریک نظر آتی ہیں۔ اس کا علمی پہلو قرآن مجید اور احادیث نبوی کے نورانی صفحات میں نظر آتا ہے۔ اور عملی پہلو کو بانی اسلام شارع علیہ السلام کے اعمال طاہرہ بے نقاب کرتے ہیں۔ لیکن اسلام کی صرف یہی خصوصیت نہیں کہ وہ نظری حیثیت سے علم و عمل کا جامع تھا۔ بلکہ اس کا اصلی معجزہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم خود جس تعلیم کے منظر حقیقی تھے۔ حضور نے صحابہ کرام اور بزرگان عظام کو بھی اس کا مجسم پیکر بنا دیا۔ اس بنا پر اگر آج ہم تعلیمات اسلام کی عملی تصویر دیکھنا چاہیں، تو جناب رسالت مآب علیہ السلام کی سیرت مبارک کے علاوہ اصحاب پاک کے سوانح شریفہ اور بزرگان دین کے اعمال منیفہ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ان آئینوں میں بھی ہم کو وہی آفتاب ہدایت منعکس نظر آ سکتا ہے۔ جو خود صاحب شریعت علیہ السلام کے آئینہ خانہ میں ضیاء افکن تھا۔ مگر بصارت و بصیرت شرط ہے۔

قرآن کریم میں مسئلہ بیعت کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ** (پ۔ س مائدہ) ترجمہ۔ اے ایمان والو۔ اللہ کریم سے ڈرو۔ اور اس کی

طرت وسیلہ تلاش کرو۔ اور اس کی راہ میں (محنت و مجاہدہ) جہاد کرو۔ تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اس آیت شریفہ کی شرح میں کتاب قل الجہل شاہ ولی اللہ محدث دہلوی میں لکھا ہے۔ کہ یہاں وسیلہ سے مراد نہ تو ایمان ہے۔ کیونکہ ایمانداروں سے تو پہلے ہی خطاب ہو رہا ہے۔ اور نہ ہی اعمال صالح، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ عبادات بدنی ہیں۔ کیونکہ یہ تقویٰ میں شامل ہیں۔ اسی طرح جہاد بھی مراد نہیں۔ وہ بھی تقویٰ میں شامل ہے۔ پس وسیلے سے مراد ارادت ہے۔ بیعت اور مرشد طریقت ہے۔ ایسے ہی منکرین کے رہنما مولوی اسماعیل دہلوی نے بھی رسالہ امامت میں وسیلہ سے مراد صلح مراد لیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:-

”مراد از وسیلہ شخصے است کہ اقرب الی اللہ باشد“

یعنی وسیلے سے مراد وہ شخص ہے۔ جو بزرگی اور تقرب میں اللہ کریم کے بہت قریب ہو۔ قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔ یَبْتَغُونَ إِلَيَّ رِبِّهِمْ الْوَسِيلَةَ إِلَيْهِ أَقْرَبُ۔ (پ۔ س۔ نبی اکرم) یعنی اپنے رب کی جانب وسیلہ تلاش کرتے ہیں کہ ان میں کونسا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اور زیادہ قریب ہے۔ جس کا وسیلہ اختیار کریں۔ تفسیر موضح القرآن میں اس آیت کے ماتحت لکھا ہے۔ وہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کا وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کے بہت نزدیک ہو۔ اس کا وسیلہ پکڑیں۔

پیر تیسری جگہ قرآن پاک میں ایک بیعت کے ذکر میں بشارت فرمائی گئی ہے۔ اور بشارت بھی اس جماعت کی بیعت پر جو انوار انزل کی روشن ضمیر گنجینہ اسرار کی خازن، قرآن کریم کی نقش پرداز، حدیث کی مصحف ناطق، دیوان خانہ نبوی کی دبیر، جان صدق، پیکر یقین، روان ایمان۔ صورت دین خلاصہ کائنات اور عصارہ ملکات تھی۔ اور وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہو رہا ہے۔ اِنَّ الْاٰزِيْنَ يُّبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُّبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ حَسِبْتَ نَا اِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهٗ اللّٰهُ فُسُوْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ (پ۔ ۲۶) ترجمہ۔ یعنی اے محبوب مکرم (علیک الصلوٰۃ والسلام) جو لوگ آپ سے بیعت کرتے ہیں۔ وہ درحقیقت آپ سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ سے بیعت کرتے ہیں اور آپ کا نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا ہی ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ پس جو شخص ایسا پکا قول و اقرار کرنے کے بعد اس کو توڑے گا۔ تو توڑنے کا وبال خود اس کی گردن پر ہی پڑے گا۔ اور جو اس عہد کو پورا کرتا رہے گا۔ جو اس نے خدا تعالیٰ

کے ساتھ کر لیا ہے۔ تو عنقریب خدا تعالیٰ اس کو بڑا اجر عطا فرمائے گا۔

علامہ نسفی رحمۃ اللہ علیہ نے اس آیت کے مطالب پر بحث کرتے ہوئے اہل تصوف کے بارہ اقسام بیان فرمائے ہیں۔ جن میں سے گیارہ مدعیوں کے عقائد و حالات بیان کر کے ان کو گمراہ اور شیطانی فرقے لکھا ہے اور بارہوی فرقہ کے متعلق فرمایا کہ وہ لوگ اہل قرآن و حدیث ہیں اور اہل سنت و الجماعت کے عقائد میں راسخ و پختہ ہیں۔ جو دنیا کو آخرت کے لئے ترک کرتے ہیں اور اللہ کریم کے مطیع و متواضع۔ آداب سنت پر عامل اور خلق خدا کے ساتھ نیکی کرنے والے جامع صفات و کمالات ہیں۔ ان کی خدمت میں بیٹھنا نوافل پڑھنے سے بہتر ہے۔

پھر فرماتے ہیں۔ اس آیت شریفہ میں بیعت کے مشروع ہونے کی دلیل ہے۔ اور یہ امر مشہور و متواتر اجماع امت سے ثابت ہے کہ بیعت امر شرعی ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین سے چند قسم کی بیعتیں لی ہیں۔ کبھی کسی فعل کے کرنے پر، کبھی ممنوعات کے ترک کرنے پر، کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر، کبھی بیعت عام کبھی بیعت خاص کبھی شخص خاص کی اور کبھی کسی قوم خاص کی۔ کبھی مردوں کی اور کبھی بحکم قرآن عام عورتوں کی۔ کہ ہم شرک نہ کریں گی چوری نہ کریں گی، زنا نہ کریں گی، قتل اولاد نہ کریں گی اور ایک مرتبہ خاص انصار عورتوں سے بیعت لی کہ ہم نوحہ نہ کریں گی۔ کبھی مہاجرین کی بیعت لی کہ ہم کسی سے کچھ نہ مانگیں گے۔ اور منجملہ اقسام بیعت سے ایک بیعت خلافت بھی ہے۔ یعنی اہل ایمان متفق ہو کر صدق و صلاح کی نیت سے اپنے درمیان کسی ایسے شخص کو منتخب کر لیں جو دیانت و تقویٰ میں ممتاز۔ صائب الرائے اور عوام میں عظمت و امور سیاسیہ میں تحقیق تامہ رکھنے والا ہو۔ اور یہ انتخاب محض امور شرعیہ کے ماتحت ہو خلافت شریعت چھوڑا جاسکتا ہو۔

دوئم۔ بیعت اسلام۔ یعنی کسی کے ہاتھ پر مسلمان ہونا۔ سوئم بیعت التقویٰ۔ یعنی کسی مرد صالح کے ہاتھ پر بدیل غرض بیعت کی کہ آپ مجھے جو تقویٰ کے متعلق ہدایات ہیں، وہ فرمائیں، میں عمل کروں گا۔ اور آپ میرے لئے دعا فرمائیں کہ رب العزت مجھے توفیق و مغفرت عطا فرمائے۔ یہ بیعت عام بزرگان دین کا شعار رہا ہے۔

بعض لوگ یہ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ اگر یہ بیعت مسنون ہوتی تو زمانہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم میں جاری رہتی۔ سو اس کا صحیح جواب یہ ہے کہ سنت تین قسم کی ہے۔ قولی، فعلی، تقریری۔ پھر فعلی سنت کی دو قسمیں ہیں ایک ہو کدہ اور ایک زوائد یا مستحب۔ یعنی ایک وہ جس پر حضور علیہ السلام نے ہیشگی فرمائی۔ اور ایک وہ جس پر

ہیشگی نہیں فرمائی۔ سو یہ بیعت دوسری قسم سے ہے اور خلفائے راشدین کے ترک کرنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ لوگ براہ راست آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت سے مستفید ہو چکے تھے۔ اور کوئی بہت عرصہ بھی نہ گزرا تھا۔ اس لئے ان کو اس بیعت تقویٰ کی حاجت نہ تھی۔ بلکہ اس کے بعد بھی کچھ عرصہ یہ بیعت فتنہ حجابیہ و مردانیہ کے باعث متروک رہی اور ذال بعد علماء صلحاء نے جب وقتِ فرصت دیکھا۔ اس طریقہ مبارکہ کو جاری و زندہ کر دیا۔

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کے ساتھ مقصود ہے۔ اور درمیان میں واسطہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام فقط عاریتاً ہے۔ یعنی جس شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ جل و علا شانہ سے بیعت کی۔ کیونکہ حقیقتاً یہ بیعت بیعت الہی ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام کا دست مبارک درمیان میں ایک واسطہ ہے۔ اور وہ ہنزلہ خدا تعالیٰ کے ہاتھ مبارک کے ہے۔ شیخ قاسم نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بیعت ایک بڑی نعمت ہے۔ اور اس نعمت کی ہدایت کرنا اس سے زیادہ نعمت ہے۔ جو ہمیشہ مومنین و صادقین کا شیوہ رہا ہے۔

بیت الرضوان کے متعلق یہ مشہور روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے جب عام صحابہ سے بیعت الرضوان لی تو اس وقت سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ حضور کی طرف سے ایچی ہو کر اہل مکہ کے پاس تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ لوگوں سے بیعت لینے کے بعد بلند آواز سے فرمایا کہ اکی عثمان رضی اللہ عنہ تیرے رسول (علیہ السلام) کے کام پر گیا ہوا ہے۔ لہذا میرا یہ ایک ہاتھ عثمانؓ کا ہاتھ ہے۔ جس کو اپنے دوسرے ہاتھ پر رکھ کر عثمان رضی اللہ عنہ کی بیعت لیتا ہوں پس آپ نے اپنے ایک دست مبارک کو دوسرے دست مبارک پر رکھا اور حضرت عثمانؓ کی بیعت فرمائی۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ سبحان اللہ۔ حضور علیہ السلام کا دست مبارک حضرت عثمانؓ کے لئے سب لوگوں کے ہاتھوں سے کس قدر افضل رہا۔ اس روایت سے اکثر مشائخ کرام نے بیعت کے اشد ضروری ہونے کی دلیل پکڑی ہے۔

پھر بعض مفسرین زیر آیت وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَىٰ لکھتے ہیں کہ اس کا اتباع کرو جس نے میری جانب رجوع کیا ہو۔ اور مقام قرب میں پہنچا ہوا ہو۔ اس سے مراد بیعت ہے۔ اللہ کریم جل مجدہ جس کی ہدایت چاہتا ہے۔ اسے کوئی سچا لہ نہ مال جاتا ہے۔ اور مرشد کے لئے ولی اللہ ہونا ضروری ہے۔ بیشک سچے مرشد اولیاء اللہ ہی ہو سکتے ہیں۔ پھر

جب کوئی ولی اللہ مرشد مل جائے تو اس سے بیعت اور راہِ رشد کی تعلیم حاصل کرو۔ اور اسکی ہدایت پر صبر و استقلال سے عمل کرو۔ تاکہ تم صراطِ مستقیم پر چل کر منزلِ مقصود پر پہنچ جاؤ۔ کیونکہ اصحابِ طریقت کے نزدیک انسان اسوقت تک کامل نہیں ہو سکتا۔ جب تک معقولات و منقولات کے محدود دائرہ سے نکل کر مشہودات کے میدان میں قدم نہ رکھے۔

اور یہ دولت بغیر مرشد و مجاہدہ کے حاصل نہیں ہوتی۔ محض علمِ ظاہر پر اکتفا کرنا کمالاتِ بشری سے محروم رہنا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ اکثر آدمی باوجود علمی رفعتوں پر فائز ہونے کے بھی اطمینانِ قلب جیسی نعمت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ اور آج تو کثرت سے اہل علم حضرات موجود ہیں۔ جن کے علامہ ہونے میں کلام نہیں۔ اور وہ اوامر و نواہی کے بھی نمونے سمجھے جاتے ہیں مگر نفس کی شرارتوں سے مامون نہیں ہیں۔ غصہ، حسد، غرور، حرص، ریا، بخل، تکبر اور عجب وغیرہ اوصافِ رذیلیہ سے اکثر اوصاف میں ملوث نظر آتے ہیں۔ جو اس امر کا بین ثبوت ہے کہ وہ نعمتِ قربِ ربانی سے محروم ہیں جس پر شرافت و طمانیت کا انحصار ہے۔ اگر ظاہری علوم ہی صلاح و فلاح کا ذریعہ ہوتے تو تمام اہل علم عارفینِ حق ہو جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب انسان کو راہِ حق پیش کر سکتی ہے۔ مگر ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتی۔ قانون کسی جرم کے عوض میں مجرم کو بیڑیاں ڈال سکتا ہے مگر اس کو جرم سے باز نہیں رکھ سکتا۔ پس یہی سبب ہے کہ قدرت نے تمام کتابوں کے ساتھ عملی نمونے مبعوث فرمائے ہیں۔ اور یہ آیتِ کریمہ قَالِ لَہٗ مُوسٰی هَلْ اَتٰیْعٰکَ عَلٰی اَنْ تَعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتُ رُسُلًا اس امر کی کھلی دلیل ہے کہ راہِ رشد مرشدِ کامل ہی سے مل سکتی ہے۔

بنابریں مطلب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت سے قبل حق سبحانہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ حضرت خضر علیہ السلام سے راہِ رشد کی تعلیم حاصل کریں۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حسبِ احکم باری تعالیٰ عزائمہ حضرت خضر علیہ السلام سے ملے اور کہا کہ اگر آپ مجھے راہِ رشد تعلیم کریں تو میں آپ کی صحبت میں کچھ دن رہوں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے۔ کیونکہ اس راہ کی بعض باتیں فہم سے بالاتر ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ انشاء اللہ آپ مجھے صابر پائیں گے۔ اور میں آپ کے معاملات میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اور نہ آپ کے حکم کی خلاف ورزی ہوگی۔ اس قصہ میں اللہ تعالیٰ اصل مجدد نے طالبانِ حق کو جہاں راہِ رشد کی کسی پیرِ کامل سے تعلیم لینے کی ہدایت فرمائی ہے۔ وہاں چند ایسی باتوں کی آگاہی بھی فرمائی ہے۔ جو راہِ بر و طریقت کے لئے نہایت ضروری و لا بدی ہیں۔

- ۱۔ یہ کہ طریقت کی تعلیم مرشدِ کامل کے پانے ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ خود بخود نہیں آتی۔
- ۲۔ یہ کہ طریقت یا راہِ رشد کے حصول کیلئے صحبت و خدمت مرشد بھی ضروری ہے۔
- ۳۔ ہدایت و تعلیم مرشد میں صبر و استقلال سے کام لینا چاہئے۔
- ۴۔ اطاعت شیخ کا معاہدہ کرنا اور آئندہ ہمیشہ کے لئے اس معاہدہ پر قائم رہنا۔
- ۵۔ اگر بعض باتیں مرشد سے ایسی ظہور میں آئیں جو ارادتمند کے فہم و وہم سے بالاتر ہوں تو اعتراض نہ کرے۔ کیونکہ سالک راہِ دہم سلوک کی منزل میں بے خبر نہیں ہوتا۔

گویا ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر اقبال مرحوم کا یہ اشارہ۔ شعر

کیا پیداکن از مشیت گئے بوسہ زن بر آستانے کاٹے

اسی مسئلہ اتباع و بیعت کی جانب توجہ دلاتا ہے۔ جس کے بغیر میدان معرفت الہی میں کوئی چارہ نہیں۔ امام دہاب الدین شعرانی نے کتاب الوارقدیہ میں شیخِ کامل کی پیروی کو واجب ثابت کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ اندرونی نجاستوں کا دور کرنا واجب ہے۔ پس اس کے لئے دور کرنے کا طریق بھی حاصل کرنا واجب ہوگا جس سے وہ دور ہو سکیں اور وہ سوائے اتباع شیخِ کامل کے اور کوئی طریق نہیں۔ پھر لکھتے ہیں۔ وَلَوْ تَكَلَّفَ لَا يَنْفَعُ بَعِيْرُ شَيْخٍ وَ لَوْ حَفِظَ اَلْفَ كِتَابٍ يَعْنِيْ اَدْمٰی اِذَا خُودَ بَخُوْدِ اِنِّیْ اَصْلَاحُ كَرْنِ لِّگے تو اسے کچھ فائدہ نہ ہوگا اگرچہ ہزاروں کتابیں حفظ کرے۔

صاحب جامع الاصول فرماتے ہیں۔ کہ قدیم سے رسم چلی آتی ہے اور تجربہ بھی اس پر گواہ ہے کہ اندرونی نجاستوں اور غلاظتوں مثلاً غرور، نخوت، عجب، ریا، کبر، حرص، طمع، شہوت، طلبِ جاہ وغیرہ جو امراضِ مہلکہ ہیں سے پاک و صاف ہونا اور نماز کو حضورِ قلب و خشوع و خضوع سے ادا کرنا، جسکو حدیث نبوی علیہ السلام اَنْ تَعْبُدَ كَاَنَّا تَرَاکَ میں لفظ احسان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ شیخِ کامل کی تربیت کے سوا ممکن نہیں۔ کیونکہ شیخ ہی اندرونی امراض کا واقف اور ان کے علاج کی مہارت رکھتا ہے۔ یہ بات علمِ ظاہر کے حاصل کرنے اور کتابوں کے انبار اٹھا لینے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ نفسِ امارہ کی باریک راہزنیوں اور مخفی فریبوں سے بعض بڑے بڑے فقہ و حدیث کے علماء بھی محفوظ نہیں رہے ہیں۔ عیاذُ باللہ۔

حضرت قطب الاقطاب سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کتاب غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ شروع سے اللہ تعالیٰ نے روحانی تربیت کا سلسلہ اسی طرح جاری کیا ہے کہ ایک فیض دیتا ہے اور دوسرا حاصل کرتا ہے جیسے انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشین، پھر ان کے تربیت یافتہ، علیٰ ہذا القیاس یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور یہ ارشاد الہی ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ کسی شخص کو دوسرے کی تربیت کے سوا مقامات عالیہ تک ترقی دے اور نہ ہی اس پر کوئی دلیل قائم ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اکثر یہی ہوا ہے کہ سوائے تربیت شیخ کے کوئی شخص منازل سلوک طے نہیں کر سکتا۔ وَلَا يَنْبَغِي لَهُ أَنْ يَنْقُطَ عَنِ الشَّيْخِ حَتَّى يَسْتَعِزَّ عَنْهُ بِالْوُصُولِ إِلَى رَجِيمٍ عَرَّ وَجَلَ یعنی شیخ کی خدمت و ضرورت سے اس وقت تک علاحدہ نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک کہ وصول الی اللہ یعنی منزل مقصود تک نہ پہنچ جائے۔ کیونکہ رسم و عادات کے خود ساختہ اسلام کو چھوڑنا۔ حقیقت کی جانب مائل ہونا اور تعصب سے پاک ہونا۔ بدظنی اور سنی سنائی منکین کی بیودہ باتوں کے اثر سے محفوظ رہنا سوائے شیخ کامل کی تربیت و صحبت کے ممکن ہی نہیں۔

چنانچہ اسی نظریہ کی تائید میں حافظ ابن حجر شارح صحیح بخاری بڑے زور سے لکھتے ہیں۔ حَيْثُ قَالَ فَلْيَسْخَرْ رَحْمَةً وَلَا يَكْتَفِ رَأْيَ مَنْ يَتَّصِبُ وَيَسْتَحْزِرُ وَدَعِ الْمَشَارِخَ وَأَعْرِضْ عَنْهُمْ كَقُوبَيْنَ الشَّرْعِيَّةِ وَالْحَقِيقَةِ وَلْيُتْرَكْ رِسْوَمُهُ وَلْيَدْخُلْ تَحْتَ إِشَارَتِهِ وَمَنْ ظَفَرَ بِشَيْخٍ هَذَا الْوَصْفِ فَحَرَامٌ عَلَيْهِ أَنْ يَتْرُكَهُ وَيَبْدُلَكَ عَلَيْهِ إِلَّا دَلَّتْ الْأَرْبَعُ بَلَّ بِشَهَادَتِكَ الْكُتُبُ السَّمَاوِيَّةُ یعنی طالب خدا کو چاہئے کہ کسی شیخ عارف کامل کو اپنا رہبر مقرر کرے۔ اور اپنی تعصب کی باتوں کو ہرگز نہ سنے۔ اور یہ خیال رکھے کہ شیخ عارف کامل ہو۔ اور احکام شرعیہ و طریقت سے پورا واقف ہو۔ اور چاہئے کہ رسم و عادت کے اسلام کو چھوڑ کر اپنے شیخ کے حکم پر چلے کیونکہ اسے صحیح اسلام پیش کر گیا۔ اور جب کسی شخص کو ایسا رہبر کامل مل جائے تو اس پر ایسے شخص کو چھوڑنا حرام ہے اور ہمارے اس دعوے پر کتاب و سنت و جملہ امت و قیاس صحیح چاروں دلیلیں شہادت دے رہی ہیں۔ بلکہ چاروں آسمانی کتابیں بھی گواہ ہیں۔

سوائے عزیز ہنری فہم کے لئے لازم ہے کہ کسی شیخ کامل کی تلاش کرے اور اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر سرکشی سے بچے اور امر آخرت میں غور سے کام لیتے ہوئے اس کی ہدایات پر طریقت و حقیقت کے میدان میں قدم مارے۔ کیونکہ

شیخ غزالدین محدث جو علماء دین کے گروہ میں بڑے پایہ کے عالم گزرے ہیں، فرماتے ہیں کہ صوفیائے کرام کی حقانیت پر یہی دلیل کافی ہے کہ یہ لوگ اہل حقیقت ہیں اور حقیقی علوم اور زہد و خشیت و اخلاص کے مالک ہیں جن سے ہم لوگ بے بہرہ ہیں۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ اکثر حضرت بشار عافیؒ کے پاس جایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ شاگردوں نے امام صاحبؒ سے پوچھا کہ آپ تو خود بڑے عالم ہیں اور حدیث و فقہ و اجتہاد میں اپنی نظیر نہیں رکھتے۔ پھر آپ ایک شہیدہ حال کے پاس کیوں جاتے ہیں۔ امام صاحب نے جواب میں فرمایا۔ بیشک میں ان تمام علوم میں بشر سے بڑھا ہوا ہوں مگر اللہ تعالیٰ کو وہ مجھ سے بہتر جانتا ہے۔ یعنی اسکو علم معرفت الہی مجھ سے زیادہ ہے۔

ایسا ہی آپ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ شروع شروع میں اپنے بیٹے کو اس گروہ کی مخالفت میں تلقین فرمایا کرتے کہ بیٹا خبردار ہو۔ ان لوگوں کی صحبت میں نہ جانا جن کو لوگ صوفی کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ شریعت کے احکام سے بے خبر ہوتے ہیں۔ مگر بعد ازیں جب خود امام احمد حنبلؒ کو حضرت ابو حمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بیٹھنے اور حقیقی شریعت کو آپ سے حل کرنے کا موقع ملا۔ تو انہیں کھیں۔ پھر اپنے صاحب زادے کو تصحیح فرمانے لگے کہ بیٹا دیکھنا کہیں ان لوگوں پر نہیں صوفی کہتے ہیں، بذلتی نہ کرتا۔ اور کبھی ان کی صحبت سے غافل نہ ہونا۔ کیونکہ یہ حضرات ان اسرار و معارف کے خزانوں پر مطلع ہوتے ہیں۔ جن پر علماء فقہ و حدیث سینکڑوں ذمہ داری سے بھی نہیں ہو سکتے۔

مولوی عبد الجبار غزنوی امیر جماعت اہل حدیث اپنی کتاب اثبات الہام والبیعت کے ملاح پر اس آیت مبارکہ سے بیعت توبہ پر استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کل اقسام بیعت، بیعت توبہ ہی میں داخل ہیں۔ بیعت توبہ کیلئے سب گناہوں سے توبہ کرنا اور امر شرعیہ کی تعمیل کا وعدہ کرنا۔ اور یہی ہے بیعت اسلام گویا شرک و کفر اور گناہوں سے تائب ہونا اور احکام شرعیہ کے بجالانے کے واسطے عہد کرنا پھر اسی طرح ہے بیعت جہاد۔ اثبات اور صبر کا وعدہ دینا اور تافرمانی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و نزاع باہمی اور میدان جنگ کے بھاگنے سے بیزار ہونا۔ پس بیعت توبہ، بیعت اسلام، بیعت تقویٰ ایک ہی چیز ہیں۔ اور بیعت جہاد ان کی ایک فرد ہے۔

پھر چوتھی جگہ ارشاد ہوتا ہے لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ - ترجمہ - یعنی تحقیق اللہ تعالیٰ مومنوں سے راضی ہو چکا جس وقت وہ تجھ سے درخت کے نیچے بیعت کرتے تھے - پس ان کے دلوں میں ہو کچھ تھا، جان لیا - پھر ان پر تسلی نازل کی - اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیعت کرنے سے سکینہ کا نزول ہوتا ہے اور تسکین قلب نصیب ہوتی ہے

۵ - پیر طریقت کی متابعت کرنا مامور من اللہ ہے - جبکہ مولا کریم نے ارشاد فرمایا ہے - وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ

اَخَابَ اِلَيَّ (پس لقمان) ترجمہ - اے انسان تو اس شخص کی پیروی کر جس نے اپنے دل کو میری جانب پھیر رکھا ہو - اور مقام قرب میں پہنچا ہوا ہو - پھر فرمان ہوتا ہے - فَاسْأَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ (پس انبیاء) یعنی اگر تمہیں معلوم نہیں تو اہل ذکر سے معلوم کر لیا کرو - مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی مسئلہ شرعی کی تصدیق و تحقیق مطلوب ہے - تو علمائے مجتہدین کی جانب رخ کرو اور اگر علوم مکاشفہ و مسائل طریقت کا حل چاہتے ہو، تو اصحاب کشف - اہل اللہ پیران عظام اور اولیاء کرام کی خدمت میں جاؤ -

اس کے بعد یوں حکم ہوتا ہے کہ **يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ** (پس تو بہ) کہ جب بیعت شیخ اختیار کر چکو تو اس کی محبت میں رہو۔ یعنی اسے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور سچے لوگوں کے ساتھ رہو تاکہ ان کے فیض صحبت سے دنیا و آخرت میں سعادت نصیب ہو کیونکہ جس سے آدمی محبت کرے گا۔ قیامت کو اس کا حشر و نشر اسی کے ساتھ ہوگا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **يَوْمَ تَذُوعُ كُلُّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ**۔ یعنی قیامت کے دن ہم سب لوگوں کو ان کے پیشواؤں کے ساتھ بلائیں گے۔ پھر ایسے وقت کے لئے مردانِ کامل سے قلبی تعلق پیدا کرنا عین سعادت اور رضائے الہی ثابت ہوتا ہے۔ اور یہ آیت اس مسئلہ کی تصدیق میں نہایت فیصلہ کن اشارہ فرماتی ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تفسیر عزیزی جلد اول میں زیر آیت **إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ** یعنی دکھا ہم کو سیدھی راہ، ان لوگوں کی جن پر تونے انعام فرمایا، لکھتے ہیں کہ یہ چار گروہ انبیاء، صدیقین، شہداء، صالحین ہی راہِ راست پر ہیں اور ان ہی کی راہ سیدھی ہے۔ پس بندے کو چاہئے کہ خدا تعالیٰ سے مناجات کے وقت ان چاروں جماعتوں کو اپنے ذہن میں حاضر رکھے اور ان ہی کی راہ طلب کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ سورہ لہامیں فرماتا ہے **وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِنَّهُ يَأْتِ بِخَيْرٍ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ** (اور جو اللہ و اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ بخیر آئے گا۔ اللہ اپنے دل کے راز کو جانتا ہے)۔

کے ساتھ ہوگا۔ جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے۔ اور اس کو رسولوں، نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالح لوگوں کی معیت نصیب ہوگی۔ جو بہت اچھے رفیق ہیں۔ اور چونکہ انبیاء علیہم السلام کی رفاقت حاصل کرنے سے پہلے صدیقیوں کی اور صدیقیوں کی رفاقت حاصل کرنے سے پہلے شہیدوں کی اور شہداء کی رفاقت حاصل کرنے سے پہلے صالحین کی رفاقت حاصل کرنا تدریجاً ضروری ہے۔ اس واسطے سلسلہ اولیاء اللہ میں بطریق بیعت داخل ہونا اور ان کے ساتھ وسیلہ و مہوڑنا اہل اسلام کے نزدیک نہایت ضروری اور مستحسن ثابت ہوتا ہے۔ جیسے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی دعا۔ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَاسْتَجِزْ بِالْحَقِّ يَا الصَّالِحِينَ ط یعنی اے خداوند عالم مجھے فرمانبردار مارا اور اپنے پاک بندوں سے ملائیے۔ اور حضرت سیدنا علیہ السلام کی دعا وَادْخُلْنِي بِرَحْمَتِكَ فِي عِبَادِكَ الصَّالِحِينَ ط یعنی اے ارحم الراحمین اپنی رحمت سے مجھے اپنے صالح بندوں میں داخل فرما اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا رَبِّ هَبْ لِي حُكْمًا وَ الْحَقِّقْ بِيَ الصَّالِحِينَ - یعنی اے میرے پروردگار مجھ کو حکم بخش اور صالحین کے ساتھ ملحق فرما دے۔ اس کی جانب ایک نہایت پاکیزہ اشارے سے ثبوت دیتی ہیں اور اسکی تائید میں وہ ارشادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاؤ داشت کے قابل ہیں۔ جو کتب صحاح ستہ میں مندرج ہیں۔ مثلاً بخاری شریف میں ایک حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کے گرد بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے فرمایا۔ يَا لَيْعُونِي عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوا وَلَا تَزْنُوا وَلَا تَقْتُلُوا وَلَا ذُكُمَا وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا بَيْنَ يَدَيْكُمْ وَابْنِ آيِدِكُمْ وَارْجُلُكُمْ وَلَا تَعْصُوا فِي مَعْرِفَتٍ - یعنی تم لوگ مجھ سے اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور چوری و زنا اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرنا اور نہ ہی اپنی طرف سے بنا کر کسی پر بہتان باندھنا۔ اور کسی اچھی بات میں خدا تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہ کرنا۔ پھر حضرت عبادہ بن صامت فرماتے ہیں کہ ہم سب کے سب لوگوں نے انہی شرائط پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کر لی +

ط۔ اسی طرح بخاری شریف میں ہی عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ ایک اور روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے بلا کر بیعت لی اور فرمایا۔ آتَ يَا لَيْعُنَا عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي مَكْرِهِنَا وَعَسْرِنَا وَ كَيْسَرِنَا الْآخِر - یعنی اقرار کر لیا کہ کو بیعت کی ہم نے سننے میں اور فرمانبرداری کرنے پر اپنی خوشی اور سرخوشی اور فراموشی

میں اور بادشاہوں سے اپنے واسطے عیش و آرام کی چیزیں اختیار کرنے میں اور سلطنت کے بارہ میں بادشاہوں سے جھگڑا کرنے میں مگر جب تم کفر کو ظاہر دیکھو۔ جس میں خدا کی طرف سے تمہارے پاس دلیل ہو۔

۱۶۔ ابن ماجہ میں روایت ہے کہ حضور اکرم رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم نے فقراء مہاجرین سے اس بات پر بیعت لی کہ عَلٰی اَنْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ شَیْئًا اَحَدُهُمْ لَا یَسْتَقْطِطُ سُوْطَیْهِ فِیْ نَزْلِ عَنْ فَرْسِهِ فِیَا خُذْکَ وَلَا یَسْئَلُ اَحَدًا طَبْعًا یعنی وہ لوگوں سے کسی چیز کا سوال نہ کریں گے۔ پھر ان حضرات کا یہ حال تھا کہ اگر ان کے ہاتھ سے کوڑا (چھانٹا) بھی گر جاتا تو گھوڑے سے اتر کر خود ہی اٹھاتے اور کسی سے اس کے اٹھا دینے کا سوال نہ کرتے

۱۷۔ ایک اور روایت بخاری شریف سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ غزوہ خندق کے دن حضور علیہ السلام نے سب مہاجرین و انصار کے لئے دعائے مغفرت فرمائی تو ہم سب نے عرض کیا یَا نَحْنُ الَّذِیْنَ بَا یَعُوْ مُحَمَّدٌ عَلٰی الْاِسْکَ اَمَّا لَقِیْنَا اَبَدًا۔ یعنی ہم وہ لوگ ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلام پر بیعت کی ہے۔ جب تک ہم زندہ رہیں گے اور اس معرکہ میں تمام مہاجرین و انصار حاضر تھے، کوئی ایک بھی خادم غیر حاضر نہ تھا جس نے بیعت نہ کی۔

۱۸۔ اسی طرح کی ایک روایت بروایت حضرت جابر رضی اللہ عنہ بخاری شریف میں مندرج ہے۔ کانو خمس عَشْرَةَ مَاتَهُ الَّذِیْنَ بَا یَعُوْا النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمَ الْحُدَیْبِیَہِ۔ یعنی پندرہ آدمی تھے جنہوں نے حدیبیہ کے دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی۔

مندرجہ بالا دلائل قرآن و احادیث و اقوال متقدمین سے مسئلہ بیعت کی حقیقت اور جواز و عدم جواز کا پتہ چل گیا ہوگا۔ اور جو لوگ یہ کہہ کر عوام کو بہکا یا کرتے ہیں کہ قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے بیعت پیر کی کیا ضرورت ہے ان کی ایمانی کیفیت بھی معلوم ہو گئی ہوگی کہ یہ نام نہاد عاملین حدیث کہاں تک پابند قرآن و حدیث ہیں اور ان کا عامل بالحدیث ہونا کہاں تک صحیح ہے۔ اور ان بہکانے والوں کا پروپیگنڈا جس تیزی اور سرعت سے لوگوں

اثر انداز ہو رہا ہے۔ اسے ہر صاحب بصیرت اور درویشوں کا غلام اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ فقیر پوری ذمہ داری سے یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے کہ ہمارے ہاں کانگریزی خوال طبقہ اور خصوصاً وہ عوام جو علم دین سے بے بہرہ ہیں۔ سوائے محدودے چند اس بد عقیدگی کا پورا پورا شکار ہو چکے ہیں۔ بہکانے والے کی چکنی پٹری باتیں، نئے نئے اجتہادی تنکے۔

درویشوں اور صوفیوں سے عام بغاوت اہل حال و قال کے برخلاف نفرت کے جذبات وہ رنگ لائے ہیں کہ اکثر سینے اہل اللہ اور اولیاء اللہ کی اطاعت و محبت سے خالی ہو گئے ہیں اور بلاشبہ اکثر اہل اسلام تعلیمات کے اعتبار سے محرم اطاعت اور اپنی اعتقادی صورت میں علیٰ حالہ قائم ہیں۔ جو لوگ پاکستان و ہندوستان میں کانگریسیں اور برہمنی سیاست کے دلدادہ ہو کر وارد ہوا کے مہنت کی صدی تجلیات پر مرٹے ہیں انہوں نے ایک مدت سے رائج و خاص عقیدہ ملت اور خود ساختہ ویدانتی نظریہ فقر کے ساتھ وہ سازگاری اختیار کر رکھی ہے۔ جو حقیقتاً اسلام سے آنا ہی دور ہے۔ حتمی مدنی اور واردہائی تعلیم کا فرق ہے۔

عورتوں کی بیعت | پھر مومنین کی بیعت کے علاوہ مومنات کی بیعت پر تو وہ کچھ اچھا لاجتا ہے کہ توبہ بھلی ان کے نزدیک عورتوں کا سیناؤں، میلوں، کالجوں، ڈونگ اسٹیشنوں کے ڈنگلوں، اسمبلی

ہالوں، سرکاری بھرتیوں، سفارتخانوں، دفاتر کی ملازمتوں، فوجی اور ملکی اداروں میں جانا جائز تو درکنار مستحسن، موجب ثواب دارین، قوم و ملت کی فلاح و بہبود اور دنیوی ترقی کا باعث ہو سکتا ہے۔ مگر جہاں کسی شریف خاتون نے کسی پیر طریقت سے خدا تو رسول خدام کی محبت اور عقبی کی نجات کیلئے کوئی وظیفہ سیکھا اور کسی اللہ کے نیک بندے کی خدمت میں جا کر توبہ کی اور ضابطہ مستقیم کی ہدایت چاہی، فوراً آوارہ، گمراہ، بدکارہ، مکارہ، فریب، گٹنی کے فتوؤں کا شکار ہوئی۔ حالانکہ اس کا یہ فعل قرآن و حدیث کے خلاف نہیں۔ اور وہ ایسا کرنے میں عند اللہ و عند الرسول قطعاً حق بجانب ہوتی ہے۔ اگر باور نہ ہو تو قرآن کریم کی اس آیت کو پڑھ کر اس کے حق پر ہونے اور کسی بزرگ کی بیعت کر کے تلاش حق کرنے کا شرعی فیصلہ کر لیجئے۔ جس میں پروردگار عالم جل شانہ اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرماتے ہیں۔ **يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِذَا جَاءَكَ الْمُؤْمِنَاتُ مِيَّائِعُنَّكَ أَنْ لَا يُشْرِكْنَ بِاللَّهِ شَيْئًا وَلَا يَسْرِحْنَ وَلَا يَزِينْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ أَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَأْتِينَ بِبُهْتَانٍ يَفْتَرِينَهُ بَيْنَ أَيْدِيهِنَّ وَأَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعِصِينَكَ فِي مَعْرُوفٍ فَلْيُحْجَبْنَ لَكَ اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ** یعنی اے نبی کریم محبوب رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت تیرے پاس مومن عورتیں اس بات پر بیعت کرتی ہوئی آئیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں گی اور چوری و زنا نہ کریں گی اور اپنی اولاد کو بھی قتل نہ کریں گی اور اپنے ہاتھ اور پاؤں سے کسی پرہیز و طوفان نہ باندھیں گی۔ یعنی نہ تو کسی پر جھوٹا دعویٰ ہی کریں اور نہ

جھوٹی گواہی دیں۔ اور نہ ہی حکم شرع سے آپ کی نافرمانی کریں۔ پس ان سے بیعت قبول کر اور ان کے واسطے بخشش مانگ
تحقیق اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔ (پہلے س منجھنے) مستورات کی بیعت کے متعلق یہ آیت ایسی واضح دلیل ہے۔ جس
سے انکار کا حق سوائے حاسد و مبغوض منکر کے کسی دوسرے کو نہیں پہنچتا۔ ممکن ہے کہ متعصبین اس سے متاثر نہ ہوں۔ مگر
صاحب سعادت کیلئے اپنی غلطی کی اصلاح کر لینا بعید از قیاس نہیں۔ شعر

بمقبولی کسے راد سترس نیست قبول مقبلاں دردست کس نیت

خطیب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے مدینے پہنچیں پہلے ان کی انوائش
کا اور پھر ان سے بیعت لینے کا حکم ہوا۔

اسی کے مطابق حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا ہے کہ جو عورتیں ہجرت کر کے مدینے آئی تھیں
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت سے ان کا امتحان فرماتے تھے۔ پس جن عورت مومنہ نے ان شرائط کے ساتھ
اقرار کیا۔ آپ اس کو زبانی فرماتے کہ میں نے تجھ سے بیعت قبول کی۔ اس حدیث کو امام بخاری وغیرہم نے روایت کیا ہے
فتح البیان میں ابن الجوزی سے نقل کیا گیا ہے کہ تمام جن عورتوں نے بیعت کی ان کی تعداد چار سو ستاون تھی۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی عورت سے ہاتھ نہیں ملایا۔ بلکہ صرف کلام مبارک سے بیعت فرماتے تھے بعض
حضرات متاخرین نے ابن الجوزی کی اس تعداد کے متعلق یہ شبہ کیا ہے کہ یہ تعداد صحیح نہیں۔ ابن الجوزی کا یہ اندازہ یا تو
صرف مکہ مکرمہ میں بیعت کرنے والی عورتوں کا ہے۔ یا کسی ایک مجلس بیعت کا۔ ورنہ بیعت کنندہ تمام عورتوں کی
تعداد اس تعداد سے کہیں زیادہ ہے اور یا تحقیق ابن الجوزی کے ماتحت باقی مستورات نے بیعت نہ کی ہوگی۔ مگر یہ امر
صحابیات کے حق میں قرین قیاس نہیں۔

حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ فرماتی ہیں کہ میں ان عورتوں میں شامل تھی۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے
بیعت کی پس میں نے ہی عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا دست مبارک بڑھائیے تاکہ ہم بیعت دیں تو
آپ نے فرمایا کہ میں عورتوں سے مصافحہ نہیں کرتا ہوں۔

اسی طرح حضرت سلمیٰ بنت قیس انصاریہ رضی اللہ عنہا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں قدیم الاسلام
اور دونوں قبلوں یعنی خانہ کعبہ اور بیت المقدس کی جانب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھنے والی تھیں

روایت فرماتی ہیں کہ جب میں ایک جماعت زمان انصار میں بیعت کرنے آئی۔ اور آپ نے اس بیعت کی چھ باتوں کا عہد لیا جو آیت قرآنی میں درج ہیں۔ تو اس کے بعد فرمایا۔ کہ تم لوگ اپنے خاوندوں سے غش نہ کرو۔ پھر جب ہم سب بیعت کر کے واپس ہوئیں تو میں نے ایک عورت سے کہا کہ واپس جا کر دریافت کر کہ یا رسول اللہ غش کیا چیز ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے شوہروں کا مال لے کر غیر کو پردے پردے میں نفع پہنچانا اور خود اس سے آنکھ نہ چھی رکھنا یہ فعل غش کہلاتا ہے۔

ابن جریر نے بطریق حونی ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہ صفا کے اوپر سے حضرت سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ عورتوں سے کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے اقرار بیعت کرتے ہیں اور ساتھ ہی یہ پوری آیت پڑھی۔ اس روایت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لی ہے۔ مگر کسی عورت کا ہاتھ اپنے ہاتھ مبارک میں لے کر اس کو بیعت نہیں فرمایا۔ اور بھی اکثر روایات سے ثابت ہوتا ہے مگر ایک روایت میں شعبی، تابعی نے کہا ہے کہ حضور سرور کائنات منفر موجودات صلیہ السلام والتجات نے عورتوں سے بیعت لی درآ خالیکہ آپ کے ہاتھ مبارک پر کپڑا تھا۔ جبکہ آپ نے تھیلی پر رکھ لیا تھا۔

رسم بیعت مسنون ثابت ہونے کے بعد اب یہ سوال باقی رہ جاتا ہے کہ وہ ہستی کیسی ہونی چاہئے جس کو پیر کا درجہ دیا جاسکے کیونکہ آج کل جن لوگوں کو پیر سمجھا جاتا ہے ان کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ اصحاب اصول ۲۔ اصحاب وصول ۳۔ اصحاب فضول۔ ان میں سے اصحاب اصول تو وہ لوگ ہیں جو تصوف کی مباحث علمیہ و اصطلاحات علمیہ میں مشغول رہتے اور ان پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اصحاب وصول وہ ہیں جو بغیر تعلیم شیخ کامل کے خود بخود اعمال و اشغال میں لگ کر و سادس کو واردات، تخیلات کو تجلیات، خواہوں کو مکاشفات، مظنونات کو القا اور اضغاث کو الہام جانتے ہیں، اصحاب فضول وہ ہیں جو سلوک و تصوف سے ناواقف محض ہونے کے باوجود جلب مستفعت یا وقارِ خاندانی کے لئے صوفیانہ وضع قطع اختیار کر لیتے ہیں۔ انکو عبادات و ریاضات اور مشاہدات و مجاہدات وغیرہ سے دور کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ وہ زندگی کے مختلف شعبوں کی تاکا میوں سے مجبور ہو کر کوپہ فقر میں پناہ گزیں ہوئے ہوتے ہیں۔ اودان کی پری کا تمام تر مدار چند فالنامے، چند وظیفے، چند عملیات

حب و بغض اور چند شجرے ہوتے ہیں۔ پھر اس پر طرہ یہ کہ عقائد متزلزل و متذبذب۔ اخلاق تباہ و خراب، علم مفقود، معاملات پراگندہ اور حالات ایسے ناگفتہ بہ کہ تو یہ بھی مگر ولایت کے دعویدار پھر بھی ہوتے ہیں۔ بنا بریں ضرورت ہے کہ متقدمین کی زبان سے سنیں کہ وہ پیری کا مستحق کس کو فرماتے ہیں۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے جب کچھ کہے تو اس کا کہنا اس کے حال کی حقیقت ہو اور جب چپ رہے تو اس کا معاملہ اس کے حال کو بیان کرے اور دنیوی علائق کو چھوڑ دینے پر اس کا حال گواہ ہو۔

حضرت عبید اللہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیری کا حقدار وہ ہے جو ظاہری لباس سے عوام کو متعجب نہ کرے۔ جس نے درویشی و پیری کا انحصار ظاہری لباس پر رکھا اور ظاہر کو زینت دی۔ اس نے اپنے باطن کو خراب کر دیا۔ یعنی جو شخص غربت کو باطل کے ساتھ طلب کرتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کو خواری دیتا ہے۔

حضرت ابوالحسن سیردانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے جو مقامات و حالات سے گزر چکا ہو۔ اور سب اس کے زیر قدم اور حال میں جمع ہوں۔ حضرت شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے جو ہمہت کو بیگانہ سکھ اور خلقت سے بیگانہ ہو کر بیٹھے۔

حضرت محمد جمال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر کا مقام یہ ہے کہ جن باتوں کا خدا ضامن ہو چکا ہے ان پر بھروسہ کرے خدا کے حکموں کی تعمیل اور محافظت کرے اور دونوں جہاں سے صلحہ ہو کر خدا سے ملے۔ غیر کی طرف التفات نہ کرے اور خدا کی علانیہ عبادت میں غیر کی اطاعت سے باطنی آزادی سکھے۔

حضرت ابوبکر مہدانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہمارے مشائخین نے پیر کی یوں تعریف فرمائی ہے کہ کسی چیز کی طمع نہ کرے اور اگر کسی چیز کو اپنے پاس آتا دیکھے تو منع نہ کرے۔ بشرطیکہ طیب ہو۔ اور جب لے لے تو جمع نہ کرے۔

حضرت عبدالخالق دینوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر کو چاہئے، توفیق خدا کے ماتحت بڑوں سے ملے اور چھوٹوں کی ملاقات کا خواہشمند نہ ہو۔ یعنی عمر رسیدہ افراد سے موانست کرے اور امرد بچوں سے مجتنب رہے یعنی درویش جو اس کو علت مشائخ کہہ کر ایسا کرتے ہیں یہ ان کی ذلت و حماقت اور کم عقلی کی دلیل ہے۔

شیخ لقمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، وہ پیر نہیں جو جاہل ہو۔ بغیر علم شرعی و لدنی کے پیری کا بار اٹھانا بعض اوقات کفر کے گوشے میں ڈال دیتا ہے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔

حضرت ابو الحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے ہوسر سے قدم تک خدا کی یاد میں ہو اور متابعت سنت سے باہر نہ پایا جائے۔

حضرت خواجہ مشکط الشاہ بہار الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ پیروہ ہے جو خلوت در انجمن کے اصول پر کام کرے۔ اگر اس سے بے بہرہ اور ناواقف ہو تو اسکی صحبت سے پرہیز بہتر ہے۔

خواجہ علاؤ الدین عطارؒ فرماتے ہیں۔ پیروہ ہو سکتا ہے، جسکی صحبت و حسن تربیت سے ہر طالب نقصان و دوری کے مذاب سے نکل کر قرب و کمال کی درگاہ تک پہنچ جائے۔

حضرت جمال الدین گنجی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیر ہونے کے لئے کم از کم یہ وصف ہونا چاہئے کہ بے بھوک کھانا نہ کھائے۔ اگر ایسا کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

حضرت قبلہ شیخ الشیوخ شیخ العالم شیخ شہاب الدین عمر سروردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے جو آدم علیہ السلام سے لیکر وقت حاضری تک مرید کے تمام حالات و انتظامات ارحام و گذشتہ ایام سے واقف ہو اور یہ جانتا ہو کہ یہ کن کن کیفیتوں سے ہر زمانہ میں گزرا ہے۔

شاہ عبدالرزاقؒ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے جو پہلی نگاہ سے طالب کے ہفت اندام کو بہتے پانی کی طرح پاک کر دے حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ پیروہ ہے جو مجاہدہ میں مشاہدہ منکشف فرما دے حضرت علاؤ الدین مظہریؒ فرماتے ہیں کہ جو پیر طالب کو حضوری کے مرتبہ تک نہ پہنچا سکے اور حضور علیہ السلام سے تعلق نہ دلا سکے۔ وہ پیری کے قابل نہیں بلکہ وہ ناقص ہے۔ لیکن مرید کو بھی استعداد شرط ہے۔ جلد بازی نہ کرے۔ کیونکہ سالک ماہ سے بے خبر نہیں ہوتا۔

جناب سید احمد الدینؒ لکھتے ہیں کہ پیروہ ہے جو طریقت کے چاروں مراتب جن میں طالب کو بٹکنے کا خوف ہے سلامتی سے عبور کرادے۔ کیونکہ مرید اگر اس فتنہ نفس میں مبتلا ہو جائے تو اس کا پھیل جانا یقینی ہوتا ہے۔ یعنی اے محض نفس سے کشف و کرامات کا ظہور میں آنا۔

۲۔ خلق خد کا رجوع

۳۔ شیخ چرند و پرند و بہائم و غیرہ۔

۴۔ عالم بالا کی وہ میر جس میں طالب کو اپنے آپ پر قطب و غوث ہونے کا شبہ ہونے لگے۔ حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔ کہ پیروہ ہو سکتا ہے۔ جسکی صحبت میں خدا یاد آجائے اور محبت دنیا کم اور محبت حق زیادہ ہو۔
حضرت ابو عبد اللہ سنجریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ کی تین علامات ہیں۔ بلند ہو کر تواضع اختیار کرنا، مال کی قدرت رکھ کر دہد کو لازم پکڑنا اور قوت ہوتے ہوئے بھی انصاف کو عمل میں لانا۔

فیتر مہولت کہتا ہے کہ مندرجہ بالا ارشادات بالکل صحیح اور بجا ہیں، مگر جب تک مندرجہ ذیل امور میں پیر کی ظاہری امتیازی حیثیت بھی نہ ہو اور یہ اوصاف اس میں موجود نہ ہوں۔ وہ راستہ کھلانے کا اہل ہی نہیں ہو سکتا۔

۵۔ پیر خود کسی سلسلہ میں نسبت صحیح اور اجازت و خلافت رفیع رکھتا ہو جس میں کوئی شبہ صورت نہ ہو جیسا کہ زما نہ ان لوگوں کا حال ہے جو ہم کو پیری مریدی سے منع کرتے ہیں اور ساتھ ہی خود بیعت کرنیکی دعوت بھی دیتے ہیں۔ انکی پیری متقدمین اور سچے پیروں کی عداوت میں اپنی ذات سے ہی خود ساختہ و خود کاشتہ ہوتی ہے جسکا انجام کار گمراہی ہوتا ہے۔ یہاں یہ ذکر کر دینا بیجا نہ ہوگا کہ مریدوں کا مشائخین کی طرف منسوب نائین طریقوں سے ہوتا ہے۔

۱۔ خرقہ سے ۲۔ تلقین ذکر سے ۳۔ محبت و ادب و خدمت سے۔ پھر خرقہ کی تین صورتیں ہیں۔ ایک خرقہ ارادت سے۔ جس کو ایک شیخ کے سوائے دوسرے سے حاصل کرتا جائز نہیں۔ دوسرا خرقہ صحبت سے جسکو بہت سے مشائخین سے بھشتیت پر صحبت بطور نشان امتیازی و عطا و سرفرازی طالب کا حاصل کر لینا جائز ہے۔ تیسرا خرقہ تبرک جو بغیر طلب کے کوئی شیخ وقت کسی دوسرے اولوالعزم درویش کو ہدیہ و تحفہ عنایت فرمائے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خواجہ اولیں قرنی رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمایا۔ غور طلب بات صرف یہ ہے کہ خرقہ تلقین، خدمت تینوں صورتوں میں نسبت شیخ لازمی ظاہر ہوتی ہے۔ جو شخص بغیر اختیار کسی طریق کار کے پیری کا مدعی ہو جائے گا۔ وہ راہ خدا و رسول میں زنا و داری کرے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت فرماتے ہیں۔ مَنْ مَاتَ بَيْتَ نَبِيِّهِ فِي عُنُقِهِ بَيْعَةٌ مَاتَ مَيْتَتَهُ جَاهِلِيَّةٍ وَمَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ تَقَى اللَّهَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهُ۔ یعنی جو شخص مر گیا اور اسکی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔ اور جس نے اپنے ہاتھ اللہ کی اطاعت سے اٹھالئے وہ بدوز قیامت اللہ تعالیٰ سے ملیگا اور کوئی حجت اس کے پاس نہ ہوگی پس معلوم ہوا کہ اس راہ میں بیعت شیخ کامل لازمی ہے۔ جو خود بے مرشد و بے پیر ہو وہ دوسرے کا پیر و مرشد نہیں ہو سکتا۔ پہلے خود پیر کامل کی نسبت حاصل کرے پھر مرتبہ پیری پر فائز ہو۔ ورنہ تمام عمر محرومی کا سامنا ہوگا۔ مولانا جلال الدین

رومی نے جاہل اور بے پیر پیر کے متعلق کیا خوب کہا ہے۔ شعر

علم باطن بچو مسکے علم ظاہر بچو شیر
کے شود بے شیر مسکے کے شود بے پیر پیر
کتاب ارشاد المسترشدین میں ارشاد ہوتا ہے کہ طالب کو معلوم ہونا چاہئے کہ مرشد کو اکیس صفتوں کے ساتھ متصف ہونا لازم قرار دیا گیا ہے۔ جن کے بغیر اسکا گدی نشین ہونا حرام اور ممنوع ہوگا۔

اول :- احکام شریعت کے علم سے کما حقہ واقفیت یعنی شیخ کے لئے حدیث اور فقہ کی تحصیل نہایت ضروری ہے۔ تاکہ اگر کسی شخص کو کوئی ضروری مسئلہ درپیش ہو تو یہ ناسخ و منسوخ اور امر و نہی میں کلام الہی کی روشنی سے صحیح فیصلہ دے سکے۔ دوم :- اعتقاد اہلسنت والجماعت رکھنا ہو تاکہ مرید کو بدعتوں میں گرفتار نہ کر دے جس سے مرید دونوں جہانوں میں مردود ہو جائے سوم :- عاقل ہو تاکہ مریدوں کو صحیح سمجھ سے کلام اور شعور کی تعلیم دے سکے۔

چہارم :- سخی ہو تاکہ مریدوں کو اپنی خوراک و پوشاک وغیرہ دیگر خانگی ضرورتوں سے مکلف نہ ہو اور فارغ رکھے۔ پنجم :- شجاع ہو، تاکہ حق گوئی میں خوف نہ رکھے اور اپنے مریدوں کو حاسدوں کے حسد بچائے۔

ششم :- عفت والا ہو، کیونکہ نیکو کامرشد سے مرید بدظن نہیں ہوتا۔ ہفتم :- بند بہمت ہو جو دنیا کی طرف التفات نہ کرے اگر طاقت ہو کہ مال و دولت سے نقصان کا خطرہ نہ ہو، تو بھی مال جمع نہ کرے۔ اور مرید کے مال کی طرف طمع سے نہ دیکھے۔

ہشتم :- شفقت والا ہو تاکہ مرید کے ساتھ نرمی سے برتاؤ کرے اور آہستہ آہستہ ہدایت کی طرف لائے۔ نهم :- بردبار اور حلیم ہو۔ تاکہ مرید ہدایت کے راستہ سے ہٹک نہ جائے۔

دہم :- اعلیٰ خلق والا ہو اور قصور معاف کرنے والا ہو تاکہ تشریف رومی سے مرید کناہ کش نہ ہو۔ یازدہم :- چشم پوش ہو، تاکہ مرید سے اگر خطا ہو تو بخشدے۔

دوازدہم :- ایتار والا ہو۔ تاکہ مرید اور دیگر لوگوں پر ان کی ضرورتوں کیلئے اپنی ضرورت قربان کر دے۔ ستردہم :- کریم ہو، تاکہ مرید کو اپنے کرم سے ولایت تک پہنچا دے۔

چہار دہم :- کفیل والا ہو، تاکہ مرید کے رزق میں اسے افسوس نہ ہو کہ اسے کس جگہ سے رزق حاصل ہوتا ہے۔ پانزدہم :- تسلیم والا ہو یعنی جو کچھ ملے یا کھو جائے اسے ہو لائے کریم کی طرف سے سمجھے۔

شانزدہم :- رضا والا ہو کہ احکام الہی پر معترض نہ ہو۔

ہفتدہم :- وقار اور دبیدہ رکھتا ہو تاکہ مرید بے ادب اور گستاخ نہ ہو جائے۔

بیشردہم :- طبیعت میں سکون ہو تاکہ کسی معاملہ میں تعجل نہ کرے۔

نوزدہم :- ثابت قدم ہو۔ کہ ہر کار دین و دنیوی میں پھسلنے والا نہ ہو۔ اور وہ عہد کہ خالق یا مخلوق سے کرے، اس پر وفا کرے۔

بستم :- ہیبت و ولایت رکھتا ہو تاکہ مرید کے حال میں تصرف کرے اور کر سکنے کے قابل ثابت ہو۔

یست و یکم :- سب سے اہم شرط یہ ہے کہ اسکی اجازت مسلسل اپنے پیر سے آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک

ثابت ہو، تاکہ یہ نسبت دست بدست آنحضرتؐ تک پہنچے۔ مطمئن رہے۔ کیونکہ اگرچہ تمام مندرجہ بالا صفتوں سے متصف

ہو، لیکن یہ صفت نہ ہونے سے اسکا کسی سے بیعت لینا حرام اور ناجائز ہوگا۔

ان صفتوں کے بیان میں کہ مرید میں ہونی لازم ہیں۔ اور وہ بھی اکیس ہیں :-

۱۔ شریعت نبوی کے خلاف توبہ کرنا والا ہو۔ اور توبہ بھی ایسی کہ دوبارہ اس سے وہ گناہ سرزد نہ ہوں۔

۲۔ زہد رکھتا ہو تاکہ دنیا و مافیہا سے کنارہ کشی کرتے ہوئے مطلب کی طلب میں سرگرم ہو۔

۳۔ تجرید کی صفت والا ہو کہ دنیوی معاملات و علاقوں سے علیحدہ رہے، سوائے کسبِ حلال کے تاکہ نان و نفقہ سے

فراغت والا ہو۔

۴۔ عقیدہ حقہ اہل سنت والجماعت سے متعلق ہو، اور بدعت سے گریز کرنے والا۔

۵۔ تقویٰ ہے کہ پرہیزگار اور کھانے پینے کے معاملہ میں ڈرنے والا، حلال کا متلاشی، ہمت سے کام کرنے والا اور طہارت و

طافت و پاکیزگی ظاہری و باطنی میں بے حد کوشاں رہنے والا ہو۔

۶۔ مجاہدہ، نفس کو بہکنے نہ دے اور اسکی لگام قابو میں رکھے۔

۷۔ صبر، شرع کے قانون پر ثابت رہے، اور تکلیفوں اور سختیوں پر ڈگمگانے والا نہ ہو اور جزع فزع نہ کرے۔

۸۔ شجاعت۔ مردانہ وار مقابلہ کرنی والا اور دلیر ہو تاکہ نفس اور اس کے فریب پر پہنچے مار سکے۔

۹۔ بذل۔ یعنی مرید میں کجی اور کجوسی نہ ہو کہ یہ قیدِ عظیم ہے۔ کیونکہ ارادت مند کو بعض مرتبہ دنیا اور آخرت کے معاملات میں

جان تک دینی پڑتی ہے اور یہ ایک کجی اور شجیع کے لئے امر ناممکن ہے۔

۱۰۔ قوت ہے۔ یعنی عالی بہت ہو تاکہ حق سجدہ پہنچا سکے اور بقدر وسعت اور نسبت حق ادا کرنے کے بعد اس سے طمع نہ رکھے۔

۱۱۔ صدق۔ یعنی مرید کا صادق ہونا اس بات پر لازمی ہے کہ جو کچھ کرے حق کے لئے کرے اور تمام خلقت سے طمع منقطع کرنے والا ہو۔

۱۲۔ علم ہے۔ کہ احکام شریعت، فرض، واجبات، سنن اور مستحبات، حرام و حلال، مکروہات و مستہبات کا اسے علم ہو۔

۱۳۔ نیاز ہے، کہ اگر خداوند عالم سے مقام ناز نصیب نہ ہو تو بھی دامن نیاز ہاتھ سے نہ دے اور یہ معاملہ ایسا عجیب ہے کہ اس کی مٹھاس اور حلاوت صاحب نیاز ہی کو معلوم ہو سکتی ہے۔

۱۴۔ چالاک، دانشمند اور معاملہ فہم اس راستہ میں گامزن ہوا اور کتنی ہی خطرناکیاں پیش آئیں سب میں بے پروا ہو کر اپنے آپ کو اُن میں ڈال دے اور اپنی جان سے خوف نہ کھائے۔ کیونکہ جان خدا کے راستہ میں کوئی چیز نہیں۔

۱۵۔ ملامت ہے۔ کہ تنگ و ناکوس، مدح و ذم، مذمت و تعریف خلق خدا سے بے نیاز ہو اور درویشی کے راستہ میں کسی کی دوستی و دشمنی پر نظر نہ رکھے۔

۱۶۔ عقل ہے۔ کہ اپنے شیخ کے سامنے ان کی مرضی کے مخالف کوئی بات منہ سے نہ نکالے اور نہ کوئی حرکت و سکون کام میں لائے۔

۱۷۔ باادب ہو، تاکہ مرشد کے سامنے ادب و تہذیب سے رسکے اور مرشد کی خوشی کو اپنی خوشی پر مقدم سمجھے اور جب تنگ اجازت نہ پائے نہ کچھ پوچھے اور نہ کچھ کہے۔ شیخ کے اشارات کو سمجھے اور بظاہر و باطن میں استغفار پڑھتا رہے دوستوں سے تکبر سے پیش نہ آئے بلکہ کسی کا بوجھ خود اٹھالے، لیکن اپنا بوجھ کسی پر نہ ڈالے۔ اگر خطا یا غلطی سرزد ہو تو عاجزی سے استغفار پڑھے اور توبہ کرے۔

۱۸۔ عجز اور فروتنی ہے۔ کہ عجز سے لڑائی جھگڑے کے دروازے بند ہوتے ہیں اور اختلافی مسائل میں اپنی شرعی زبان کو روکے۔

۱۹۔ تسلیم ہے۔ یعنی تصرفات و ولایت شیخ کو ہمیشہ اپنے سامنے سمجھے اور اپنے آپ کو تصرفات شیخ میں جذب کر دے اگر کوئی بات خلاف شرع شیخ سے سرزد ہو تو لوگوں کے سامنے نہ کہے بلکہ نہایت عاجزی سے علیحدہ کہے کیونکہ بعض

مرتبہ برشد کی باتیں مرید کی سمجھ سے بالاتر ہوتی ہیں۔ جو مرید کی سمجھ میں فی الوقت نہیں آسکتیں۔

۲۰۔ تفویض ہے۔ یعنی اپنے آپ کو اور اپنے تمام معاملات کو شیخ کے سپرد کر دے۔ جیسے مردود بدست زندہ ہوتا ہے۔ اور یہ حکم مبتدی کے لئے ہے اور غنی کو حق تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہئے تاکہ اس کے معاملات ضائع نہ ہوں اور کھمی کی طرح شیخ کی خدمت میں حاضر ہو۔ اگر ہزار بار اسکو نکالا بھی جائے پھر بھی دروازہ نہ کھولے۔ نہ چاہے جانے پر بھی جھٹکیاں کھائے اور وہیں رہے۔

۲۱۔ عدم ہے۔ یعنی اپنے آپ کو بالکل کچھ نہ سمجھے اور یہ بات بڑی ہی اہم اور مشکل ہے۔

۱۔ حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس کا کوئی پیر ہو اس کا سلوک طریقت حق تعالیٰ کے ساتھ نہایت کو نہیں پہنچتا تاوقتیکہ وہ کسی پیر کی اقتداء نہ کرے۔ کیونکہ اس طریق میں ایک راہبر کا ہونا لازمی و ضروری ہے تاکہ ازراہ حال کے اس کو طریقت و مجاہدہ میں پوری دشمنی حاصل ہو۔

۲۔ پیر علم شریعت کا حامل اور عمل طریقت کا عامل ہونا چاہئے۔ کیونکہ بغیر علم شریعت کے مکر نفس و شیطان کا ہر وقت خدشہ ہوگا اور منازل کی شناخت اور مقامات و مشاہدات کی تصدیق نہیں کر سکیگا۔ حضرت سلطان العارفين سلطان باہور فرماتے ہیں کہ بغیر علم کے پیری کرنے سے کفر و موت ہونے کے مراد ہے۔

۳۔ پیر عقیدہ کے لحاظ سے صحیح اور پکا اہل سنت و جماعت ہو۔ ورنہ بیعت ناجائز ہوگی۔ کیونکہ اس فرقہ حقہ کے علاوہ تمام نام نہاد اسلامی فرقوں کے بھیک منگ پیر اس مسئلہ بیعت کے متعلق بدعت ہونے کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ حالانکہ دنیوی لالچ اور بزرگان دین سے منحرف کرنے کے خیال سے خود بھی بیعت لیتے ہیں تو ایسے بدعتی پیر کی بیعت بھی انتہی کے قول کے مطابق ناجائز و بدعت ہوگی اور بعض پیرانِ ریاکار تو وہ ہیں جو پیری مریدی کو بدعت تو نہیں سمجھتے مگر تمام متقدمین اسلام پر خیانت و منافقت کا الزام دھر کر طعن کرتے ہیں۔ کوئی ان سے پوچھے کہ جن حضرات سے اسلام و نور اسلام ہم تک پہنچا ہے اگر وہ سرتاپا گمراہ تھے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ تو تم یہ انوالی تقسیم کس بارگاہ سے لیکر کرتے ہو متقدمین حضرات کو گمراہ کہنے والا خود نہ پیر بن سکے نہ صراطِ مستقیم پر چلنے کا دعویٰ کر ہو سکے۔ کیونکہ وہ خود گمراہ ہے۔

۴۔ پیر کو شریعت اسلامیہ مطہرہ علیہ السلام کا سخت پابند ہونا چاہئے۔ کیونکہ معرفت الہی کی صحیح راہ بغیر پابندی شرع کے محال بلکہ ناممکن ہے۔ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضور سرور کائنات مختار شمس جہاں محمد رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بشر! تم کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے معاصرین میں سے تمہاری اتنی عزت افزائی کیوں کی ہے؟ میں نے عرض کیا مجھے معلوم نہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اس کا سبب میری منت کی پُری صاحبین کی خدمت گذاری اپنے بھائیوں کی خیر اندیشی اور میرے اصحاب و اہلبیت کے ساتھ محبت ہے اور یہی وہ چیزیں ہیں جنہوں نے تجھ کو ابراہیم کے مرتبہ پر فائز کر دیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی ساری بنیاد اسی پر ہے کہ آداب شریعت کی پابندی رہے، حرام اور مشتبہ چیزوں سے ہاتھ کھینچا جائے، ناجائز اداہام و خیالات سے ہواں کو آلودہ نہ کیا جائے اور غفلتوں سے بچکر اللہ کریم کی یاد میں وقت گزارا جائے۔ ترک شہوات کے مجاہدہ میں دواماً مشغولیت ہو اسکو ہمیشہ یاد رکھا جائے کہ خواہشات کی پابندی اور روح کی پاکیزگی کا ساتھ نہیں ہو سکتا۔ اور یہ ایک انتہائی پستی ہوتی ہے کہ درویش جس خواہش کو اللہ کے لئے چھوڑ چکا ہو اسکی جانب پھر رجوع کرے کسی عہد کو اللہ تعالیٰ سے کر لینے کے بعد تو رُطاب طہارت میں وہی درجہ رکھتا ہے جو شریعت ظاہری میں ارتداد کا ہے۔ جو درویش شریعت کے ابتدائی اصولوں سے واقف نہیں، وہ طریقت و حقیقت اور معرفت سے کیونکر واقف ہو سکتا ہے۔ اسکی مثال اس زمیندار کی سی ہے جو نہ کھیتی میں مل چلاتا ہے، نہ زمین بناتا ہے نہ بیج ڈالتا ہے، نہ راتوں کو ہاگ کر کھیتی کو پانی دیتا ہے، نہ دوپہر کو اسکی صفائی کرتا ہے، نہ حفاظت کے لئے بارش دیتا ہے، مگر موسم پر تنہا ضرور کرتا ہے کہ میں بھی بڑے بڑے زمینداروں کی طرح خردوار اٹھاؤں اور غلے سے اپنے گھر کو بھریوں، بھلا بس شخص نے درخت ہی نہیں بویا پھل اور شاخ کی تمنا کیوں کر کرے گا۔ اس کے متعلق مفصل بحث کسی گذشتہ باب میں گزر چکی ہے۔ شعر

نشت اول چوں نہ معماری کج تاثریایے رود دیوار کج

۵۔ پیر طامع اور خواہشات نفسانیہ پر حریص نہ ہو۔

۶۔ پیر میں بے جا غرور اور ناجائز تعلی و تکبر نہ ہونا چاہئے۔ جس سے ہر وقت فخر و پندار میں مستغرق رہے، کیونکہ یہ اہل اللہ کی تعلیم کے متنافی ہے۔

۷۔ پیر خود اپنے بزرگوں کا معتقد اور محبت رکھنے والا ہو۔ جب کلام کرے اس کی گفتگو سے اہل اللہ و بزرگان دین کی عظمت کا اظہار ہوتا ہو۔

۸۔ پیر اخلاق باطنی و محاسن ظاہری میں اتنا بلند ہو کہ اس کے اپنے اقربا و اعزا بھی پس پردہ اچھا یاد کریں۔

۹۔ پیر ایسا ہو کہ اس کی صحبت میں دل گرم اور عقیقی کی رغبت پیدا ہو اور اس کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے، کسی شاعر نے

کیا خوب لکھا ہے۔ شعر

چہ باید مرد را طبع بلندے مشربے نابے دل گرے نگاہ پاک بینے جان بیتابے
فضل ایزدی اور خوش قسمتی و نیک نصیبی سے اگر ان اوصاف کا موصوف پیرل جائے تو مرید کو اس کی بیعت کرنے سے
مندرجہ ذیل ظاہری فوائد حاصل ہوں گے اور باطنی کی تو حد ہی نہیں رہتی :-

- ۱۔ طالب صادق بوقت بیعت گناہان سابقہ سے تائب ہو کر ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ اس کے ذمے کوئی گناہ رہتا ہی نہیں
حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ **اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ** یعنی گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہو
جالتا ہے جیسے کہ اس کے ذمہ گناہ تھے ہی نہیں اور شیخ طریقت سب سے پہلے بیعت کے وقت توبہ ہی کراتا ہے۔
- ۲۔ جب ارادہ اپنے شیخ کیساتھ ایک نسبت اختیار کر لیتا ہے اور اسکی محبت دل میں جما لیتا ہے تو ابتدا میں یہ محبت
ہی طالب کو صالح مزاج بناتی اور آخرت میں وسیلہ نجات ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام
نے حضرت انسؓ کو فرمایا۔ **اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ** یعنی تو حشر میں ان کے ساتھ ہوگا، جن سے محبت رکھتا ہے۔
- ۳۔ بزرگان دین کے ہر چار سلاسل میں سے کسی کی نسبت اختیار کر لینا ہی موجب نجات ہو سکتا ہے کیونکہ سرکارِ دُعا عالم فرماتے ہیں
هُمْ اَجَلَسَاءُ لَا يَشْتَقِي حَالَهُمْ۔ یعنی وہ وہ لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد بخت اور غیر نجات یافتہ نہیں رہتا
- ۴۔ مرید جب ایک پیر سے تعلق قائم کر لیتا ہے تو تمام بزرگان دین کی عزت اور منزلت اس کے دل میں گھر کر جاتی ہے۔ اور وہ ان
کے ذکر سے اپنا وقت خوش رکھتا ہے اور اسی کی نسبت حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے **تَنْزِلُ الرَّحْمَةِ عِنْدَ ذِكْرِ الصَّالِحِينَ**
یعنی صالحین کا ذکر کرنے پر رحمت نازل ہوتی ہے۔

- ۵۔ مرید بیعت کرنے کے بعد اگرچہ اپنی غفلت کی وجہ سے شیخ کے راہ روشن پر پوری طرح مستعد نہ ہو اور قدم اٹھانے میں کوتاہی کرے
تاہم بعض امور میں صرت پیر کی تشبیہ ہی اس کے لئے فائدہ بخش ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ کہ
مَنْ تَشَبَهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ۔ یعنی جو شخص کسی قوم کی مشابہت پیدا کرے گا وہ انہی میں داخل ہوگا۔

ان فوائد ظاہری کے علاوہ مرید اپنی باطنی غرض و غائت کے ماتحت جو نفع حاصل کرے گا وہ مزید برآں ہوگا مگر یہ یاد رہے
کہ اتباعِ شیخ میں تساہل کرنے سے یہ سب کچھ کچھ بھی نہ ہوگا۔ اتباعِ شیخ شرطِ اولین ہے۔ کیونکہ شیخ کے حضور میں جب اپنے
آپ کو پیش کرے گا تو اب نہ اسکا اپنا ارادہ ہوگا۔ بقول **اَلْمُرِيدُ لَا يَرِيدُ لِنَفْسِهِ** اور نہ وہ اپنے ارادے اور خیالات

نفسانیہ کو کام میں لاسکے گا۔ حسب ارشاد اَلطَّالِبُ عِنْدَ الْمُؤَسِّدِ كَالْمَيِّتِ بَيْنَ يَدَيِ الْغَاسِلِ (طالب مرشد کے نزدیک ایسا ہوگا جیسے میت غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتی ہے) کے مصداق بالکل بے اختیار ہو جائے گا۔ اب اس کا یہ فرض ہوگا کہ تعلیم فیج پر مادہ عمل ہو جائے اور ان اعمال وادراہ اور وظائف و لطائف کی طرف رجوع کرے جن پر چلانا اور عمل کرنا شیخ ضروری سمجھے، کیونکہ اس راہ میں مرید کی اپنی مرضی کوئی شے نہ ہوگی۔ حافظ نے کیا خوب لکھا ہے۔

بہ مے سجادہ زنگیں کن گرت پیر مغال گوید کہ سالک بے خبر بود ذراہ و رسم منزلہا

(ترجمہ) تال شرابے رنگ مصلا جے ہادی فرماوے

کیوں جو واقف کار حقیقی دھوکھا مول نہ کھاوے

گویا جب تک مرید اپنی مرضی اور نفسانی تیز کو دور کر کے ہر لحظہ آداب فیج کو ملحوظ نہ رکھے گا کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ بدیں وجہ بزرگان طریقت نے آداب فیج میں مرید کو یہاں تک پابند کیا ہے کہ :-

۱۔ اگر پیر کا کوئی فعل مرید کے فہم اور ادراک میں نہ بھی آئے تو اس وقت حضرت موسیٰ و حضرت خضر علیہما السلام کے قصہ کو مد نظر رکھ کر خاموش رہے۔ اور اس وقت تک انتظار کرے جب تک شیخ خود بیان نہ فرماوے۔

ب۔ مرید اپنے شیخ سے کوئی راز پوشیدہ نہ رکھے کیونکہ اس کی حیثیت مریض کی ہے۔ جب تک مریض معالج سے تمام تر حالات ذکر نہیں کر دے گا شفاء حاصل حاصل نہ کر سکے گا۔

ج۔ مرید اپنے پیر پر ہمیشہ ایسا اعتقاد رکھے کہ ہدایت و ارشاد میں کوئی دوسرا ایسا کامل نہیں ورنہ اس اعتقاد کے بغیر اس کا غیر کی جانب رجوع کہ جانا ممکن ہوگا۔ جس کا نتیجہ فیض باطنی سے محرومی ہوگی، اس باریکی کو بہت کم لوگ سمجھتے ہیں حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ مبداء و معاد میں فرماتے ہیں کہ مرید کا اعتقاد اپنے پیر کو اکمل و افضل جانتے میں اس محبت کے ثمرات اور اس نسبت کے نتائج میں سے ہے۔ جو افادہ و استفادہ کا سبب ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ کوئی مرید اپنے پیر کو ان لوگوں پر فضیلت نہ دے جسکی فضیلت شرع میں مسئلہ و مضمر ہے۔ کیونکہ یہ امر محبت میں افراط کا موجب ہوگا اور افراط فعل مذموم ہے۔

د۔ مرید تصرفات پیر میں اپنے آپ کو سپرد کر دے اور ہر حال میں پیر کا تابعدار رہے اور شیخ کے تصرفات پر کوئی اعتراض نہ کرے۔ اس لئے کہ کامل کا ہر قول و فعل کسی حکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

۵۔ کوئی ورد و وظیفہ کسی دوسرے بزرگ سے حاصل نہ کرے۔ اور نہ ہی بغیر اجازت شیخ کے ان پر عمل کرنے والا ہو، نہ ہی مراقبہ، چلہ کشی اور مخالفت میں سبقت کرے۔ ایسا کرنا بسا اوقات مرید کو سخت نقصان دیتا ہے۔

۶۔ جو امور ترک ادب کے ہیں ہر وقت نگاہ رکھے۔ مثلاً مجلس شیخ میں کسی ہم نشین سے ایسا کلام نہ کرے جو شیخ کے کلام میں قیل و قال ہے۔ شیخ کے سامنے بلند آواز سے گفتگو نہ کرے۔ پاؤں پھیلانے نہ بیٹھے، اگر نہ چلے آداب مجلس کے خلاف کھانا پینا ممنوع سمجھے۔ بغیر اجازت کے شیخ کے برابر یا اسکی مسند پر نہ بیٹھے۔ شیخ کے ساتھ کھانے پینے میں بے ادب اور گفتگو میں بے تکلف اور بیباک نہ ہو۔ زانوں سے نہ کھڑے۔ تفوق کے پہلو پر نقل و حرکت کرنا بے ضرورت اور بے مطلب باتیں بنانا اور بوقت رخصت شیخ کی جانب پشت کر کے روانہ ہونا بھی اسی طرح منع ہے جیسے باقی امور مذکور ہوئے ہیں۔ غرضیکہ بزرگان دین نے آداب شیخ میں اور بہت کچھ بیان فرمایا ہے جس کی اس مختصر تصنیف میں گنجائش نہیں۔ حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ لاہوری کا قصہ مشہور ہے کہ آپ کے پیر حضرت داؤد بندگی جس جنگل میں مجاہدہ فرمایا کرتے تھے حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ ان کی وفات کے بعد بھی کبھی اس جنگل سے گزرتے تو ادب شیخ سے ننگے پاؤں چلتے کہ جوتے سے کہیں قدم شیخ کے نشان کی بے ادبی نہ ہو۔

۷۔ مرید کو چاہئے کہ ہمیشہ شیخ کے باطن میں خدا کو دیکھے۔ کیونکہ شیخ آئینہ خدا ہے۔ اگر وہ اپنی ارادت و مراد کی راہ پر چلے گا تو وہ اپنی مراد کا مرید کہلائے گا، نہ کہ پیر کا۔

۸۔ مرید اپنے شیخ سے ہمیشہ طالب حقیقت رہے، ورنہ طلب دنیا اس کے لئے اس کے باطن کا ایک حجاب ہو جائے گی جس سے اسے خود کبھی نجات نہیں پاسکیگا۔

۹۔ مذاہب کے جھگڑوں سے علیحدہ رہے اور جس طریق پر شیخ کا مزن ہو اس کو لازم پکڑے۔ کیونکہ بعض اوقات تحریکات دنیا اور مذہبی جمعیلوں کا الجھاؤ طالب معرفت کو اس کے مقصد سے بہت دور پھینک دیتا ہے۔ ہم نے لاکھوں ائمہ فراڈل نہیں تو سینکڑوں لوگ ایسے ضرور دیکھے ہیں جو اس الجھن میں پھنس کر پیر تو درکنار راہ معرفت ہی کا انکار کر کے گمراہ ہو گئے ہیں۔ البیاد باللہ۔ مذہبی جمعیلوں کی علیحدگی سے آخر میں خود بخود قیصر مذہب و ملت اٹھ جائے گی اور حضرت منصور علاج کی طرح یہ بھی اَنَا عَمَلِي الْمَذْهَبِ رَجِي یعنی میں اپنے رب کے مذہب پر ہوں کہنے لگ جائے گا۔ کیونکہ

اہل معرفت خدا ہی کے مذہب پر ہو جاتے ہیں۔ اور وہاں یہ تمیز من و تو اور مذہب و ملت نہیں ہوتی۔

۱۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ باطنی آداب شیخ کے سات ہیں۔

اول۔ یہ کہ پیر کے ساتھ نیت خالص اور عقیدہ پاک رکھے۔ اور دل خیالات فاسدہ سے خالی ہو کیونکہ یہ لوگ طیب الہی ہیں۔
 دل کے امراض کو مرید کے وجود میں اسباب و علامات سے معلوم کر لیتے ہیں۔ اور خطرات کو تاڑ جاتے ہیں۔ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
 جَوَاسِبُ الْقُدُوبِ تَجَالِسُوهُمْ بِالصِّدْقِ یعنی یہ لوگ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں تم ان کے پاس صدق سے بیٹھا کرو۔

دوم۔ یہ کہ پیر کے کلام کو برضا و رغبت دل کے کانوں سے سنے نہ گوش جسم سے۔ کیونکہ ایسا کرنا مرید کے لئے مفید نہ ہوگا۔

سوم۔ یہ کہ پیر کے اسرار کو پوشیدہ رکھے اور نا اہلوں سے بیان نہ کرے۔

چہارم۔ یہ کہ پیر کے ارشاد کو بسر و چشم تسلیم کرے اور اس کے ظہور کے لئے انتظار میں رہے کیونکہ جلدی میں فساد کا امکان ہوتا ہے

پنجم۔ یہ کہ شیخ کے کسی قول و فعل پر معترض نہ ہو بلکہ اس کو حقیقت پر منتج کرے کیونکہ شیخ کامل کا ہر ارادہ حق تعالیٰ کے ارادہ

میں فانی ہوتا ہے۔

ششم۔ یہ کہ پیر کو عیب کی آنکھ سے نہ دیکھے اور کسی فعل میں زبان طعن نہ کھولے اور کسی غلطی کی تقلید کرے اپنا ریاضت مجاہدہ نہ چھوڑ دے کیونکہ یہ غلطی کے لئے مفید اور مبتدی کے لئے موجب نقصان و ضرر ہوتا ہے۔

ہفتم۔ یہ کہ کسی امر میں شیخ کا امتحان نہ کرے کیونکہ امتحان ایک قسم کا تصرف ہے اور ناقص کو کامل میں تصرف نہیں ہوتا۔ ایک

تفسیدی درویش فرمایا کرتے تھے کہ مرید کو چاہئے کہ شیخ کو بیہ دلیل مانے کیونکہ حضرت شیخ المشائخ مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ شیخ رسول کا نائب ہے اور اس کی متابعت و حفظ مراتب خدا و رسول

علیہ السلام کی متابعت ہے اور نائب کی تعظیم عین منیب کی تعظیم ہوتی ہے اور سلوک طریق اس کی متابعت کے سوا

محال ہے۔

کتاب مرصاد العباد میں مرقوم ہے کہ ارادہ مند میں جب تک یہ بیس اوصاف نہ ہوں اس کو سلوک کی راہ نہیں مل سکتی۔

۱۔ سچی توبہ جو اعمال صالح کی جڑ ہے ۲۔ زہد یعنی تھوڑے پر قناعت کرنا ۳۔ تجرید یعنی تمام نفسی علاقوں کا انقطاع کرنا۔

۴۔ عقیدہ یعنی اہل سنت و الجماعت کا صحیح عقیدہ رکھنا۔ ۵۔ تقویٰ یعنی پرہیزگاری میں ہر قسم و لباس و طعام و کلام میں

مختار رہنا۔ ۱۰ صبر یعنی مشکلات راہ میں بدل نہ ہونا۔ ۱۱ مجاہدہ یعنی نفس کے ساتھ نرمی نہ برتنا۔ ۱۲ شجاعت یعنی محاربہ نفس میں قیام کرنا۔ ۱۳ بذل یعنی ایشیا پر حوصلہ مند اور بخل سے علیحدہ ہونا۔ ۱۴ قنوت یعنی جو انفرادی و عالی بہت ہونا۔ ۱۵ صدق یعنی اپنا تمام معاملہ راستی پر رکھنا۔ ۱۶ علم یعنی فرائض سے عمدہ برائی کیلئے بقدر ضرورت معلومات حاصل کرنا۔ ۱۷ نیاز یعنی اطاعت ناز کا پابست رہنا۔ ۱۸ عیاری یعنی خطرات و وساوس کو ہر لحظہ نگاہ رکھنا۔ ۱۹ علامت یعنی نیک و بد اور رد و قبول میں یکساں رہنا۔ ۲۰ اعتماد کو ایسا کیرنگ جانتا کہ خلقت کی دوستی و دشمنی سے فریب و لاغر نہ ہو (جو لوگ علامت کی تعریف غیر شرع اصول کا وارث اور مخالفت شروع کرتے ہیں وہ گمراہی ہے)۔ ۲۱ عقل یعنی کوئی ایسا فعل نہ کرنا جو غیر معقولیت پر ظاہر ہو کہ شیخ کی رنجش کا باعث بن جائے۔ ۲۲ ادب یعنی ظاہر و باطن میں شیخ کے اشارات و ارشادات کا منظر رہنا۔ ۲۳ حسن خلق یعنی تکبر و دعوت، عجب و غرور، تفاخر و دعویٰ اور طلب و جاہ سے دور رہنا۔ ۲۴ تسلیم یعنی تصرفات شیخ پر ایمان رکھنا اور اپنے تصرف سے علیحدہ رہنا۔ ۲۵ تفویض یعنی ہر حالت میں از روئے صدق خدا ہی کا ہونا اور اپنے وجود سے بالکل قطع نظر کر لینا۔

مصنف کتاب مطلوب الطالبین فرماتے ہیں کہ پیر کے حضور میں مرید کو اپنی نسبت کوئی گفتگو نہ کرنی چاہئے اور نہ پیر کی اجازت کے بغیر ان کے مقام میں جائے بالخصوص جو اوقات ان کے ذکر و فکر میں مشغول ہونے اور قیلولہ وغیرہ کے ہلے تاکہ ان کے حال کا نفع نہ ہو۔

خواجہ عبداللہ احرار فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جو ارادت کی آگ میں جلا ہوا ہو اور اس کی کوئی مراد باقی نہ رہی ہو۔ ہمیشہ اپنے پیر کا ملازم در رہے اور اپنے تمام امور کے کشائش کی امید اسی دوازہ سے رکھے۔ کتاب معدن المعانی میں مذکور ہے کہ ایک روز حضرت مخدوم رحمۃ اللہ علیہ سے مرید کی نسبت سوال کیا گیا کہ مرید کس کو کہتے ہیں تو آپ نے فرمایا مرید وہ ہے جو قولا فعلا قلباً، قالباً پیر کی متابعت کرے اور ان کلمات کی یوں تشریح فرمائی کہ قولا۔ یعنی دین کے فروع و اصول میں اسکی وہی بات ہو جو پیر کی ہو۔ حبیباً کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ مذہبی و سیاسی، تمدنی و معاشرتی، علمی و عملی، اعتقادی و ایمانی اور فروعی و اصولی مسائل و معاملات میں شیخ کسی ایک راہ کا پابند ہے تو مرید کسی دوسری جانب ٹھوکر مار کھا رہا ہے۔ ایسا ہونا اور ایسا کرنا اتباع پیر کے منافی ہے۔

فعلاً۔ یعنی تمام دینی و دنیوی کام پیر کے اشارہ کے موافق کرے اگرچہ اطاعت ہی ہو۔

قلبا۔ یعنی اپنے دل کو اپنے پیر کے دل کی مانند تمام صفات ذمہ سے پاک و صاف کرے۔

قالب۔ یعنی ظاہری و باطنی اعضا و حواس کو بھی پیر کے اعضا و حواس کی طرح معصیت کی آلودگی سے علیحدہ رکھے۔ کیونکہ جو مرید اپنے آپ کو ہر حال میں پیری کے حرکات و سکنات کے تابع کر دیتا ہے اسکو علیحدہ کسی علم کے حصول کی حاجت نہیں رہتی اور وہ پیر کی ایک ساعت کی متابعت و مجلس سے وہ کچھ پالیتا ہے جو ہزاروں چلوں اور مجاہدوں سے بھی حاصل نہیں ہوتا، بلکہ بعض مشائخین کا قول ہے کہ پیر کی بکروزہ صحبت و خدمت مرید کے تنہا چالیس چلوں سے بہتر ہوتی ہے۔ شیخ جمال الدین ہانسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں کہ مرید وہ ہے جس کا ارادہ شیخ ہی کا ارادہ ہو۔ کیونکہ شیخ امر ہے اور مرید مامور ہے اور جو امر شیخ سے صادر ہوتا ہے وہ گویا اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ پس مرید پر واجب ہے کہ بلا تاخیر و تقصیر اس کی متابعت کرے۔ اس لئے کہ مرید پر نفس کا مغلوب کرنا شیطان کے دفع کرنے سے بھی زیادہ مشکل ہے۔ مرید اگر کسی قول و فعل میں شیخ کے خلاف ہوگا۔ تو صدق و ارادت کے لائق نہیں رہے گا۔

جو مرید مقصود کے موتی ہاتھ میں لانا چاہے۔ اس کو لازم ہے کہ شیخ کی متابعت اور نفس کی مخالفت کو واجب سمجھے۔ رات کو جاگے، دن کو روزہ رکھے تاکہ اس میں شیخ کے مخالف کا ارادہ ہی پیدا نہ ہو جس نے شیخ کی اطاعت کی اور اس کی مخالفت سے بچا وہ مراد حقیقی الدنوز و فلاح کو پا گیا۔

نفائس الفنون کا حالہ دیتے ہوئے کتاب فیض الکریم میں مرید کے لئے چند آداب ایسے بیان فرمائے گئے ہیں جن کے بغیر سالک مرید کی کوئی حیثیت ارادت قابل قبول نہیں سمجھی جاتی۔ ان میں سے اول یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے خدا تعالیٰ کی جناب میں استغفار و طلب رحمت کے وقت امر و نہی سے خطاب نہ کرے۔ کیونکہ یہ ترک ادب ہے۔

دوئم۔ یہ کہ کلام الہی جب اسکی یا کسی اور کی زبان پر جاری ہو تو اس کو تکلم حقیقی سے سنے اور زبان کو درمیان میں وسیلہ اور واسطہ سمجھے سوئم۔ یہ کہ اپنے نفس کو آثار رحمت الہی کے اظہار کرنے میں مخفی رکھے۔

چہارم۔ یہ کہ اگر مرید بوبیت میں سے کسی ستر پر واقفیت ہو جائے تو اس کو بطور امانت محفوظ رکھے اور اس کا ظاہر کرنا جائز نہ سمجھے ورنہ مرتبہ قرب سے گر جائیگا۔

پنجم۔ یہ کہ سوال و دعا و سکوت کے اوقات کی رعایت رکھے۔ کیونکہ درویش کے لئے پابندی اوقات سجد لازم و واجب ہے ششم۔ یہ کہ جس طرح رب العزت جل و علا شانہ کو اپنی ظاہری و باطنی کیفیات و حالات پر مطلع جانتا ہے اسی طرح

حضور پر نور شافع یوم النور سید الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اپنے ظاہری و باطنی حالات و کوائف پر مطلع و واقف تصور کرے اور ہر قول و فعل میں حضور کی مخالفت سے شرم کھائے۔

ہفتم۔ یہ کہ اس کا یہ ایمان ہو کہ کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام کا سا کمال منزلت و علو مرتبت ممکن ہی نہیں اور کوئی ساکب خدا تعالیٰ جل و علا شانہ کی کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہنمائی کے بغیر ہدایت نہیں پاسکتا۔ اور نہ ہی کسی دلی کو حضور علیہ السلام کی سی قوت تکمیل و ارشاد ہو سکتی ہے۔

ہشتم۔ یہ کہ متابعت سنت میں ہر لمحہ ساعی رہے۔ اور اس میں سستی و غفلت کو راہ نہ دے۔ اور یہ یقین رکھے کہ درجہ محبوبیت حضور علیہ السلام کی اطاعت کے سوا ممکن ہی نہیں۔

نہم۔ یہ کہ جو لوگ سرکار انبیاء علیہ الصلوٰۃ و التسلیمات سے ظاہری و باطنی نسبت و تعلق رکھتے ہیں مثلاً سادات و مشائخ و علماء کرام سب کے ساتھ محبت و موانست رکھے۔ بشرطیکہ ان کے اعمال و عقائد بھی حق و صحت پر مبنی ہوں۔

دہم۔ شیخ کے حق میں یہ اعتقاد کامل رکھے کہ اس کے سوا میدان تربیت و ارشاد میں کامل جہان میں اور کوئی نہیں کہونکہ رابطہ محبت ضعیف ہونے سے اس کے لئے شیخ کے اقوال و افعال کی تاثیر بھی ضعیف ہی ثابت ہوگی۔

یازدہم۔ یہ کہ شیخ کی صحبت کا ملازم رہے اور اس کے رد و وطن سے دل شکستہ ہو کہ منہ نہ موڑ جائے۔

دوازدہم۔ یہ کہ شیخ کے تصرفات کو تسلیم کرتے ہوئے اس کے ظاہر و باطن پر معترض نہ ہو۔

بیرودہم۔ یہ کہ اپنا اختیار بالکل چھوڑ دے اور دینی و دنیوی امور میں شیخ کے فرمان و ارادہ کے ماتحت رہے۔

چہار دہم۔ یہ کہ کلام شیخ کو کلام حق کا واسطہ جانتے اور بے واسطہ اس امر کا منظر رہے کہ شیخ کے منہ سے کیا ارشاد ہوتا ہے۔

پانزدہم۔ یہ کہ شیخ کے حضور میں آواز بلند نہ کرے اور اپنے نفس کو ظرافت و خوش طبعی اور ناموزوں گفتگو سے روکے اور اپنا کلام شروع کرنے سے پہلے یہ سوچ لے کہ شیخ کو مجھ سے کلام کی فرصت ہے یا نہیں اور بیان میں اپنے کلام کو مسل کر دے۔

شانزدہم۔ یہ کہ اپنے مرتبہ کو نگاہ رکھے اور گفتگو میں اپنے حال و مقام سے بڑھ کر کلام نہ کرے۔

ہفزدہم۔ یہ کہ جو حال و اسرار از قلم کشف و کرامات و کیفیات و واقعات شیخ کو پوشیدہ لکھنا چاہے مرید ان کو ظاہر نہ کرے۔

ہشزدہم۔ یہ کہ اپنی کیفیات و اسرار کو شیخ سے پوشیدہ نہ رکھے، اور جو کرامت و عطا مولا کریم کی جانب سے اسکو بخشش ہو، بھنود شیخ صراحت سے بیان کر دے۔

تواز و ہم۔ یہ کہ اپنے پیر کے مخالفین سے صحبت و مخالفت نہ رکھے اور ان سے کنارہ کش رہے۔

بسم۔ یہ کہ تیرکات شیخ کی انتہائی قدر کرے کہ اس میں بھی محبت و طاعت کا ایک پہلو پوشیدہ ہے اور اگر اپنے شیخ کا پس خورہ پانی پلے تو اس کو ازراہ ادب کھڑا ہو کر پئے۔

اس کے علاوہ خواجہ علاؤ الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مرید کے لئے پیر کی صحبت سنت موکدہ ہے۔ جہاں تک ہو سکے اس کو برقرار رکھے تاکہ کئی غیبت واقع نہ ہو جائے۔

الغرض تعلیم طریقت سیکھنے سے ہی حاصل ہوتی ہے اور اس کے لئے صحبت و خدمت مرشد کے بغیر چارہ نہیں اور جب تک ارادت و صبر و استقلال سے اطاعت کے معاہدہ پر قائم اور متابعت شیخ کو دائم نہیں پکڑے گا، راہ رشد و ہدایت کو نہیں پاسکے گا۔

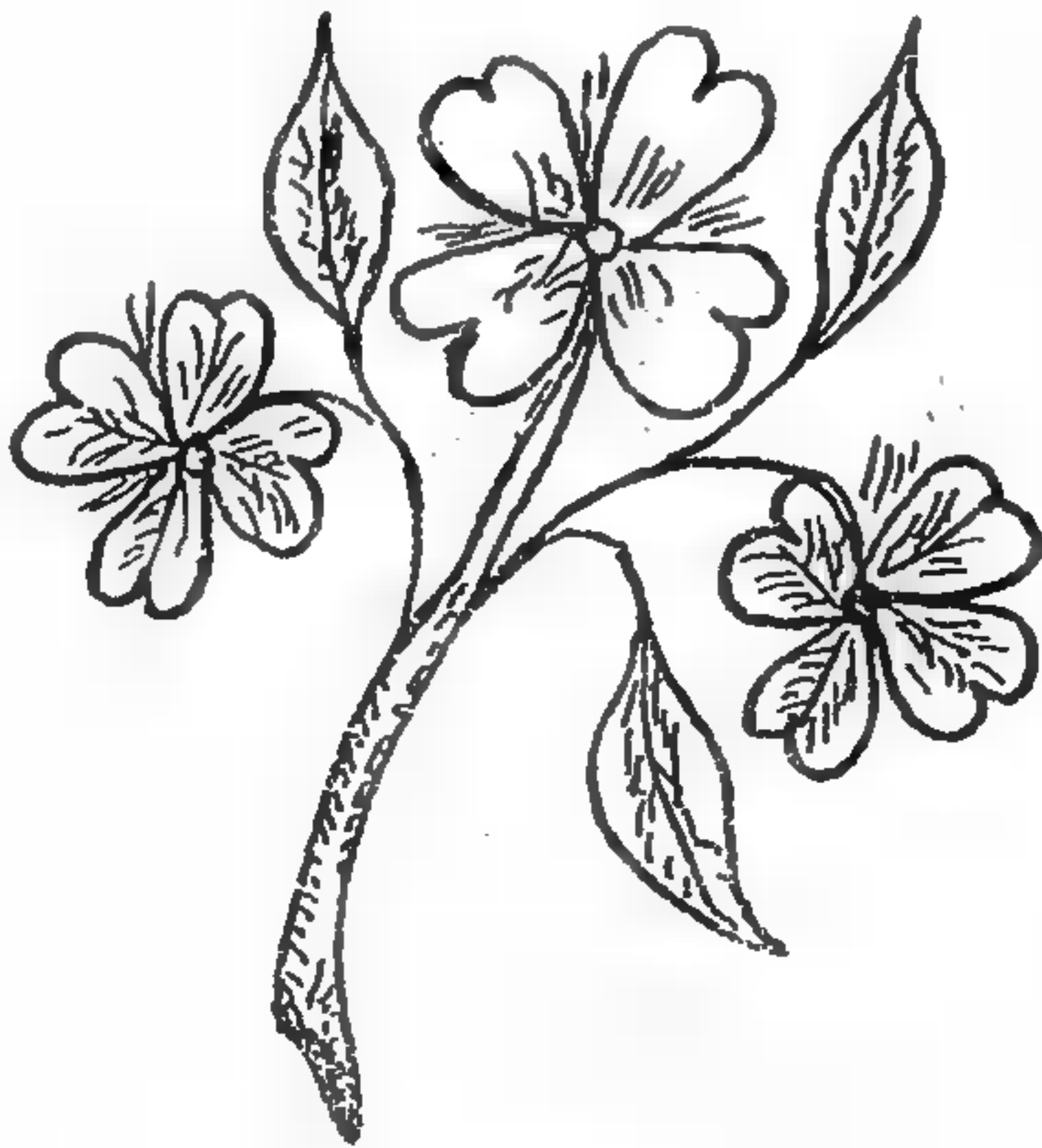
یہاں یہ مسئلہ بھی ذکر کر دینا انسب معلوم ہوتا ہے۔ جو بزرگان دین نے نابالغوں کی بیعت کے متعلق فرمایا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ نابالغوں کے باپ یا بھائی اگر اپنے بچوں کو

بیعت نابالغان و اہل القبور

مرشد کی خدمت میں حاضر کریں تو روا ہے۔ لیکن اگر باپ یا بھائی نہ ہوں اور شیخ کسی نابالغ کو خود بیعت کر لے تو ہوش میں آنے کے بعد ایسا مرید اس بیعت سے انکار کرنے میں حق بجانب ہوگا اور اسی قیاس پر نکاح نابالغان کا اطلاق ہوتا ہے۔ اگر ولی جائز نکاح کرتا ہے تو نابالغ ہونے کے بعد نکاح کا فسخ کرنا اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اگر جائز ولی نے نہ کیا ہو تو بلوغت کے بعد نکاح کا فسخ کرنا اس کے اختیار میں ہوتا ہے۔ لیکن بیعت مراد حق بالکل واجب و صحیح ہے اور فسخ نہیں ہو سکتی (جو کہ قریب بلوغ کے ہو) یعنی بارہ سال کی عمر میں بیعت قابل فسخ نہیں ہے۔ اگرچہ دوسرے مشائخ کے نزدیک اس کے عدم جواز کے بھی بہت سے مقولے ہیں مگر آثار نبوی علیہ السلام سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دس گیارہ سال کے عقل مند بچوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داخل بیعت فرمایا ہے۔ جیسے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ۹ سال کی عمر میں حضور علیہ السلام نے بیعت فرمایا اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں مدت العمر حاضر رہے۔ ہاں بے سمجھ بچوں کو ان کے والدین کی نسبت سے حکم لگا سکتے ہیں یعنی اگر والد یا بھائی بیعت کر دے تو صحیح ورنہ نہیں اور اسی طرح بیعت قبور بھی ناجائز ہے کیونکہ اگر بیعت قبور واجب و روا ہوتی تو مسلمانان عالم روضہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیعت کرتے اور ظاہری شیخ کی کوئی حاجت نہ رہتی۔ درآنحالیکہ اولوالعزم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ابراہیم نے جیسا کہ اور

بیان ہو چکا ہے اکثر مقدس حضرات کی بیعت کی ہے۔ اس لئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے، اگر کسی نے خواہ وہ صائم اللہ کر قائم اللیل، زائر ترین الشرفین بھی ہو، حافظ قرآن ہو، عالم تفسیر و احادیث وفقہ بھی ہو اور اس نے اپنا ہاتھ کسی حق پرست شیخ کے ہاتھ میں نہ دیا ہو تو اس کا ہاتھ شیطان کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور اس دن بصدق "یومئذ عواکل اناس بامامہم" ہر شخص اپنے پیشوا کے ساتھ ہوگا اور وہ بیعت سے محروم شخص شیطان کے ساتھ بلا یا جائے گا، جو کسی کی پناہ میں نہ ہوگا کیونکہ اگر وہ ٹھوکر کھا جائے اور اس سے لغزش سرزد ہو تو اس کا پیر ظاہری نہ ہونے سے وہ کیونکر اس وسوسہ شیطانی سے خبردار ہوگا اور کس طرح تاریکی سے نور کی طرف اس کے گام حضرت سہل بن عبد اللہ القسری نے کتاب معرفۃ المریدین میں لکھا ہے "قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من لا شیخ له فشیخہ الشیطان" یعنی جس کسی کا کوئی مرث نہیں ہے اس کا شیخ یا مرث شیطان ہوتا ہے۔

شیخ العالم حضرت شیخ شہاب الدین عمر سروردی کتاب عوارف المعارف میں فرماتے ہیں "من لم یکن له استاد فامامہ شیطان" کسی کا اگر ظاہری استاد یعنی شیخ نہ ہو تو اس کا امام و پیشوا شیطان ہوتا ہے پس لازم ضروری ہے کہ کسی بزرگ سے جو مطہر بالا صفوں سے متصف ہو بیعت ضرور کی جائے جو سعادت و ارباب کا موجب ہو۔
وباللہ التوفیق



خلافتِ خرقہ

جميع حضرات صوفیاء کرام بیعت اور خرقہ درویشی کے متعلق متفق ہیں اور انکا عمل رہا ہے کہ بعد بیعت مستحق ارادتمندوں کو جن کو اس قابل سمجھیں کہ وہ سلسلہ کی خدمت کے قابل ہو گئے ہیں۔ اپنی خلافت کا خرقہ عطا فرمادیں مشہور باب تصوف سے صاحب کشف المحجوب حضرت گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں کہ اہل اس خرقہ کے صرف دو گروہ ہیں۔ ایک منقطعان دنیا دوسرے مشاققان مولیٰ، اور عمل مشائخین عظام کا اسی طرح جاری ہے کہ جب کوئی مرید حکیم ترک تعلق ان کی طرف رجوع لاتا ہے تو اس کی تادیب تین امور خدمتِ خلق، خدمتِ حق، مراعاتِ دل میں کرتے ہیں پس خدمتِ خلق کے لئے نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے آپ کو سب کا خادم اور تمام خلق کو اپنا مخدوم سمجھے۔ یعنی بلا تمیز سب کو اپنے سے بہتر جانے اور سب کی خدمت اپنے آپ پر واجب گردانے اور خدمتِ حق کے لئے یہ لازم ہے کہ تمام محفوظ دنیا اور عقبتہ کو اپنے سے منقطع کر دے اور خاص طور پر حق تعالیٰ کی پرستش ہی بجالائے اور اگر یہ پرستش کسی دوسرے سبب سے ہوگی تو حق تعالیٰ کی پرستش نہ ہوگی بلکہ اپنی ہوگی اور مراعاتِ دل کا مفہوم یہ ہے اس کی بہت مجتمع رہے اور سارے ہوم و افکار کو دل سے دور کر دے اور تمام اسباب غفلت سے دل کو محفوظ رکھے اور ہر لحظہ اس کی نگہبانی کرتا رہے۔ پھر جب ان تینوں امور پر متصرف و قابض ہو جائے اور تینوں ہی حاصل ہو جائیں تو وہ ارادتمند طریق طریقت کے قابل سمجھا جاتا ہے اور باب تصوف اس کو خرقہ پہنانا سزاوار سمجھتے ہیں۔ اور خرقہ پہنانے والا وہ صوفی مستحق ہوگا جو خود مستقیم الحال اور تمام نشیب و فراز طریقت سے گزر چکا ہو۔

حسب روایت حضرت خلیفہ سیف الدین قدس سرہ جو صاحب فصوص الاداب ہیں۔ اس خرقہ درویشی کی اصل الہیم سیاہ ہے جو سرکارِ دو عالم سرورِ کونین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور سیدنا علی المرتضیٰ علیہ السلام کو اولاً عطا فرمائی تھی اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت شیخ نجم الدین کبرے قدس سرہ نقل کرتے ہیں کہ خرقہ کی اصل وہ عمامہ ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کریم اللہ وجہہ کو اودان سے بعد کے مشائخین عظام علیہم الرحمۃ کیلئے

بعد دیگر سے پہنچی۔ اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ حقیقت خرقہ یہ ہے کہ رب العزت جل جلالہ نے خرقہ کو واسطہ طہارت اور تشریف پوشیدہ اہل خرقہ کا کیل ہے پس سرکار دو جہاں مختار کون و مکان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حقائق اسرار نبوت اور دقائق راز ہائے ولایت اس خرقہ میں ودیعت فرمائے۔ جو شاہ ولایت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو پہنایا اور راحت القلوب اور سیر الاولیاء اور دیگر گیت اہل سلوک میں ہے کہ خرقہ درویشی حضور علیہ السلام کو شب معراج میں حضرت رب العزت جل مجدہ سے مرحمت ہوا تھا جو ایک گلیم سیاہ کی صورت میں تھا۔ مگر اس روایت کو محدثین ثابت نہیں کرتے۔ اور اس کے غلط ہونے پر متفق ہیں۔ جیسا کہ مجمع بحار الانوار اور موضوعات لای علی قاری سے ظاہر ہے اور خرقہ اور بیعت کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ انتخاب فی سلاسل اولیاء اللہ میں لکھتے ہیں کہ اصل اس کی سنت سنیہ ہے۔ یعنی خرقہ کی اصل تو حضور علیہ السلام کا لباس ہے جو حضور نبی کریم ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کو امیر لشکر بنایا تھا تو اپنا عمامہ عطا فرمایا تھا۔ اور بیعت کا وجود خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت و یقینی ہے جو پچھلے باب میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے اور رسم خرقہ و بیعت جیسا کہ مرسوم ہے اس کی نسبت شاہ ولی اللہ نے لکھا ہے کہ حضرات صوفیاء صافیہ جو پہلے زمانہ میں ہوئے ہیں ان کا ارتباط صحبت و تعلیم و تادب بہ آداب تہذیب نفس سے تھا نہ خرقہ و بیعت سے۔ بلکہ یہ رسم خرقہ حضرت سید الطائفہ ابو القاسم جنید بغدادی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ظاہر ہوئی اور اس کے بعد رسم بیعت پیدا ہوئی اور فرماتے ہیں کہ حضرات صوفیاء کرام کی رسم قدیم ہے کہ اپنے اجباب کو خرقہ پہناتے ہیں۔ کلاہ، عمامہ، قمیض، چادر وغیرہ جو بھی وقت پر میسر ہو۔ اور یہ خرقہ پوشی تین طرح پر ہوتی ہے۔ ایک خرقہ اجازت ہے جو تلقین اور صحبت میں اپنے کسی دوست (مرید) کو اپنا نائب مقرر کرنے اور طرفیت کی اجازت دینے میں دیا جاتا ہے۔ تاکہ وہ طالبوں سے آگے بیعت لینے کا اپنے آپ کو مجاز سمجھے۔

دوسرے خرقہ ایادت اور وہ یہ ہے کہ جب کوئی عزیز صوفیوں کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے اور ان کے نقش قدم پر چل کر منزل مقصود پر جہد و جہد میں مصروف ہو جاتا ہے تو اس کی استقامت دیکھ کر اس کو خرقہ عطا کر دیتے ہیں کہ اس کے لئے صوفیوں میں قیام کرنے کی علامت ہو۔

تیسرے خرقہ تبرک ہے کہ کوئی شیخ طرفیت جب کسی پر مہربان ہو تو اس کو خرقہ عطا فرمادے تاکہ حضرات صوفیاء کے برکات اس کے شامل حال ہوں، بلا لحاظ اس کے کہ وہ شخص بادشاہ ہو یا امیر ہو یا تاجر یا کوئی درویش ہو۔ پھر حضرات صوفیاء کریم نے بیعت کی بھی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

نمبر ۱۔ بیعت توبہ ہے۔ جو گناہوں سے توبہ کرنے کے لئے ہر نیک آدمی کے ہاتھ پر کی جاسکتی ہے۔ اور ہر مسلمان جس صالح آدمی سے چاہے بیعت کر سکتا ہے اور بیعت لے سکتا ہے۔

نمبر ۲۔ بیعت تبرک ہے کہ کوئی صالحین کے سلسلہ میں داخل ہونے کیلئے کسی سے بیعت کرے۔

نمبر ۳۔ بیعت تحکیم ہے کہ شیخ کو سلوک طریق مجاہدہ میں اپنے آپ پر حاکم کرے یعنی اپنے ارادہ اور اختیار کو چھوڑ کر اسی کی تابعداری میں قدم مارے اور خوب کوشش سے اس راہ سلوک کو طے کرے۔ یہ بیعت خاص ارباب ارادت کیلئے ہے

مولاکریم جل وعلا شانہ کی بے شمار نعمتوں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اس نے اپنی معرفت کا راز کھولنے کے لئے خوب بخیر و بدلیعہ انبیاء علیہم السلام ایک ایسے سلسلہ کا اجراء اور اظہار فرمایا جس سے اس تک پہنچنے میں

سلاسل فقراء

ایک گونہ آسانیاں ہو جائیں اور تمام انبیاء علیہم السلام سے خاص امتیازی حیثیت اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی اور حضور کے ذریعہ اپنے تک پہنچنے کے لئے بعض سلسلوں کا ربط ثابت فرمایا۔ حضور علیہ السلام حقیقتاً خلیفہ رب العالمین

ہیں اور آپ ہی نے راز درویشی اور عشق و محبت خداوند حقیقی جل وعلا شانہ کو عالم میں ظاہر فرمایا۔ اور خلق خدا کو خدا کے خلاق تک

پہنچانے کا سبب بنایا۔ پس یہ سلسلہ پشت بہ پشت اور سینہ بہ سینہ آپ کے خلفاء مہدیین سے الی یوم الدین قائم ہے اور رہے گا۔ آپ

کے خلفاء اہل بیت کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تھے۔ جو بحکم شریعت و تربیت خاص چار مذکور ہیں۔ اول یار غار سفرو

حضرت راز دار ہجرت حضرت سیدنا امیر المومنین ابن ابی قحافہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ دوم عدل محکم اشداء علی الکفار سیدنا امیر المومنین

فاروق اعظم عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ۔ سوم مولائے ذی النورین جامع القرآن سیدنا امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

چہارم باب علم مدینۃ النبی اکبر اللہ الغالب فتح خیر داما در رسول زوج بتول والدین سیدنا امیر المومنین علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ

صاحب کتاب مسالک السالکین لکھتے ہیں کہ سوائے سلسلہ نقش بند یہ عالیہ کے جو سیدنا امیر المومنین حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ

سے ہے۔ باقی سارے سلسلے امیر المومنین حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے جاری ہیں جن کی تفصیل آگے مذکور ہوگی۔

صاحب مسالک السالکین و لطائف اشرفی و تذکرہ الاولیاء و فوائد القواد و اوراد غوثیہ

چار پیر اور چودہ خانوادے دیگر اکثر مشائخ کبار اس بات پر متفق ہیں کہ خرقہ خلافت سیدنا حضرت علی المرتضیٰ

کرم اللہ وجہہ سے چار اولوالعزم اصحاب کو پہنچا ہے۔ اول سیدنا امیر المومنین حضرت امام حسن علیہ السلام، دوم سید الشہداء امام حسین

علیہ السلام، سوم خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ، چہارم خواجہ کبیل بن زیاد رضی اللہ عنہ۔ اور یہی چار اول حضرات چار خلفاء طریقت

اور چار پر بیان کئے جاتے ہیں۔ حضرت سیدنا امام حسین علیہ السلام اور حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو بعد رحلت دو نوات شریف حضرت علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے فیض و ترقی خلافت سیدنا امیر المومنین حضرت حسن علیہ السلام سے بھی پہنچا ہے اور حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہ بسبب منظور نظر حضرت شیر خدا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ہونے کے مقتدا کے مشائخین ہوئے اور چودہ خانوادے آپ کے خلفاء حضرت عبدالواحد بن زید حضرت خواجہ حبیب عجمی رضی اللہ عنہما سے ہیں تفصیل جاری ہوئے کہ حضرت عبدالواحد بن زید سے پانچ خانوادے، زیدیہ، عیاضیہ، ادھمیہ، سیرہ، چشتیہ، جن پانچوں کو خانوادے زیدیہ بھی کہتے ہیں اور حضرت حبیب عجمی سے نو خانوادے۔ حبیبیہ، طیفوریہ، کرخیہ، سقطیہ، جنیدیہ، گارونیہ، طوسیہ، فردوسیہ، سہروردیہ جو خانوادے حبیبیہ بھی کہلاتے ہیں۔ مزید تفصیل پانچ خانوادوں زیدیہ کی اور جو ان سے شاخیں اور گروہ ظاہر ہوئے صاحب مسالک السالکین نے بول بیان فرمائی ہے۔

خانوادہ زیدیہ۔ خاص عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ سے، خانوادہ عیاضیہ حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ سے خانوادہ ادھمیہ حضرت ابراہیم ادھم رضی اللہ عنہ سے، خانوادہ سیرہ حضرت خواجہ امین الدین ہبیرۃ البصری رضی اللہ عنہ سے خانوادہ چشتیہ حضرت ابوالفتح شامی چشتی رضی اللہ عنہ سے جاری ہوئے ہیں۔ نیز خانوادہ ادھمیہ سے ایک گروہ خضریہ بھی حضرت احمد خضریہ سے جاری ہوا ہے۔ یہ حضرت احمد خضریہ خلیفہ حضرت حاتم الاعم کے تھے۔ اور وہ خلیفہ حضرت خواجہ شفیق بلخی کے اور وہ خلیفہ حضرت سلطان ابراہیم ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے تھے۔ خانوادہ چشتیہ سے مندرجہ ذیل بارہ شاخیں جاری ہوئیں۔ یعنی کرمانیہ حضرت شاہ عبداللہ کرمانی سے۔ کریمیہ۔ حضرت پیر کریم سیلونی سے۔ صابریہ حضرت مخدوم علاؤ الدین صابری سے۔ قلندریہ۔ حضرت شاہ شرف الدین بوعلی قلندر پانی پتی سے۔ نظامیہ۔ حضرت محبوب الکی سلطان المشائخ نظام الدین اولیا دہلوی سے۔ مخدومیہ۔ حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیا پانی پتی سے۔ حسامیہ۔ حضرت مخدوم حسام الدین ملک پوری سے۔ نظام شاہی۔ حضرت شیخ نظام الدین نارولی سے قلندر شاہی حضرت عزیز لگی سے۔ حبیبیہ۔ حضرت پیر حبیب شاہ سے۔ حمزہ شاہی۔ حضرت شیخ حمزہ شاہ سے۔ فخریہ۔ حضرت خواجہ فخر الدین فخر جہاں شاہ جہان آبادی سے ظہور پذیر ہوئیں۔

تصریح نو خانوادوں حبیبیہ کی اور ان سے جو گروہ نکلے بول تحریر فرماتے ہیں۔

خانوادہ حبیبیہ۔ خاص حضرت خواجہ حبیب عجمی سے۔ خانوادہ طیفوریہ۔ حضرت خواجہ طیفور بایزید بطنامی رحمۃ اللہ علیہ سے

خانوادہ کرخیہ - حضرت خواجہ اسد الدین معروف کرخی سے خانوادہ سقطیہ - حضرت خواجہ ابوالحسن متری سقطی سے خانوادہ
 حبیبیہ - حضرت سید الطائفہ ابوالقاسم عبید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے خانوادہ گزندونیہ - حضرت خواجہ ابوالحسن گزندونی رحمۃ
 اللہ علیہ سے خانوادہ طوسیہ - حضرت خواجہ ابوالفرح طوسی رحمۃ اللہ علیہ سے - یہ یاد رہے کہ اس خانوادہ میں حضرت
 محبوب سبحانی سیدنا غوث الاعظم محی الدین ابو محمد سید عبدالقادر پیران پیر جیلانی رضی اللہ عنہ بھی ہیں خانوادہ فردوسیہ - حضرت
 خواجہ نجم الدین کبریٰ فردوسی اور خانوادہ سہروردیہ - حضرت شیخ العالم شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ سے عبادی
 پھر خانوادہ طیفوریہ - سے حسب ذیل گروہ نکلے ہیں جن کو صاحب اور اولاد اولیاء نے بڑے وثوق سے یوں بیان
 فرمایا ہے - شطاریہ - حضرت خواجہ عبداللہ شطاری رحمۃ اللہ علیہ سے - طبقاً تہ - یاد رہے حضرت شمس العارفین
 قطب مدار شاہ بدیع الدین رحمۃ اللہ علیہ سے - ان کے آگے پانچ خلفاء تھے - خانوادہ سقطیہ سے ایک گروہ
 نورلیہ - حضرت خواجہ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا - خانوادہ حبیبیہ سے تین گروہ اول انصاریہ
 حضرت شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری سے - دوم رفعیہ - حضرت سید احمد کبیر رفعی سے - سوم بسوویہ -
 حضرت خواجہ احمد بسوی رحمۃ اللہ علیہ سے نکلے ہیں - اور اسی طرح خانوادہ گزندونیہ سے تین گروہ اول زاہدیہ حضرت
 خواجہ فخر الدین زاہد مرقندی سے - دوم اولیائی حضرت اولیاء سے - سوم چشتی ایک نامعلوم الاہم چشتی صاحب سے نکلے -
 خانوادہ طوسیہ سے حسب ذیل اکیس گروہ نکلے جن کو صاحب مسالک السالکین نے اس تفصیل سے بیان فرمایا
 ہے کہ :-

نادرلیہ - حضرت غوث الاعظم محی الدین سیدنا ابو محمد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے -
 زراقیہ - حضرت سید عبدالرزاق خلف الرشید حضرت پیران پیر محی الدین عبدالقادر جیلانی سے -
 بابیریہ - حضرت سید عبدالوہاب خلف الرشید حضرت غوث الاعظم عبدالقادر جیلانی سے -
 فیشتیہ - حضرت خواجہ قیش رحمۃ اللہ علیہ سے -
 بیان شیل - حضرت خلیل شامی سلیمان جہازگرک سے (جہازگرک ایک قلعہ کا نام ہے جہاں مقیم تھے)
 محمد شاہی - حضرت بزرگوار شاہ محمد حیات رحمۃ اللہ علیہ سے -
 غفور شاہی - حضرت شیخ عبدالغفور رحمۃ اللہ علیہ سے -

نعمت شاہی - حضرت شاہ نعمت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے۔

سید شاہی - حضرت سید محمود حضوری لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

بہلول شاہی - حضرت سلطان العارفین بہلول دریائی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

قمیصیہ - حضرت سید شاہ قمیص الدین ابی ایحیاء حبیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

میان خلیل - حضرت زبدۃ العارفین میاں میر بالا پیر لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

حسین شاہی - حضرت شاہ لعل حسین لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

ہاشم شاہی - حضرت میر علی ہاشم قادری چہار ضری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

مقیم شاہی - حضرت سید محمد مقیم محکم الدین ابن سید ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

نوشاہی - حضرت خواجہ فضیل نوشاہی قادری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

جباری - حضرت سید عبدالجبار شاہ رحمۃ اللہ علیہ سے۔

محمود شاہی - حضرت محمود بونٹے سے۔ اس گروہ کے درویش گلے میں ایک سوخ کی رتی باندھتے ہیں۔

سدو شاہی - حضرت شاہ سدو رحمۃ اللہ علیہ

خاکساریہ - حضرت شاہ خاکسار اہم پانی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

قائم شاہی - حضرت حاجی محمد قائم گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس گروہ کے درویش سر پہ سیاہ رومال رکھتے ہیں۔

خانوادہ فردوسیہ ایک گروہ نے دو نام پائے ہیں ایک حبیب شاہی اور دوسرا بدین شاہی۔ یہ گروہ حضرت شاہ بدین دیوان غلیفہ حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ فردوسی رحمۃ اللہ علیہ سے جاری ہوا ہے۔ حضرت شاہ بدین دیوان کچھ خلفائے شاہی ہیں۔ ان میں سے دس خلفاء یعنی میر سید مدرالدین، شاہ شمس الدین، سید شاہ بغدادی، بایزید خاں ابدالی، شاہ عشق اللہ، شاہ عبدالقادر، شاہ داؤد، شاہ درگاہی، سید جعفر مکی، سید داؤد میران رحمۃ اللہ علیہ سے صاحب سلسلہ گذرے ہیں اور ان کے تمام مرید اپنے اپنے شیخ کے ناموں سے مشہور ہیں۔ باقی تین خلفاء حضرت احمد مجذوب، چٹوڑ خاں مجذوب، سپاہی مجذوب بے سلسلہ ہوئے ہیں۔ خانوادہ سہروردیہ سے سترہ گروہ پیدا ہوئے۔ جن کی تشریح صاحب سلسلہ حضرات نے یوں بیان فرمائی ہے۔

نصوفیہ - حضرت قاضی حمید الدین صوفی ناگوری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

جلالیہ۔ حضرت سید جمال بخاری سے جس کے درویش ایک سیلی سر پر باندھتے ہیں اور ایک سینک ہرن کا بطور نشان اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اور حالت ذوق و شوق میں اس کو بجاتے ہیں اور ہر نبوت کا تمغہ ان کے بازو پر رہتا ہے۔

لعل شہبازیہ۔ حضرت لعل شہباز سیون شریف سندھ والوں سے۔

مخدومیہ۔ حضرت سید جمال الدین ملقب بہ مخدوم جہانیاں رحمۃ اللہ علیہ سے۔

کرم علی جہلی۔ حضرت شاہ کرم علی جہلی سے اس سلسلہ کے درویشوں کے پاس ایک کوڑا ہوتا ہے۔ جو بوقت غلبہ عشق دھدا اپنے آپ پر مار پڑتے ہیں۔

موسیٰ شاہی۔ حضرت شاہ محمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس گروہ کے درویش سدا سوہاگی کہلاتے ہیں۔ اور زمانہ لباس بھی پہنتے ہیں۔

رسول شاہی۔ حضرت سید شاہ رسول الہدی رحمۃ اللہ علیہ سے اس گروہ کے فقراء اپنے چہروں پر خاک لگاتے ہیں۔ اور رومال سر پر باندھتے ہیں اور رات کو سونا حرام سمجھتے ہیں۔

میران شاہی۔ حضرت شاہ میران موج ہری بندگی سے۔

عید روسیہ۔ حضرت سید عبداللہ لکی عید روسی سے۔

قائم شاہی۔ حضرت حاجی محمد قائم رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس سلسلہ کے درویش رقص و سرود میں زیادہ حصہ لیتے ہیں۔ بلکہ پاؤں میں گھنگرو باندھ کر مجالس فقراء میں ناچتے ہیں۔ جس کو پنجابی میں دھمال کہتے ہیں۔

رزاق شاہی۔ حضرت شاہ عبدالرزاق مخدومی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

دولہ شاہی۔ حضرت شاہ دولہ دریائی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس گروہ کے فقیر خاک سے ایک الف اپنی پیشانی پر کھینچتے ہیں۔ جس سے الف اللہ کے فقیر بھی کہلاتے ہیں۔

سید شاہی۔ حضرت سید سادات خان بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے۔

امعیل شاہی۔ حضرت شاہ امعیل رحمۃ اللہ علیہ سے۔

حبیب شاہی۔ حضرت شاہ حبیب طائی رحمۃ اللہ علیہ سے۔

مرضی شاہی۔ حضرت امجد بخاری سے۔ جنکو اند چرخ والابھی کہتے ہیں۔

نامتھ شاہی۔ اس سلسلہ کا بعض مقامات پر کوئی درویش ملتا ہے۔ مگر پوری کیفیت معلوم نہیں ہو سکی کہ یہ کن حضرات سے جاری ہوا ہے۔

خاندان نقشبندیہ

یہ خاندان حضرت محمد قاسم بن محمد بن حضرت امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جاری ہوا ہے اور اس سلسلہ کے تین گروہ ہیں :-
 نقشبندیہ حضرت خواجہ شمس الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ سے۔
 مجددیہ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ بدر الدین احمد فاروقی سرہندی رحمۃ اللہ علیہ سے۔
 ابوالعلائی۔ حضرت سید میر ابوالعلاء اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ سے۔ اس سلسلہ عالیہ کی مزید بحث دیگر کتب سلسلہ نقشبندیہ میں دیکھنی چاہئے۔



روایط مصائبین شیخ

کسی گذشتہ باب میں آداب شیخ اور فرائض مرید پر مفصل بحث ہو چکی ہے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ اس ضمن میں پیر بھائیوں کے باہمی تعلقات کا ذکر نہ کرنا کتاب میں ایک خامی کا موجب ہوگا۔ لہذا یہ چیز تری قابل وضاحت معلوم ہوتی ہے کہ ان حالات و تعلقات کا بھی ذکر کر دیا جائے جو ایک شیخ کے دو ارادتمندوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں یا ہونے چاہئیں۔

یہ ایک مسئلہ مستند ہے کہ انسان صحبت کے لحاظ سے بہت کچھ تاثرات قبول کرتا ہے جس میں سے بعض اس کی متحسب طبع پر مطابق اور بعض مخالف طور پر پذیر ہوتے ہیں۔ پھر مطابق تاثرات بھی اس کی طبیعت دو طریق پر قبول کرتی ہے۔ ایک یہ کہ وہ خواہ اس کے لئے طریقہ ناجائز ہی ہوں مگر اس کی نفسانیت انہیں پسند کرتی ہے دوسرے یہ کہ کوئی بات اس کی سمجھ میں مفید مطلب آئے یا نہ آئے، وہ محض یہ سمجھ کر کہ اس کے شیخ کی تعلیم کی ترجمانی ہو رہی ہے۔ اسے اعتقاداً قبول کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ میدان محض علم کا نہیں بلکہ اس میں جہاں تک عملی طور پر کسی چیز کو پایا جائے وہی قابل قبول ہونی چاہئے۔

ہم نے دیکھا ہے کہ بعض نے آنے والے ارادتمند پر اسے ارادتمندوں کی محض گفتگو ہی سے متاثر ہو کر کسی شیخ کی بیعت کا تہیہ کر لیتے ہیں۔ جو ایک نمایاں خامی کے مرادف ہے۔ کیونکہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ کسی شیخ کی مجلس میں جانے سے پہلے یا اس کے حلقہ ارادت میں داخل ہونے سے قبل ارادتمند کو کسی صحیح اور شرعی معیار کی حیثیت حاصل ہونی چاہئے۔ محض شنید پر عرفان الہی کی تلاش میں کسی شخص کی غلامی کا قلابہ گلے میں ڈالنا اور اس کی اطاعت کا اقرار کر لینا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہو سکتا۔ علوم شرعی حاصل کرنے کے لئے جب ہم ایک مستند عالم با عمل استاد اور نیک عقیدہ راہنما اور پاکباز انسان کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو علم طریقت کا حصول اور معرفت الہی کا دائرہ اس سے زیادہ عقیدت، پاکبازی اور حسن عمل کا مقتضی ہے۔

جہاں تک اس حقیقت کبریٰ کا تعلق ہے اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ صحیح شیخ اور سچے راہنما کی حیثیت ایک ہی بہترین عطر کی طرح ہے جو اپنی غویوں پر خود شاہد ہے۔ کوئی دوسری چیز اس پر گواہ ہو یا نہ ہو۔ ایک مشہور مقولہ ہے "پیراں نے پرند مرید ال می پرانند" جب کسی درویش کی درویشی اور شیخ کی مشیخت اس امر کی محتاج ہو جائے کہ وہ کسی دوسرے پر دھپکنڈے کے زیر اثر اپنی آواز کو ذریعہ معاش بناتے ہوئے دوسروں تک پہنچانے کی کوشش کرے۔ اور اس کا مقصد محض جلب منفعت اور دکا نداری ہو، تو وہ پیری و مشائخی نہیں۔ بلکہ ایک مجرمانہ فریب ہے جو اس راستے کے سراسر متنافی اور اہل اللہ کے صراطِ مستقیم کے قطعاً برخلاف ہے۔ ایسے بناوٹی اور دنیا دار مدعی اور ان کے کاسہ لیس شرعاً قابلِ لعن اور عند اللہ باخوذ ہونے کے مستحق ہیں ایسی دکھاوے کی درویشی اور نام نہاد طریقت کا نتیجہ یہ دیکھا جاتا ہے کہ سادہ لوح انسان ایسے لوگوں کے دایم تزویر میں پھنس کر تباہ حال ہو گئے ہیں اور وہ ایک غیر معین مدت تک اتباع کرنے کے باوجود بھی کسی منزل مقصود کو نہیں پاسکے۔ اور "ہنوز روزاں" کا مصداق بن کر کسی دوسرے راہنما کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔

پنجابی میں ایک مشہور مقولہ ہے۔ "پیر بکڑ وچن کر اور پانی پوچن کر" یعنی ہر طالب کو چاہئے کہ وہ میدان طریقت میں قدم رکھنے سے پہلے شیخ کے متعلق ان شرائط کو معلوم کرے جو سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں اسی کتاب میں کسی دوسری جگہ ذکر کی گئی ہیں۔ پھر جب وہ دیکھے کہ کوئی اللہ کا بندہ ان حقائق و خصائص کی موجودگی میں اسکی دستگیری کرنے کے لئے سامنے موجود ہے تو تلاش حق کے پیش نظر وہیں زانوئے ادب تہ کر دے۔ اس کے بعد اس کے سامنے تعلیم کی دوراں ہوں گی۔ ایک یہ کہ وہ اپنے پیر بھائیوں سے استفادہ حاصل کرے جو اس کی ابتدائی حیثیت کے عین مطابق ہو گا۔ دوسرا یہ کہ جو وہ صحبت شیخ سے پاسکے اور شیخ کی وہ تعلیم جو ایک مبتدی ہونے کی حیثیت سے اس کو ملے عملی طور پر اس کی شدت کے ساتھ متابعت کرنے کا اپنے آپ کو اہل بنائے۔

متابعت شیخ تو ایک لابدی چیز ہے۔ جس سے کسی حالت میں بھی وہ سر موخرات کرنے کا مجاز نہیں ہو گا۔ مگر پیر بھائیوں کے تمام تر تذکار اور ان کی صحبت میں رہ کر تمام اعمال کو اپنانا بعض اوقات ایک مبتدی کے لئے مفید ہونے کے بجائے مضر اثرات بھی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے اس کو یہ لازم ہو گا کہ پیر بھائیوں کے وہ ارشادات اور معاملات اپنانے کی کوشش کرے جو اس کی ابتدائی کوائف کے عین مطابق ہوں۔ ورنہ ہر پیر بھائی کے معاملات و دعالات اور مقامات کو دیکھ کر اگر پیروی کے لئے آمادہ ہو گا تو نہ وہ پھیلپوں کے اتباع کے قابل رہے گا اور نہ اگلوں کی مطابقت کر سکے گا۔ کیونکہ یہ ایک یقینی امر ہے

کسی شیخ کے تمام متبعین طریقت کسی ایک منزل پر ہی چلتے والے نہیں ہوتے۔ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہوں گے جو مبتدی ہوں گے اور بعض وہ جو انتہائی منازل پر چل رہے ہوں گے۔ فلہذا اس کے لئے اپنی حقیقت اور ابتدائی منزل کا احساس ایک نہایت ضروری شے ہوگی۔

مبتدی کا فرض ہے کہ سب سے پہلے آداب شیخ میں وہ بہ تیز حاصل کرے کہ مجھے اس مجلس میں گفتگو کرنے کیلئے اٹھنے بیٹھنے کیلئے اپنی حقیقت کو شیخ کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اور کسی آئندہ کی ضرورت کے لئے کیا سلیقہ اختیار کرنا چاہئے۔ اگر وہ خود اس بات کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اسے اپنے کسی منتہی پر بھائی سے مشورہ کر لینا نہایت موزوں رہتا ہے۔ کیونکہ وہ اس مجلس میں سب سے واقف کار اور سب سے زیادہ نفع اٹھانے والا ہوتا ہے۔ مبتدی اگر کسی پر بھائی کو شیخ سے آزادانہ طور پر گفتگو کرتے دیکھے۔ یا بعض حالات و معاملات میں بے باکانہ طور پر حد سے بڑھتا ہوا معلوم کرے تو خود اس بات میں اس پر بھائی کا نقش دل میں رکھنے کی کوشش نہ کرے۔ کیوں کہ ممکن ہے اس پر شیخ کی التفات و عنایت کا کوئی خاص سبب ہو۔ اور اگر یہ ایسا کرے گا تو نقصان اٹھا جائے گا۔

پر بھائیوں میں بعض ایسے افراد بھی موجود ہوتے ہیں جن کا ظاہر ان کے باطن سے بالکل الگ تھلگ ہوتا ہے جس کی بہت سی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ ان کی موافقت کرنے سے بھی پرہیز کرے۔ شیخ کے حلقہ ارادت میں بعض وہ پر بھائی بھی ہوتے ہیں جن کو اپنے دوسرے پر بھائیوں سے ان کے حالات و مقامات کے تذکار معلوم کرنے کا ذوق ہوتا ہے۔ اور وہ ہر پر بھائی سے ازراہ محبت یہ پتہ لگانے کی سعی کرتے رہتے ہیں کہ آنے والا نیا ارادت مند کچھ عرصے کے بعد حصول صحبت شیخ سے کیا کچھ حاصل کر سکا ہے۔ یا اس میں کیا تبدیلی واقع ہوئی ہے اور یہ ارشاد شیخ کے ماتحت صحیح جا رہا ہے یا اپنی نوا موزی سے کسی مغلطی میں گرفتار ہو گیا ہے۔ یہ امر ایک منتہی پر بھائی کے لئے نہایت موزوں اور مبارک ہے کہ وہ اپنے نو آمدہ پر بھائیوں کی وقتاً فوقتاً نگہداشت کرتا ہے یا کم از کم ان کی تعلیم ہی کی تحقیق اس کے مد نظر ہو۔ لیکن وہ افراد جو منتہی نہیں ہیں اور محض اسی ذوق میں اپنے آپ کو مبتلا رکھتے ہیں کہ وہ ہر نئے آنے والے دوست کے حالات سن کر اس کو شاباش دیں اور وہ ان کی تعریف میں رطب اللسان رہتے تو یہ ایک صلیح سافرِ نفس ہے جس سے مبتدی کو بعض اوقات نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے اور نام نہاد منتہی اس بنا پر نفس سے نجات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتا جو اس کے لئے ایک معنوی زہر سے کم نہیں۔ بزرگانِ دین

نے لکھا ہے کہ ہر منتہی درویش کا فرض ہے کہ وہ پس ماندہ راہروں کو ازراہ محبت نمودت منزل مقصود تک ساتھ ملانے کی اور منزل پر پہنچانے کی سعی کرے اور مبتدی کا یہ فرض ہے کہ وہ عدم موجودگی شیخ میں اس سے نفع اٹھانے کی سعی کو عمل میں لائے۔ اس طریق سے دونوں خوشنودی باری تعالیٰ کے ماتحت تلاش حق میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔ اگر مبتدی کو کسی پیر بھائی سے ایسی اعانت کی توقع نہ ہو تو اس کے لئے ایسی صحبت غیر سے تجرد و تنہائی بہتر ہے۔ جو اسے قریب نفس سے بچا دے گی۔ کیونکہ اس راہ کے راہروں کے لئے قال سے حال اور علم سے عمل بہتر ہوتا ہے۔

ایک شیخ کے سب ارادتمندوں کے لئے یہ بات نہایت مستحسن ہے کہ وہ مل کر ایک حلقے میں ذکر و فکر کرنے کے علاوہ بزرگان دین کے ان تذکار کو بھی پڑھیں اور سنیں جو اپنے سلسلہ سے تعلق رکھتے ہوں اور اس پر غور کریں کہ وہ لوگ اس راہ میں کیونکر کامیاب ہوئے ہیں۔ اور یہ چیز سب کے لئے شیخ کی موجودگی میں بطریق احسن اور عدم موجودگی میں بھی ایسی منید مطلب ہوتی ہے کہ بعض اوقات ان تذکار کی شنید بھی طالب کی تلاش کے انکشاف کا باعث بن جاتی ہے۔ اور وہ جتنا عرصہ اس حال و قال کی محفل میں بیٹھیں گے رب العزت کی رحمت سے بہرہ وافر پائیں گے۔ اگر کبھی ایسا اتفاق ہو کہ کسی کو مجلس اور صحبت میسر نہ آئے تو اس کے لئے بزرگان خاندان کا شجرہ اور ان کے کمالات کی حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے شیخ کی تعلیم پر شدت سے عمل پیرا ہونا بھی موجب سعادت ہوگا۔

فی زمانہ کچھ ایسے لوگ بھی پیدا ہو گئے ہیں جو طریقت کی پیچیدگیوں کو نہ سمجھتے ہوئے بعض اوقات کسی دنیوی مقصد کی ناکامی سے صحبت شیخ اور اوامر شیخ سے انحراف کر جاتے ہیں مگر کبھی کبھی الحاق کا دعوے بھی ان کی زبانوں سے ثابت ہوتا رہتا ہے۔ جس کی غرض محض یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے دوسرے ان پیر بھائیوں کو الٹی راہ پر ڈال سکیں۔ اور شیخ سے علیحدگی کا سبق دے سکیں جو موجودہ وقت تک شیخ کے دامن ارادت سے وابستہ ہیں۔ ایسے پیر بھائیوں کو ان کی حالت پر چھوڑتے ہوئے نہ تو ان سے انجمنہ چاہئے اور نہ ہی ان کی اس دوری کے لئے ان کو ملامت کرنی چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے انہیں مولا کریم بعض حالات کے ماتحت پھر کسی وقت ہدایت فرمائے اور وہ اپنی کمی کو محسوس کرتے ہوئے پھر دوبارہ شیخ میں آنے کی خیرات کر سکیں۔ ان کے ساتھ الجھنے سے بعض اوقات ان کے انحراف کی خلیج اور حائل ہو جاتی ہے اور بعض اوقات ان کی باتوں کو کان دھر کر سننے والا مبتدی بھی انہی کی طرح بہک جاتا ہے۔ ایسی لغو اور بیہودہ گفتگو شیخ کے متعلق سننا اور اس پر ایک ساعت کے لئے غور وپرداخت کو دل میں جبکہ دنیا ایک بڑی گمراہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

اس ضمن میں ایک چیز پر بھائیوں کے بعض وہ ذاتی تعلقات ہیں جو ان کی اپنی ضروریات و بود و باش اور طاقاتوں سے متعلق ہیں ایسے مواقع پر جب وہ ایک دوسرے سے ملیں تو ان کے لئے حسب مراتب ایک دوسرے کا احترام و اکرام لازم و واجب ہوتا ہے جب وہ کسی اپنے پر بھائی کی کسی ضرورت کو محسوس کریں کہ وہ اس میں ان کی اعانت سے بہرہ ور ہو سکتا ہے تو حتی الامکان اس کی مدد سے دریغ نہ کریں اور یہ سمجھیں کہ میں نے ایک پر بھائی کی اس لئے اعانت کی ہے کہ وہ عند الضرورت اس کا مستحق ہے اور مجھے اس نیکی سے عند اللہ مایوس ہونے کی توقع ہے نہ از روئے احسان اور ایثار کے جس سے کبھی معاوضہ مہمل کرنے کی بُو آئے یا کم از کم اس پر احسان تھا کہ اس کا دل دکھا یا جاسکے گویا پر بھائی کی مدد و تعظیم اور احترام و اکرام محض اللہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقش قدم پر ہونی چاہئے۔ اور یہ وہ فعل ہے جس سے جماعت کی تعمیر ہوتی ہے اور سلسلے کا شیرازہ مستحکم ہو جاتا ہے۔

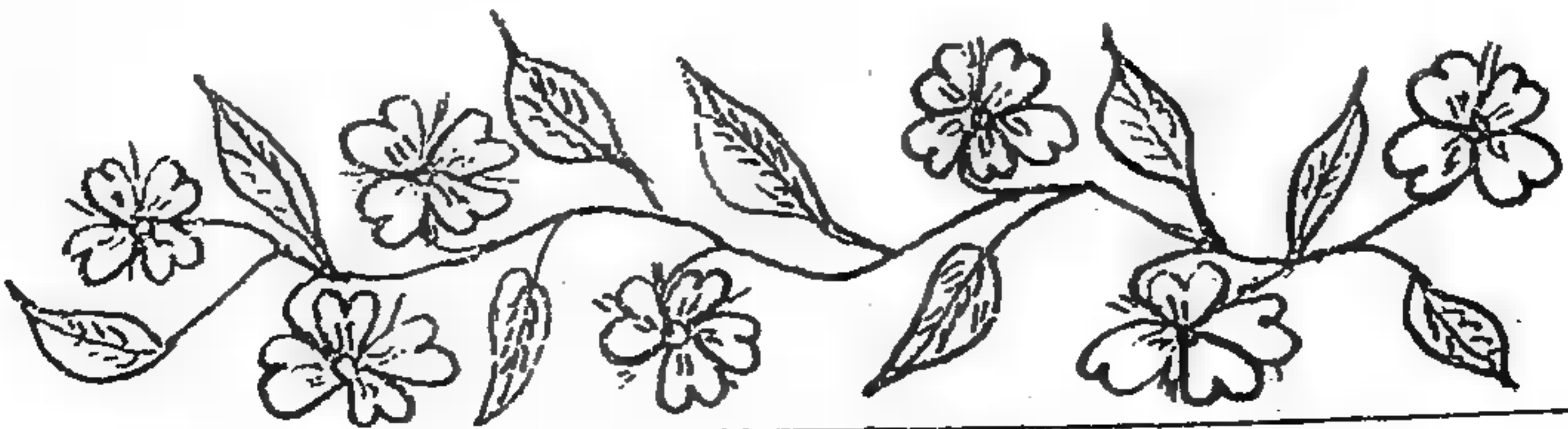
تمام پر بھائیوں کو اپنے آپ پر یہ لازم کر لینا چاہئے کہ وہ کسی دوسرے پر بھائی کی غیب جوئی نہ کریں اور نہ اسے شیخ کے سامنے بصورت شکوہ لائیں۔ بلکہ ملاطفت اور نرمی سے ہر وہ رنگ اختیار کریں جس سے اس کا وہ غیب ثواب سے بدل جائے۔ کیونکہ متدیول میں بعض خامیوں کا پایا جانا ایک یقینی امر ہے جو اصلاح طلب تو ہوتی ہیں مگر شکوہ ساز اور طعن طلب نہیں ہوتیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں غیبت کرنا بھائی کے خون چوسنے سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ہاں ہمہردانہ رنگ میں کسی پر بھائی کی سفارش جس میں ہجو و شکایت کا پہلو نہ پایا جائے دربار شیخ میں گزرانا ایک مستحسن فعل ہے مگر اس میں بھی محتاط رہنے کی اسی قدر ضرورت ہے جس قدر اس کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو سکے۔

پر بھائیوں کے لئے یہ امر بھی موجب پوہیز ہے کہ اگر وہ کسی پر بھائی پر شیخ کے انعام و اکرام کو زیادہ دیکھیں تو حسد کریں۔ ان کے لئے بہتر یہ عمل ہوتا ہے کہ وہ ان معاملات کو اپنانے کی کوشش کریں جو شیخ کے دربار میں ان کی ظاہری و باطنی عزت افزائی کا موجب ہوں۔ کسی مقبول کو ہٹا کر اس کی جگہ لینے کے بجائے یہ بہتر ہوتا ہے کہ ان اقوال و افعال کو اختیار کیا جائے جو شیخ کی قلبی راحت اور قبولیت خدمت کا موجب ہو سکتے ہیں۔ اس طرح ہر شخص بفضلہ تعالیٰ اپنی منزل مقصود کو پاسکتا ہے۔ اور کسی دوسرے کا نقصان بھی نہیں ہوتا۔ دو پر بھائیوں میں تنفر ایک وہ مذموم فعل ہے جو بعض اوقات دونوں کو انتہائی پستی میں ڈال دیتا ہے۔

پر بھائیوں کے لئے یہ امر بھی موجب احساس نہیں ہونا چاہئے کہ ان کے اسباق و وظائف جدا گانہ کیوں ہیں اور

پیچھے آنے والے اگلی صفت میں کیوں جگہ پا گئے ہیں۔ یہ چیز شیخ کی ذرہ نوازی اور عمل شناسی کی دلیل ہوتی ہے۔ جس کو وہ جس شے کا اہل سمجھتا ہے اس کے لئے ویسی ہی تلقین فرماتا ہے۔ بعض مبتدی وہ ہوتے ہیں جن کی استعداد فطری طور پر اگلی صفت میں جگہ پانے کی مقتضی ہوتی ہے۔ اور بعض پیشین آنے والے بنتی وہ ہوتے ہیں جن میں استعداد بھی شیخ کو خود ہی پیدا کرنی پڑتی ہے۔ لہذا ان نوازشات پر بیچ و تاب کھانا گویا شیخ کی حقیقت شناسی و کرم گستری پر معترض نہ ہونا ہے۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں ”سالک بے تجربہ و ذراہ و رسم منزلہا“ کا پتہ چلتا ہے۔

اسی باب صحبۃ الانخوان میں سیدنا قطب الاقطاب غوث الاعظم حضرت میراں محی الدین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فرمودات مزید توجیہ کے قابل ہیں جو آپ نے ”غنیۃ الطالبین“ میں ارشاد فرمایا کہ ایک شیخ کے ملنے والوں کو ان کے فی مابین تعلقات سے آگاہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ ہر ارادتمند اپنے پیر بھائی کے لئے ایثار و انصراف و گذر اور خدمت کا التزام رکھے کسی پیر بھائی پر اپنا حق نہ جملائے اور ہر ایک کا حق اپنے اوپر ملحوظ سمجھے۔ اس کے پیر بھائی جو کچھ کریں، یا کہیں ان کی موافقت کرے کسی پیر بھائی سے مخالفت نہ کرے۔ نفرت نہ رکھے۔ جھگڑا نہ کرے اور سخت گیری نہ کرے اور ان کے عیوب سے چشم پوشی کرے۔ اگر کوئی پیر بھائی کسی معاملہ میں اس کی مخالفت کرے تو بظاہر اس کے ادب کے لحاظ سے تسلیم کر لے۔ خواہ حقیقت امر اس کے خلاف ہی ہو۔ ہمیشہ اپنے پیر بھائیوں کے جذبات کا لحاظ کرے۔ اور ہر اس چیز سے احتراز کرے جو انہیں ناپسند ہو۔ کسی سے کسی قسم کا کینہ نہ رکھے اور اگر کسی پیر بھائی کے دل میں اس کے متعلق ناپسندیدگی پیدا ہو تو اس کے ساتھ خوش خلقی سے پیش آیا کرے۔ اور اس کے ساتھ نیکی اپنے اوپر لازم کر لے۔ تاکہ وہ ناپسندیدگی اس کے دل سے زائل ہو جائے۔ اور اگر اپنے دل میں کسی پیر بھائی کی طرف سے غیبت و فیروہ کے باعث کوئی اذیت محسوس کرے۔ تو اپنی طرف سے اسے ظاہر نہ ہونے دے بلکہ اپنا عمل اس کے خلاف ظاہر کر دے۔



اعمال و اشتغال

جس طرح کسی گزشتہ باب میں چند ظاہری اعمال کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو عادت میں داخل کر لیتے سے ایک متلاشی انسان ولایت عقائد کی راہ پا سکتے کے قابل ہو سکتا ہے۔ اسی طرح یہاں ان اشتغال و عقائد کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو انحال و اعمال اور ارد و وظائف اور مذکار و انکار میں اہل اللہ نے اختیار فرما کر مجاہدے کئے اور منصب ولایت اور مسند قربت پر نشمن ہوئے۔ جب تک متحسین اس طریق کار پر اپنے نفوس کو پابند نہ کر سکیں گے۔ تب تک قرب الہی و قرب محبوب الہی صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہیں گے ان میں سے چند وہ ہیں جو ظاہری طور پر کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کے ماتحت عادات و اخلاق میں شامل کر کے اپنی اصلاح کی جاتی ہے۔ اور چند وہ جو خفیہ طور پر اعمال قلبی سے تعلق رکھتے ہیں جن میں سب سے پہلے عقائد کا مسئلہ ہے۔ کیونکہ جب تک عقائد صحیح نہ ہوں ولایت و تقرب بارگاہ تو درکنار بندہ مومن بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک سچے اور پکے درویش کو چاہئے کہ اقرار لسانی اور تصدیق قلبی سے ہر اس ارشاد پر جو حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ بدیں صورت ایمان رکھے کہ حق سبحانہ تعالیٰ صانع عالم واجب الوجود ازل و ابدی ہے۔ ذات و صفات میں اس کی مثل نہ ہے نہ ممکن ہے۔ اور تمام کمالات ممکنات اس کی عظمت ذاتی کے ظل و پر تو ہیں۔ حیات، قدرت، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، جن سے وہ ازلاً متصف ہے اسکی صفات ذاتیہ اور باقی صفات فعلیہ، نفسیہ، سلبیہ، اضافیہ ہیں۔ وہ کائنات کو خلعت وجود بخشنے سے پہلے بھی ایسا ہی کامل تھا۔ جیسے بعد میں ہے۔ مریض کو شفا بخشنا، رزق کا عطا فرمانا، تکلیفوں کا دور کرنا۔ مستقل طور پر اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ لیکن یہ امر شرعاً ثابت ہے کہ مقربان بارگاہ خدا کی دعا و ہمت اور ذات مبارک مظهر فیضان ذات الہی ہے۔ صرف اسباب کو مد نظر رکھنا اور مسبب جل شانہ کی قدرت کاملہ کا نہ ماننا یا قدرت کاملہ کو بعض اسباب میں ہی منحصر و محدود خیال کرنا کفر ہے اور اسباب کا کلیتہً نفی کرنا سعادت دین و دنیا سے محروم رہنا ہے۔ اسباب ظاہری و باطنی (اولیا و مقربین) کو جلوہ گاہ صفات مان کر ان سے استفیض و مستفید ہونا بصیرت اور کمالیت ایمان کا نشان ہے۔ ذات حق بے نیاز ہے کسی کا اس پر حق نہیں مگر اپنے فضل سے جو وعدہ فرمائے ایفا فرماتا ہے۔ اسکی

صفت عدل و فضل کی چھ صورتیں ہیں ۱۔ وہ کسی پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرماتا۔ ۲۔ کسی کے اعمالِ حسنہ سے ذرہ بھر کمی نہیں فرماتا۔ ۳۔ کسی کو بغیر گناہ کے عذاب نہیں فرماتا۔ ۴۔ یہ اس کا فضل ہے کہ اپنے مسلمان بندوں پر مصیبت بھیجے اس میں بھی ان کے لئے اجر رکھتا ہے۔ ۵۔ کسی کو اطاعت یا معصیت پر مجبور نہیں فرماتا۔ ۶۔ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تمام اہلسنت والجماعت کا اجماع ہے کہ میں اہم کے معنی میں تنقیض شان الوہیت ہو اس کا ذات حق پر بولنا کلمہ کفر ہے۔ حضور سرورِ عالم فخرِ آدم و بنی آدم نورِ محمد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و مرسلین کے سردار اور سب سے افضل و خاتم الانبیاء ہیں یشاق توحید الہی و ربوبیت ذات حق جیسا کہ تمام بنی آدم سے لیا گیا ویسا ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و تعظیم کا تمام انبیاء سے مؤکد طور پر عہد لیا جانا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ اور آپ کی تعظیم ظاہری و باطنی سے ہر حالت میں منصف رہنا تمام اعمال و عبادات کی قبولیت کا اصل اصول اور آپ کے تمام کمالات ثابت النص کی تصدیق قلبی و اقرار لسانی اسلام و ایمان کا رکنِ اعظم ہے۔ جس کے بغیر کوئی بندہ کسی حالت میں بھی مومن یا مسلم نہیں ہو سکتا۔ آپ کی نبوت ایسی نامہ فحاشہ و مستفلسہ ہے کہ نہ تو آپ کے زمانہ میں اور نہ آپ کے بعد کوئی نبی قیامت تک ہو سکتا ہے۔ بلکہ حضور کی بعثت کے بعد اگر کوئی بندہ کسی باطل و کاذب مدعی نبوت سے اس کی نبوت کی دلیل بھی از روئے شک و شبہ نبوت محمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پوچھے گا تو اس پر کفر لازم آجائے گا۔ اور تمام انبیاء علیہم السلام بلحاظ بطون و تربیت روحانی تعین روحی جناب ختمی مآب خلفائے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں بھی ظاہر میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نبیاً بتا آپ کے فرمان سے اس عہدہ پر مختار ہوئے۔ ویسے ہی جمیع انبیاء کرام علیہم السلام باوجود خلعت نبوت آپ کی باطنی شریعت کے نافذ فرمانے والے تھے۔ آپ کی اطاعت و محبت و تکریم و تعظیم فرض ہے۔ اور اسکی ترک پر عذاب الیم کا وعید منصوص ہے۔ جو ممکنات و مخلوقات احاطہ ربوبیت الہیہ میں داخل ہیں۔ سب کی جانب حضور پر نور شریف یوم النشور صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں اور کوئی حصہ مخلوقات آپ کی دعوت رسالت و نجات سے خارج نہیں یہ بنا بر اولیت خلق و ختم نبوت و افضلیت مطلقہ و خلافت کبریٰ و اولیت فی الشفاعۃ و دخول جنت و اصلات فی کل فضل و وساطت فی کل نعمت وغیرہ ما صفات کثیرہ نامکن الاشتراک کے آپ کی نظیر محال و متمنع ہے۔ اور بنسبت علوم اولین و آخرین آپ کا علم اعلیٰ و اکمل ہے۔ جو ماکان و مایکون پر محیط ہو چکا ہے۔ چونکہ آپ کا مغیبات پر مطلع ہونا آیات و احادیث سے مجد تو اترا ثابت ہے۔ اس لئے اس کا منکر منکر قطعیات ہے۔ آپ قبل اظہار

نبوت و بعد اعلان نبوت جمیع صفات و کمالات سے معصوم اور تمام قبائح بشری سے مبرا ہیں۔ اور رب العزت جل و علا شانہ نے حضور سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک کو بے شمار معجزات غیر منحصر سے سرفراز فرمایا ہے۔ جن میں سب سے اعلیٰ و اقویٰ قرآن کریم ہے۔ جس کے مقابلہ سے تمام مخلوقات عاجز ہے۔ جمیع انبیاء و مرسلین و کتب سماوی و صحائف برحق ہیں اور سب کے سب قیام قیامت۔ موجودگی جنت و جہنم، عذاب قبر، حشر و نشر، اقسام طہارت، عبادات مانی و بدنی مانند نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، حلت نکاح، حرمت زنا پر متفق ہیں۔ قیام عدل و انصاف، قیام حدود و شرعیہ السدا و ظلم و ستم، سب کی پاکیزہ تعلیم میں داخل ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور ان کی کتابیں و شریعتیں ایک دوسرے کیلئے مصدق ہیں۔

فرشتے خداوند عالم جل مجدہ کی نوری مخلوق ہیں۔ جو ہر حال میں اس کے عبادت گزار اور تابع فرمان ہوتے ہیں ان سے نافرمانی نہیں ہوتی اور انکو جو حکم ہوتا ہے اس کی تعمیل پوری سرگرمی سے کرتے ہیں۔ احکام باری تعالیٰ کی تعمیل اور ترسیل میں خیانت نہیں کرتے۔ ان کی پاکیزگی پر ہمت رکھنا یا ان کی دیانت احکام الہی میں شبہ کرنا کفر ہے۔ کیونکہ وہ مامور ہونے کی حیثیت میں کسی طرح کی خطا نہیں کر سکتے۔

توبہ قرآن کریم نے اصلاح یافتہ ہونے کے لئے سب سے پہلی چیز جو بیان فرمائی ہے۔ وہ سچی توبہ ہے۔ جس کا تعلق انسانی زندگی کے تین ہی زمانوں، ماضی، حال اور مستقبل سے متعلق ہے۔ زمانہ ماضی سے اس طریق پر کہ اگر اس سے کوئی ایسی چیز منافع ہو چکی ہو جو قابل تلافی ہے تو فوراً اس کی تلافی کرے۔ زمانہ حال سے اس طرح کہ جو گناہ اس سے پیشتر سرزد ہو چکے ہیں ان کو قطعاً ترک کر دے۔ زمانہ مستقبل سے یوں کہ جن افعال کی وجہ سے محبوب کا حصول ناممکن ہو ان کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہہ کر ایسے وسائل اختیار کرے جن سے محبوب حقیقی کا وصال میسر آ جائے۔ پھر توبہ تین چیزوں سے مرکب ہے۔ اول علم، دوم حال اور سوم فعل۔ علم سے مراد یہ ہے کہ توبہ کرنے والا معاصی کی مضرت سے بخوبی واقف ہو اور پورے طور پر سمجھے کہ گناہوں کی تاریکی سے دل مردہ اور ضمیر فنا ہو جاتی ہے اور انسانیت کا شرف و امتیاز جاتا رہتا ہے اور گناہ بندے اور خدا کے نزدیک ایک حجاب اکبر بن جاتا ہے۔ پس جو شخص اپنے عیب و نگاہ سے واقف نہیں وہ گناہوں سے مجتنب کیسے رہ سکتا ہے اور ان سے بچنے کا تدارک کیا کر سکتا ہے۔ معلوم ہوا کہ عیوب و معاصی کا علم ضروری ہے۔ پھر جب اپنی غلط کاریوں کو سامنے رکھ کر گریہ و زاری کرے

اور ندامت پکڑے جو توبہ کا جزو ثانی ہے۔ توبہ حال ہے۔ جب اس حالت میں آدمی کا دل گناہ پر پریشان ہو کر بمقدار ہمت ہے اور اس پر ایک نئی حالت طاری ہو جاتی ہے کہ وہ جلد از جلد گناہوں کے چسکارے کا سرٹفیکٹ چاہتا ہے۔ اور بخشش کی ڈگری کا متمنی ہو کر آہ و بکا کو لازم پکڑ لیتا ہے تو اس حالت کا نام قصد ہے۔ اور یہی توبہ کا جزو اعظم ہے جس کے متعلق ایک ارشاد ہے کہ إِذَا أَرَادَ اللَّهُ لِعَبْدٍ خَيْرًا بَصَرَهُ بَعِيْبُهُ یعنی جب خداوند عالم جل شانہ کسی بندے سے بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو پہلے اس کو اپنے عیبوں اور کوتاہیوں پر واقف فرما دیتے ہیں۔ کیونکہ گناہوں کی شامت عبادت الہی سے محرومی۔ راہ سعادت سے دوری اور خداوند عالم سے علیحدگی کا موجب ہوتی ہے۔ پس جو کوئی گناہوں کی قضاوت و شامت میں مبتلا اور معصیت پر مصر ہو وہ خدمت کا مدعی نہیں ہو سکتا۔

لہذا گناہوں کی بُرائی کو دور کرنے اور آئندہ ان کا مرتکب نہ ہونے کا جو طریق سمجھایا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ گناہوں کی بُرائی کو یاد کرو۔ خدا تعالیٰ کے عذاب کی سختی کو نہ بھولو۔ اور اپنی کمزوریوں کو سامنے رکھو۔ کیونکہ توبہ کی تعریف یہی ہے۔ ان التوبة عبارة عن الندم على فعل القبيح یعنی توبہ کے معنی فعل قبیح پر اظہار پریشانی و پشیمانی کے ہیں۔ اور امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔ توبہ کی تعریف یوں ہے۔ التوبة عبارة عن الندم على ما مضى والعزم على الترت في المستقبل یعنی گزشتہ گناہوں اور نافرمانیوں پر نادم اور پشیمان ہونا اور آئندہ کے لئے گناہوں کے ترک کا نچتہ ارادہ کر کے اس پر عامل ہو جانا توبہ کہلاتا ہے۔

بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ توبہ کا مترجم اعمال دین پر مقدم ہے۔ اور اسی لئے سرکارِ دو جہان نبی آخر الزمان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ التائب من الذنب كمن لا ذنب له۔ یعنی توبہ کرنے والا آدمی جب توبہ کرتا ہے تو وہ ماضی (گزشتہ زمانہ) کے افعال پر نادم ہو کر حضور رب العزت میں معافی کی التجا کرتا ہے اور حال کے زمانہ میں اس پر قائم رہنے کا عہد باندھتا ہے اور آئندہ زمانے میں اس پر قائم رہتا ہے۔ تو ایسے صحیح اور سچے اقرار کے بعد وہ ایسا ہوتا ہے جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا گویا اس کے ذمہ گناہ تھے ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر طالب حق کو ہر مشرک کا مل معاہدہ اطاعت جسکو بیعت کہتے ہیں کرانے سے پہلے توبہ کراتا ہے۔ کیونکہ مجاہد کی ابتداء ہمیشہ توبہ سے ہوتی ہے اور توبہ کا یہ مفہوم عوام کے لئے ہے۔ مگر اہل اللہ نے توبہ کو مفہوم رہروان طریقت و حقیقت کے لئے ارشاد فرمایا ہے۔ وہ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کے مطلوبات و مرغوبات کو ایسا چھوڑ دے جیسے مرنے کے

وقت انقطاع ہوتا ہے۔ اس وقت مولا کریم اپنی قدیم عنایات و توجہات تائب پر منعطف فرما کر اس کے قلب کو ایسا صاف فرمادیتا ہے کہ تائب کے روح، قلب، عقل، سب اسی کے تابع فرمان ہو جاتے ہیں۔ اور راہ سلوک کی تمام گھٹائیاں ایک ایک سیدہ اعلیٰ آسمان ترین راستہ سے بھی زیادہ آسان ہو جاتی ہیں۔ راہ کے مصائب سترت سے بدل کر رحمت حق کے دروازے کھل جاتے ہیں اور آئینہ قلب شفاف ہو کر مبداء حسنات بن جاتا ہے۔ اور اس وقت تائب کے وجود میں ماسوائے امر الہی کے اور کچھ نہیں رہتا۔

فکر خود۔ توبہ کے بعد مبتدی کو سب سے پہلے یہ فکر کرنی چاہئے۔ کہ میں کون ہوں۔ اور یہ فکر چار طریق پر ہوگی :-
اول :- یہ کہ میں جسم ہوں۔ بقدر قدامت والا ہوں۔ کوتاہ و دراز ہوں۔ لاغر و فربہ ہوں۔ یعنی جسم کو اپنا نا اور اس کی صفات کو اپنی صفات ماننا۔ جیسے برت اپنی صورت موہوم کو اصلی گمان کرے۔ گویا یہ خاک کی تپل سمجھے کہ میں ہوں اور یہ خواص و خواص میرے ہیں یہ نادانی ہے۔ اور یہ فکر ناقصین کی ہے جو بہت بُری ہے۔

دوم۔ یہ کہ میں لطیف ہوں اور جسم سے جدا ہوں جیسے برت اپنے آپ کو پانی سمجھے، یہ فکر کاملین کی ہے۔ اور بہت اچھی ہے۔

سوم۔ یہ کہ میں ذات مطلق ہوں، کل میں موجود ہوں، جیسے برت اپنے آپ کو دریائے بکیراں سمجھے یہ فکر کاملین کی ہے اور بہت خوب ہے۔

چہارم۔ یہ کہ میں نہ وہ ہوں نہ یہ ہوں اور تصور سے آزاد و فکر سے پاک ہوں یہ قسم اعلیٰ ترین سبحان اللہ و بحمدہ ہے ان افکار کی تشریح کچھ کچھ آئندہ ابواب میں واضح ہو جائے گی۔ چونکہ اس فکر سے انسانی دماغ کا کھل جاتا، اس لیے فراخ ہونا اور باب مشاہدہ واپرنا مقصود ہے۔ اس لئے راہ معرفت میں اہل طریقت کے نزدیک فکر ایک بڑا قوی رکن ہے جو طالب حق کے لئے لا بدی اور اشد ضروری ہے۔ اہل طریقت فکر فی الآفاق کو اصطلاحاً فکر اور فکر فی الانفس کو مراقبہ کہتے ہیں۔ فکر سے آیات اللہ مشاہدہ ہوتی ہیں۔ اور مراقبہ سے انکشاف حقیقت ہوتا ہے۔

نہد۔ زہد کے معنی دنیا و مافیہا سے کچھ غرض نہ رکھنے اور اس کی رغبت سے اعراض کرنے کے ہیں۔ یعنی انسان جملہ ممنوعات سے اپنے آپ کو بچائے رکھے اور جن امور کی شریعت نے اجازت دی ہے انہیں اختیار کرے اور جن سے روکا ہے ان کو ترک کر دے۔ اس زہد و ورع کے تین درجے ہیں :-

۱۔ عام ۲۔ خاص ۳۔ خاص الخاص

۱۔ عام یہ ہے کہ انسان حرام اور شقیہ اشیاء سے پرہیز کرے۔

۲۔ خاص یہ ہے کہ جملہ نفسانی خواہشات و لذائذ سے بچا رہے۔

۳۔ خاص الخاص یہ ہے کہ ہر اس چیز سے جس کا وہ ارادہ کر سکتا ہے رکا رہے۔ پھر اس کی دو قسمیں اور بھی ہیں ظاہری

و باطنی۔ ظاہری یہ ہے کہ امر الہی کے بغیر اپنے قدموں کو حرکت نہ دے اور کوئی کام خلاف حکم ربانی نہ کرے۔

باطنی یہ ہے کہ قلب میں ماسوائے اللہ کے کسی کا گزرتہ ہو اور بندہ اس وقت تک زاہد نہیں کہلا سکتا جب تک اس میں

مندرجہ ذیل اور دس باتیں پیدائندہ ہوں۔

۱۔ زبان کو قابو میں رکھنا

۲۔ غیبت سے بچنا۔

۳۔ کسی کو حقیر جان کر اس کی ہنسی اڑانا

۴۔ سب نامحرموں پر نظر نہ ڈالنا

۵۔ راست بازی و صداقت اختیار کرنا

۶۔ اپنی دولت خدا کی راہ میں صرف کرنا۔

۷۔ احسانات الہی و انعامات ربانی کا اعتراف کرنا

۸۔ صوم و صلوٰۃ کا پابند رہنا

۹۔ کبر و غرور سے اپنا سینہ پاک رکھنا

۱۰۔ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مضبوط اور اجماع امت پر قائم رہنا۔

توکل۔ یہ سو فیاض اصطلاح کا ایک معروف اور غیر معمولی لفظ ہے۔ عام لوگ اس کے معنی یہ سمجھتے ہیں کہ کسی کام کے لئے مجد و جہد

اور کوشش نہ کی جائے اور چپ چاپ بیٹھ کر یہ سمجھ لیا جائے کہ خداوند تعالیٰ نے جو کرنا ہے خود بخود کر دے گا یا ہو کر رہے گا

اور ہماری تقدیر میں جو کچھ ہے وہ ہمیں مل جائے گا۔ اسباب اور تدبیر کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ عقیدہ سرسرو ہم اور

بے علم مذہبی اپاہجوں کا دل خوش کن مشغلہ ہے۔ جس کو اسلام کی فطری تعلیم سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

توکل جمیع انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے۔ اس کے لفظی معنی بھروسہ کرنے کے ہیں اور یہ اسلام کی نہایت اہم تعلیم ہے جس کے سمجھنے کی ضرورت تھی۔ مگر بھیک منگ مانگوں، راہبانیت کے عاملوں، مکار جوگیوں اور جاہل صوفیوں نے ترک عمل، اسباب و تدابیر سے لاپرواہی اور خود کوئی کام نہ کرنے اور دوسروں کے سہارے جینے کا نام توکل رکھ لیا ہے حالانکہ کسی کام کو پورے ارادہ و عزم اور تدبیر و کوشش سے انجام دینے اور یہ یقین رکھنے کہ اگر اس کام میں بھلائی ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں ضرور ہی مجھے کامیاب فرمائے گا۔ کا نام توکل ہے۔

مسئلہ توکل تعلیم اسلام کی ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ جسکو طمع کی مند اور حیا کی علامت کہنا چاہیے۔ اور اس میں اہل اسلام کی کامیابی کا راز ہے۔ چنانچہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے۔ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ إِنَّ يَنْصُرْكُمْ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَإِنْ يَخْذِلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرُكُمْ مِنْ بَعْدِهِ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ط یعنی کام میں ان سے مشورہ لو۔ پھر جب پکا ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ بیشک اللہ اپنی ذات پر بھروسہ رکھنے والوں کو پیار کرتا ہے اگر اللہ تمہارا مددگار ہو تو کوئی تم پر غالب نہ آسکے گا۔ اگر وہ تم کو چھوڑ دے تو پھر کون ہے۔ جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے۔ اور اللہ ہی پر چاہئے کہ ایمان والے توکل (بھروسہ) کریں۔

یہ ہے توکل کی تعلیم اور اس کا صحیح مفہوم۔ گویا لڑائی یا کوئی اور مشکل کام پیش آجائے تو سب سے پہلے اس کے متعلق لوگوں سے مشورہ لو۔ مشورے کے بعد جب ایک نقطہ پر رائے ٹھہر جائے تو اس کے انجام دینے کا ارادہ کر لو۔ پھر اس عزم کے بعد پوری استعدادی سے اس کو کرنا شروع کر دو اور خدا پر توکل اور بھروسہ رکھو کہ وہ تمہارے کام کا خاطر خواہ نتیجہ پیدا فرمائے گا۔ اور اگر ایسا نتیجہ نکلے جو اپنی خواہش و ضمیر کے خلاف ہو تو اس کو خدا کی حکمت و مصلحت اور مشیت سمجھو اور اس سے مایوس و ناامید نہ ہو۔

ان آیات نے توکل کی پوری اہمیت اور حقیقت ظاہر کر دی ہے کہ توکل بے دست و پائی اور ترک عمل کا نام نہیں۔ بلکہ پورے مشورے اور مستحکم عزم و ارادہ کے ساتھ کام کو انجام دینے اور اثر و نتیجہ کو خدا کے بھروسہ پر چھوڑ دینے کا نام ہے۔ اور یہ سمجھنے کا اگر خداوند عالم حل و علاشانہ تمہارا مددگار ہے تو کوئی ہم کو ناکام نہیں کر سکتا۔ اسلام کے شروع میں مین برس کی مخفی دعوت کے بعد حیب اسلام کی علانیہ دعوت کا حکم ہوتا ہے تو مخالفوں کی کثرت

اور دشمنوں کی قوت سے بے خوف ہونے کی تعلیم دی جاتی ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ ان مشکلات کی پردہ نہ کرتے ہوئے خدا پر توکل اور بھروسہ کر کے کام شروع کر دو۔ گویا اختیار کو چھوڑ کر خدا سے لو لگنا اور ظاہری اسباب کو بھول کر اس کی واحد ذات پر بھروسہ کر کے ہر غیر سے بے پروا ہو جانا توکل کہلاتا ہے۔ مگر آج توکل کے غلط مفہوم نے عام مسلمانوں کو دنیوی ترقی سے محروم کر دیا ہے اور اس برباد کن نظریے سے احساسات ہی مردہ ہو گئے ہیں۔ قی زمانہ سب سے زیادہ بزرگ وہ سمجھا جاتا ہے جو سب سے زیادہ تنگ و مضربک بے حس اور نشیلی اشیاء کا مارا ہوا ہو۔ حالانکہ مسلمان کو جہاں ایک مرد صالح، خیر، عابد، شب زندہ دار اور عارف حق ہونا ضروری فرمایا گیا تھا وہاں اس کو دنیوی ترقیات کا حامل ہونا بھی لازم قرار دے دیا گیا تھا۔

قناعت۔ اپنی تمام نفسانی خواہشات کو ترک کر دینے کے نتیجے کا نام ہے۔

عزالت۔ خلقت سے کنارہ کشی اور انقطاع بدیں غرض کرنا کہ ان کی دنیوی ناپاکی سے ملوث نہ ہوا اور تنہا بیٹھ کر ذکر الہی سے لو لگنا عزالت یا گوشہ نشینی کہلاتا ہے۔ مگر اسباب زندگی کا انقطاع یہاں بھی نہ ہوگا۔

توجہ۔ اللہ کے سوا کسی سے خوف و امید نہ رکھے اور ہر کام میں اسی کی جانب یکسو رہے۔

صبر۔ جس کی حقیقت پر عوام کی اس غلط فہمی نے تہ بہ تہ پردے ڈال رکھے ہیں اور عرف عام یا خیال خام میں ایک ایسی بے بسی و بے چارگی کا نام ہے جو لاعلاج ہو۔ صبر عوام کے نزدیک بے بسی و بے کسی کی ایک بھیانک تصویر ہے اور اپنے دشمن سے کسی مجبوری کے سبب بے انتقام نہ لے سکے کو صبر سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ صبر کی یہ تعریف ہر اس غلط ہے۔

صبر کے لغوی معنی روکنے اور سہارنے کے ہیں۔ یعنی اپنے نفس کو اضطراب اور گھبراہٹ سے روکنا اور اس کو اپنی جگہ پر ثابت قدم رکھنا۔ اور یہی صبر کا اصلی مفہوم بھی ہے۔ یعنی اس کے معنی بے اختیاری کی خاموشی اور انتقام نہ لے سکے کی مجبوری کا نام نہیں بلکہ پامردی، دل کی مضبوطی، اخلاقی برأت، ثبات قدم، ہمت کی بلندی، عزم کی استواری اور مشکلات و مصائب کو خدا کے بھروسہ پر خاطر میں نہ لانے کا نام ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے پانچ مفہوم و مقام لیکر لفظ صبر کو انہی معنوں میں بیان فرمایا ہے۔ پہلا مفہوم سورہ ہود میں ہے۔ فَاصْبِرْ إِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِينَ ط یعنی صبر کرو۔ بیشک آخر کار کامیابی پر پہنچا رہا ہی کی ہے۔

اس انتظار کی شکست کی حالت میں جب ایک طرف حق کی بے کسی دے چارگی پاؤں کو ڈنگا رہی ہو اور دوسری جانب ہل کی عارضی شورشیں اور ہنگامی غلبے دلوں کو کمزور کر رہے ہوں تو اس وقت حق پر قائم رہ کر اپنی کامیابی کی پوری توقع رکھنا صبر کہلائے گا۔

صبر کا دوسرا مفہوم سورۃ حج میں آتا ہے۔ وَالصَّابِرِينَ عَلَى مَا أَصَابَهُمْ۔ یعنی مصیبتوں اور مشکلوں میں اضطراب اور ہتیراری نہ ہو۔ بلکہ ان کو خدا کا حکم اور مصلحت سمجھ کر خندیدگی سے برداشت کیا جائے اور یقین رکھا جائے کہ جب وقت آئے گا تو اللہ کریم اپنی رحمت سے خود ان کو دور فرمائیں گے۔

تیسرا مفہوم صبر لوی ہے کہ یَا أَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَأَنْذِرْ لَكَ فَا صَبِرْ یعنی اے چادر پوش! اٹھ اور لوگوں کو ڈرا اور اپنے پروردگار کے لئے صبر (پامردی) کر۔ گویا منزل مقصود کی راہ میں جو خطرات پیش آئیں اور مخالفین طعن کریں ان کو خاطر میں نہ لایا جائے اور لپٹ بہتی کی بجائے مستقل مزاجی ہوئی چاہئے۔ ایسی حالت میں مضبوطی کے ساتھ مقابلے کا نام صبر ہوگا۔

چوتھے مفہوم کی صورت سورہ نحل میں یوں ارشاد ہوئی ہے۔ وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَا قْبُوا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهِ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِلصَّابِرِينَ۔ یعنی اگر تم سزا دو تو اسی قدر جس قدر تم کو دی گئی ہے اور البتہ اگر تم صبر کرو تو صبر کرنا بڑا نیکو کرنے والوں کی برائی کرنے والوں کی برائی کو نظر انداز کیا جائے اور بدخواہوں کی تکلیفوں کو برداشت کرنے کے معافی دی جائے اور تحمل میں پامردگی دکھائی جائے۔ یہ مصابرت ہے۔

پانچواں مفہوم صبر سورۃ بقرہ میں یوں بیان ہوا ہے۔ وَالصَّابِرِينَ بِالْبَاسَاءِ وَالضُّوَارِ وَحِينَ الْبَاسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۔ یعنی صبر کرنے والے ثابت قدمی دکھانے والے مصیبت میں اور پریشانی میں اور لڑائی کے وقت وہی سچ بولے اور وہی پرمیزگار ہیں۔ گویا جنگِ جدال اور لڑائی پیش آنے کی صورت میں میدانِ جنگ میں بہادرانہ استقامت اور نفع و ضرر سے بے نیازی صبر ہے۔

ان تمام مطالب و معانی سے یہ معلوم ہوا کہ صبر کی حقیقت اعلیٰ یہی ہے کہ نفس کے ساتھ اطاعت و عبادت الہی میں مجاہدہ کرے۔ مصیبت و بلا میں استقلال سے رہے۔ آدابِ شریعت کو ہاتھ سے نہ دے۔ بلکہ نہایت خاطر جمعی اور خندیدگی سے کتاب اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قائم رہے۔ اس کے علاوہ بزرگانِ دین نے

فرمایا ہے۔ کہ صبر کی تین قسمیں ہیں:-

۱۔ صبر باللہ ۲۔ صبر مع اللہ ۳۔ صبر علی اللہ
صبر باللہ - اس کے ادا کر کو بجالانے اور اس کے نواہی سے بچنے کو کہتے ہیں۔

صبر مع اللہ - قضائے الہی پر راضی اور ثابت قدم رہنے اور ذلہ بھی چون و چرا نہ کرنے کا نام ہے۔ فقر سے نہ گھبرائے اور خندیدگی سے اظہارِ غنا کرتا رہے۔

صبر علی اللہ یہ ہے کہ ہر امر میں ثابت قدم رہے اور بڑی سے بڑی مصیبت میں بھی ڈمگانے نہ پائے۔ کیونکہ اہل اللہ نے فرمایا ہے کہ دنیا سے آخرت کی جانب رجوع کرنا سہل ہے۔ مگر مجاز سے حقیقت کی طرف آنا مشکل اور خلعت کو چھوڑ کر حق سے محبت کرنا اور زیادہ مشکل ہے۔

رضا - یعنی اپنی مرضی کو چھوڑ کر اللہ کی رضا پر راضی رہے اور اس کے حکم کے آگے سرنگوں ہو۔ یعنی جس طرح اس کا خالق و مالک راضی ہو اسی طرح یہ بھی راضی رہے اور گلہ شکوہ نہ کرے۔

ذکر - یہ ایک بڑی نعمت ہے اور بڑی عظمت و شرف کی چیز ہے۔ جو انسان اس کی ترک پر جوأت کرتا ہے۔ خداوندِ عالم نے قرآن پاک میں اس کے لئے یہ وعید فرمائی ہے۔ **فَمَنْ أَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِي فَإِنَّ لَهُ مَعِيشَةً ضَنْكًا وَنَحْشًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ** اعمی۔ یعنی جس شخص نے ہمارے ذکر سے منہ موڑا اس کی معیشت تنگ کر دی جائے گی اور قیامت کے دن وہ اندھوں سے اٹھایا جائیگا۔ گویا یہ اس بلندی ایمان کی منزل ہے کہ جس پر مولا کریم کی نظر کرم ہو اسی کو حاصل ہوتی ہے۔ ذکرِ قلب اور اس کے بعد دیگر مقاماتِ جسمانی سے بھی کیا جاتا ہے۔ اور اس کی بسمل اللہ دیں ہوتی ہے کہ قلب میں جب نسبت منتقل ہوتی ہے تو ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ لیکن کبھی کبھی۔ مگر یہ حرکت بھی اس حرکت کا مقابلہ نہیں کر سکتی ہو نسبت منتقل ہونے کے بعد پیر کامل کی توجہ اور نگاہ سے پیدا ہوتی ہے۔

پھر یہاں حرکت سے مراد وہ حرکت نہیں جو دورانِ خون سے دل میں پیدا ہوتی ہے۔ جس کو دل کا دھڑکنا یا حرکت کرنا کہتے ہیں۔ یہ اور شے ہے وہ اور۔ یہ نور کی ایک شعاع ہوتی ہے جو قلب کو صاف کر کے اس کے اندر رکھ دی جاتی ہے۔

ہمارا مشاہدہ ہے کہ فی زمانہ ایسے لوگوں کے قلوب میں بھی کوئی ایسی حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ الا ماشاء اللہ جس

کو اوپر حرکت کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے بیس بیس سال تک صائم الدہرہ کر اور قائم اللیل ہو کر ایک عمر عبادت میں گزار دی ہے۔ یہ محض ایک فضل انہی ہی ہے۔ جسے چاہتا ہے ملتا ہے۔ سلسلہ عالیہ سہروردیہ میں لازمی امر ہے کہ ہر طالب و مرید کے قلب کو ذکر کر کے اس کے اندر حرکت پیدا کر دی جائے۔ گویا یہ اس سلسلہ عالیہ سہروردیہ کی اساس و بسیم اللہ ہے جو بہت بڑا عطیہ خداوندی اور رحمت ربوبی ہے۔ بزرگان دین نے لکھا ہے کہ جس کا قلب آخر وقت تک جاری رہ جائے اس کو تین اہم مفاد حاصل ہوتے ہیں:-

- ۱۔ موت کے بعد اس کی نعلش کو مٹی نہیں کھاتی اور قیامت تک جوں کی توں رہتی ہے۔
- ۲۔ اس وقت تک اس کا دم نہیں نکلتا جب تک اس کا شیخ اس کے پاس آ کر اور سامنے ہو کر اس کا وہ مقام اس کی آنکھوں کے سامنے نہیں کر دیتا جہاں جنت میں وہ انتقال کے بعد قیام کرنے والا ہے۔
- ۳۔ اس کو ولایت صغرا کا درجہ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور کیوں نہ ہو یہ کچھ کم سعادت نہیں کہ انسان سوئے جاگئے، اٹھتے، بیٹھتے ہر حالت میں اللہ کی یاد کا ثواب حاصل کرے اور اس کا قلب ہر وقت ذکر الہی میں مشغول رہے۔

فی زمانہ لوگ ان ذکر جلیل سے بے پرواہ ہیں اور اس کی حقیقت و اہمیت کو بالکل نہیں سمجھتے اور ادوا اعمال کے چکر میں پڑے رہتے ہیں۔ کوئی لاکھ بار اغراض دنیا کے لئے آیت کریمہ پڑھ رہا ہے اور کوئی سورۃ اخلاص کیسی نے سورۃ منزل شروع کر رکھی ہے تو کوئی بسم اللہ شریف کا چپہ کاٹ رہا ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ سب کچھ ثواب اور فائدے سے خالی ہے۔ ہرگز نہیں۔ ان کا ثواب ہوتا ہے اور ان سے فائدہ ضرور پہنچتا ہے۔ مگر کجا ذکر زبانی اور کجا ذکر قلبی۔ یہ بعد المشرقین ہے۔ شاہ عبدالرؤف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر لسانی بمنزلہ الف و بارہ ہے۔ ذکر قلبی کے مقابلے میں اس کی حقیقت ایسی ہے کہ کوئی شخص با دام کے پھلکے پر قناعت کر لے اور مغز کو چھوڑ دے ایک عام آدمی بھی یہ سمجھ سکتا ہے کہ تمام اذکار و اشغال اللہ کریم جل مجدہ کا ذکر و اسم شریف زبان پر لانے سے مراد یہ ہے تاکہ بندہ اپنے مولا کی یاد سے غافل نہ رہے۔ مگر ذکر کے زبانی ذکر و وظائف کی یہ حالت ہے کہ زیادہ سے زیادہ چار گھنٹے پڑھنے کے بعد جب آنکھیں بند کرتا ہے تو فوراً غافل ہو جاتا ہے۔ لیکن ذکر قلبی کو یہ نوعیت اور برتری حاصل ہے کہ انسانی زندگی کا ہر لمحہ اور ہر ثانیہ عبادت میں گزرتا ہے اور وہ کسی شغل میں ہو مصروف عبادت

ہے اور یادِ الہی کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جاتا ہے۔ اسی کو اہل اللہ ”دست بکار دل پیار“ کے پاکیزہ الفاظ سے ذکر فرماتے ہیں۔ لوگ جتنی محنت عام وظائف میں کرتے ہیں۔ اگر اتنی ہی ذکرِ قلبی میں کریں تو ان کی حالتیں کیا سے کیا ہو جائیں اور وہ اندیشہ معاصی و معائب سے بچکر ایسے غور و فکر والے ہو جائیں کہ مہادا کوئی لغزش ہو اور یہ دولت تقدیر چھین جائے۔ کیونکہ گناہ میں ملوث ہونے سے انسان اس ثمرت و مجد سے محروم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ مَثَلُ الَّذِي يُدْكِرُ رَبَّهُ وَالَّذِي لَا يُدْكِرُ مَثَلُ الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ ط یعنی ذاکر حق اور غافل ذکر الہی کی مثال فی الحقیقت زندہ اور مردہ کی سی ہے۔ اگر وہ توجہ کرتے رہیں اور غفلت سے کام نہ لیں تو ان کے مقامات بھی بلند ہوتے چلے جائیں اور تجلیات ربانی اور انوارِ الہیہ کا نزول شروع ہو جائے۔ اور ان کو اس ذکر و عبادت میں وہ لذت و سرشاری حاصل ہو کہ اس کے سامنے تمام نفسانی لذتیں بیچ ثابت ہوں۔

اس کے بعد ذکرِ روح کا درجہ ہے۔ گویا ذکر کے تین مدارج ہیں۔ ذکرِ لسانی۔ ذکرِ قلبی اور ذکرِ روحی۔

ذکرِ لسانی وہ ذکر ہے جو عام مسلمان زبان سے کرتے ہیں اور ورد و وظائف میں مصروف رہتے ہیں۔

ذکرِ قلبی وہ ہے جس کا اوپر اشارہ کیا گیا ہے جو خواص کا حصہ ہے۔

اور ذکرِ روحی جو خواص انخاص کا حصہ ہے۔ جن کو عارفین کا ملین کہا جاتا ہے اور یہ سعادت انہی کو نصیب ہوتی ہے اور وہ حضرات ایک سینکڑ کے لئے بھی اللہ کی یاد سے الگ نہیں ہوتے۔ پھر ذکرِ لسانی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ذکرِ ہزار و ذکرِ خفی۔ ذکرِ ہزار کی حسب قاعدہ و عمل بزرگانِ دین چار قسمیں ہیں۔ یک ضربی، دو ضربی، سہ ضربی و چار ضربی۔

ایک ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر مودب دو زانو بیٹھ جائے اور سانس کو ناف کے نیچے سے بلند کرے اور لفظ اللہ کو شد و مد اور ہر کے ساتھ ناف سے اٹھا کر قلب پر چلائے۔ پھر اتنی ہی دیر بٹھ جائے کہ سانس بھی ٹھہر جائے اور اسی طرح بار بار ذکر کرے۔

دو ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذاکر دو زانو بیٹھ کر سانس کو بکسر اور سابق ناف کے نیچے روکے اور بسم اللہ کو بلند آواز اور سختی و قوت کے ساتھ اٹھا کر ایک ضرب زانوئے راست پر اور دوسری ضرب قلب پر لگائے۔

سہ ضربی کا قاعدہ یہ ہے کہ ذاکر چار زانو بیٹھے اور ایک بار دائیں زانو پر اور ایک بار بائیں زانو پر اور تیسری بار قلب پر ضرب لگائے۔ یہ تیسری ضرب سخت اور بلند تر ہونی چاہئے۔

چہار ضربی کا طریقہ یہ ہے کہ ذکر چار زانو بیٹھے۔ پھر تین تین ضربیں سے ضربی کی طرح لگاتے اور پوٹھی ضرب بڑی شدت سے اپنے روبرو زمین پر مارے۔ یہ ذکر اسم ذات کا ذکر کہلاتا ہے۔ اسی طرح کلمہ طیبہ و بسم اللہ شریف کا ذکر بھی بعض حضرات قادر یہ نے ارقام فرمایا ہے۔

ذکر خفی۔ اذکار بھر کے بعد اذکار خفی کی تلقین کی جاتی ہے۔ مگر اس شرط پر کہ ذکر جلی کا اثر ذکر پڑھا ہوا چکا ہو۔ اثر کا یہ مطلب ہے کہ قلب میں تحریک ذوق و شوق ہو اور خدائے واحد کے نام سے دل میں اطمینان اور تسکین حاصل ہو کر وسوسہ و خطرات دور ہو جائیں اور حق تعالیٰ کو جمیع ماسوا پر مقدم رکھے۔ تجربہ کار درویشوں اور مجاہد صوفیائے کرام نے لکھا ہے۔ کہ اگر تین چار مہینہ تک روزانہ چار گھنٹہ ازاد مرتبہ ایسے ہی ذکر کیا جائے تو مذکورہ اثر ضرور پیدا ہو جاتا ہے۔

اذکار خفیہ میں سے سب سے پہلے اسم ذات کا ذکر ہے جس کا طریق یہ ہے کہ پہلے دونوں آنکھوں کو اور دونوں لبوں کو بند کر کے دل کی زبان سے ”اللہ سمیع“ کہہ کر نواف سے سینے تک پڑھائے۔ پھر تصویر میں ”اللہ بصیر“ کہہ کر سینے سے دماغ تک پہنچے اور پھر وہاں سے ”اللہ علیم“ کہہ کر عرش تک پہنچے۔ پھر یہ الفاظ خیال کرتا ہوا درجہ بدرجہ اترے اور اسی طرح بار بار کرے۔

ذکر نفی اثبات۔ جب ذکر اسم ذات کی مشق میں کمال کر لیتا ہے تو پھر اس کے بعد بعض مشائخ حضرات نے ذکر نفی اثبات کی تلقین فرمائی ہے۔ جس کا ایک طریقہ یہ ہے کہ ذکر قبہ رخ اس طرح بیٹھے جیسے نماز میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آنکھیں بند کر کے اور سانس روک کر لفظ ”لا“ کو نواف سے اٹھا کر داہنے کندھے پر سے نیچا کر پس پشت ڈال دے۔ اور وہاں سے لفظ اللہ کو دماغ تک پہنچا کر خود دائیں طرف مخاطب ہو جائے اور خیال کرے کہ میں نے تمام عالم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ اور سب کچھ فانی ہو گیا ہے۔ یہاں تک کہ فوق و مین بھی طے ہو گیا ہے۔ پھر ”الا اللہ“ کو داہنی طرف سے بائیں طرف قلب پر لے جا کر شد و مد ضرب کرے کہ یسا (بایاں) بھی طے ہو جائے۔ اور خیال کرے کہ سوائے اللہ کے تمام جہان فنا ہو گیا ہے۔ اور صرف اللہ کی محبت قلب میں ہے اور کچھ نہیں اسی طرح جس قدر زیادہ کرتا جائے گا انوار معرفت کے قریب ہو گا۔ اس سے یہ سمجھ آگئی ہو گی کہ ذکر نفی اثبات سے مراد لا الہ الا اللہ کا ذکر کرنا ہے۔ اب یہاں لا الہ الا اللہ کے مختصر طور پر معنی بھی سمجھ لیجئے۔ تاکہ ذکر میں کچھ اور لطف پیدا ہو جائے۔ مصنف کتاب اُمیۃ خود شتاسی فرماتے ہیں کہ کلمہ لا الہ الا اللہ میں لا الہ

ماسوا کی نفی اِلَّا اللّٰهُ ذات کا اثبات یعنی غیر اللّٰہ سے دل کو خالی اور یاد حق سے معمور کرنا اور عالم کو مثل لا کے دیکھنا اور سمجھنا کہ صورت میں موجود اور معنی میں نہیں۔ جیسے لا کی شکل کا ظہور بے الف کے محال ہے۔ اسی طرح عالم (جہاں) کی نمود بے ہستی ذات کے ناممکن ہے۔ کیونکہ جو کچھ نظر آ رہا ہے اور عقل و خیال میں سمارا ہے واقعی ذات یکتا کے صفات و افعال سے ہے۔ ورنہ وہ بذات خود بیچ و لاشے ہے۔ گویا یوں سمجھنا چاہئے کہ اِلَّا اللّٰہ سے موجود حقیقی یعنی ذات یکتا جو عالم الوہیت ہے مراد ہے اور لا اللّٰہ سے اس کی ایجاد کی ہوئی اشیاء جو عالم عبودیت ہے مراد ہیں اور یہ نیست ہست نما ہے اور دراصل فانی و معدوم ہے۔ کیونکہ ذات یکتا ہی نے ہر تعین میں متعین ہو کر یہ مختلف نام پائے ہیں۔ مگر اس اختلاف و کثرت سے ذات کی یکتائی میں کچھ فرق نہیں آتا۔ پس جب ذات یکتا قیود و تعینات سے پاک و مجرد ہوتی ہے تو اس کو حق کہتے ہیں۔ اور جب قیود و تعینات کے لباس میں معلوم ہوتی ہے تو اس کو عالم یا مخلوق بولتے ہیں۔ یہاں سے معلوم ہوا کہ عالم کیا ہے؟ ظاہر حق۔ اور حق کیا ہے؟ باطن عالم اور عالم قبل ظہور کیا تھا؟ عین حق اور حق بعد ظہور کیا ہے؟ عین عالم۔ غرضیکہ وہی ایک ذات ہے جس کے یہ نام ہوئے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔ وہی ظاہر، وہی باطن، وہی اول، وہی آخر۔ باقی سب نسبتیں اور اعتبارات ہیں جن کے سمجھنے اور مغالطے میں اکثر حضرات ہمہ اوست اور ہمہ ازوست کی بھول بھلیوں میں الجھ جاتے ہیں (حقیقت یہی ہے جو اوپر ذکر ہو چکی ہے۔ لیکن جو کوئی فرق مراتب نہ کرے وہ درویشی سے شناسا نہیں۔ پس معنی لا الہ الا اللّٰہ کے یہ ہوئے کہ سوائے ذات حق کے کچھ نہیں اور ماسوا یعنی ایجاد شدہ اشیاء سب فانی و ہالک ہیں۔ اس کی نفیس ترین مثال یوں سمجھئے کہ آپ ایک ایسے کمرے کے وسط میں کرسی پر بیٹھے ہیں جس کی چاروں دیواروں میں آئینے لگے ہوئے ہیں۔ پس آپ دیکھیں گے کہ آپ کی ذات کا عکس ہر ایک آئینے میں موجود ہے۔ لیکن ذات کسی میں بھی نہیں۔ ذات ذات ہے اور ایجاد، ایجاد۔ ذات کے ایجاد میں منعکس ہونے سے ایجاد کا ذات بن جانا لازم نہیں آتا۔ شعر

گر ترا چشم است بکشا درنگر بعد لا آخر چہ می ماند دگر

تانا خوانی لا و الا اللّٰہ را در نیابی منہج ایں راہ را

پس جس نے فقال لِمَا یُرِیدَ پر خیال جمایا اور یاد جو کثرت کے اشیاء کو ذات واحد سے جانا

اور سمجھا اس نے منزل قرب میں قدم رکھا اور جس نے حُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ کا یقین کیا اور چشم بصیرت و دیدہ
 حال سے ذات واحد کے سوا کچھ نہ دیکھا اس نے زمرہ صدیقین میں دم مارا۔ حضرت علاؤالدولہ بمنانی رحمۃ اللہ
 علیہ فرماتے ہیں کہ میں اپنے خوش وقت میں کتاب فتوحات کا حاشیہ لکھ رہا تھا اور جب میں اس تسلیج تک پہنچا کہ انہوں نے کہا
 ہے سُبْحَانَ مَنْ اَظْهَرَ الْاَشْيَاءَ وَهُوَ عَيْنُهَا یعنی پاک ہے وہ ذات کہ جس نے اشیاء کو پیدا فرمایا اور وہ ان کا
 عین ہے تو اس پر میں نے یہ حاشیہ لکھا۔ کہ اللہ تعالیٰ جیسا سے شرماتا نہیں۔ اے شیخ اگر تو کسی سے سنے کہ وہ یوں کہتا
 ہے۔ کہ شیخ کا فضلہ عین وہود شیخ ہے تو البتہ اس سے درگزر نہ کرنا اور اس پر ناراض ہونا۔ کیونکہ عقل مند کو ایسا ہدیان خداوند
 جل و علا کی طرف نسوب کرنا جائز و لائق نہیں اور یہی وہ مغالطہ ہے جو ہمہ دستنیوں کو لگتا ہے۔ اس مسئلہ میں صوفیوں کے
 دو گروہ ہیں۔ ایک وحدت الشہود کا قائل ہے اور دوسرا وحدت الوجود کا معتقد۔ وحدت الشہود والوں کے نزدیک یہ
 مسئلہ اس طرح ہے جیسے آدمی کا سایہ۔ اگرچہ وہ بظاہر ایک دیگر اور جدا شے نظر آتا ہے۔ مگر درحقیقت اس کا کوئی وجود نہیں
 جو کچھ ہے آدمی ہی ہے۔ پس یہی حقیقت اس مسئلہ کی ہے۔ کہ اصل میں ذات باری ہی موجود ہے۔ باقی ممکنات اسی کی صفات
 کا ظہور ہیں۔ گو صفات ذات سے جدا اور غیر نہیں۔ لیکن عین ذات بھی نہیں۔ روشنی اور دھوپ آفتاب کی صفت تو حقیقتاً
 ہو سکتی ہے۔ مگر آفتاب نہیں ہو سکتی وغیرہ وغیرہ۔ اور وحدت الوجود والوں کا مذہب یہ ہے کہ سوا خدا کے کچھ بھی نہیں اور
 یہ جو کچھ نظر آتا ہے حقیقت میں سب خدا ہی کا وجود ہے۔ گویا ان کے نزدیک صفات عین ذات ہے اور یہ جو کثرت
 صفات نظر آتی ہے یہ کثرت نہیں بلکہ وحدت ہے جو شان کثرت دکھلا رہی ہے۔ یہ تمام جہان اسی سٹی مطلق کی مختلف
 شکلیں اور صورتیں ہیں۔ پس اس بنا پر صرف ایک ہی ذات واحد موجود ہے۔ اس کے سوا دوسری کوئی شے نہیں وغیرہ
 وغیرہ۔ جس پر انہوں نے بہت سے دلائل بھی لکھے ہیں اور بہت سی تاویلات سے کام لے کر مخلوق کو خالقیت مملوک کو
 مالکیت اور عبد کو معبودیت کا درجہ بخشنے کی کوشش کی ہے۔ مثلاً آدم اس اعتبار سے کہ عالم کو راہ خدا کی تربیت
 کرتا ہے اور مرتبہ خلافت رکھتا ہے۔ منظر جامع جمیع اسماء و صفات الہی اور ذات ہوتی کا آئینہ ہے خود ہی رب
 ہے۔ اور اس لحاظ سے کہ مخلوق میں داخل اور صفت عبدیت رکھتا ہے۔ بندہ ہے پھر لکھا کہ انسان اگر اپنے آپ
 کو پہچانے تو یہ وہی ہے جس کی تلاش میں ہے۔ خود درد ہے اور خود ہی دوا۔ خود ہی بیمار ہے اور خود ہی طبیب۔ شعر
 تو آں جمعی کہ عین وحدت آمد تو آں واحد کہ عین کثرت آمد

جہاں تک دلائل عقلیہ کا تعلق ہے۔ کسی مضمون کو نبہانے کے لئے تمثیلات و استدلال کا علمی ذخیرو بہت مل سکتا ہے مگر غور طلب بات صرف یہ ہے کہ جس دعوے پر وہ دلائل پیش کئے جا رہے ہیں اس میں مدلول نہ کا حقیقتاً کس قدر ہوتے ہیں۔ اور کیا اس دعویٰ کا مدعی واقعی مستحق ہے یا اس کو کسی عطائی کمال اور وہی جمال کی وجہ سے یہ بولی بولنے کا معاملہ ہو رہا ہے۔ کہ میں وہی ہوں جسکو ڈھونڈ رہا ہوں۔ اگر غور کیا جائے تو مدعی کے یہی الفاظ اس کو معنوی لحاظ سے حلول کی سرحد پر لے جا کر کھڑا کر دیتے ہیں۔ نہ یہ عقیدہ ہوتا نہ اپنی خدائی کے اڑنگے میں ٹانگ اڑاتے۔ جو چیز بعید از فہم اور تاویلات و قیاس کی اس حد تک محتاج ہو کہ بغیر مرے اور جبر کئے کے سمجھ میں نہ آ سکے اس کو آپ سے باہر ہو کر اپنا نام ایک لا حاصل سعی ہے۔ حلول و اتحاد ہمیشہ دو چیزوں میں ہوتا ہے اور شریعت میں دو معبود جانتا اور طریقت میں دو معبود سمجھنا شرک ہے۔

الغرض منہج کی کہانی یا اس جیسے حضرات کا مدعی انا الحق ہونا اس سے تاثرات قبول کرنے والوں کے نزدیک خود ہی اس کے دعوے کی تردید اور ایک بے بنیاد مقولہ نظر آتا ہے۔ اگر ہمہ اوستیوں کے نزدیک بندہ ہی خدا ہے تو منہج اس آواز کے نکالنے سے قبل کیا تھا۔ معلوم ہوا کہ اپنی حیثیت سے بڑھکر بولنا اور دوسری ذات کا دعویٰ کرنا فانی اور غیر فانی دو ہستیوں کے امتیاز کو خود ہی ثابت کر جاتا ہے۔

ہماری اس بحث سے یہ غرض ہرگز نہیں کہ ہم اس تحریر سے کسی خاص مسلک کی تبلیغ یا تردید کریں۔ ہاں ہم ذات باری تعالیٰ کے متعلق جس کے سمجھنے پر تمام مذاہب کے اختلافات کا انحصار ہے مسئلہ وحدت و ہود پر صوفیانہ نقطہ نظر سے ذرا وضاحت کرتے ہیں اور ہمارے مخاطبین طبقہ انام کے صرف وہ متعدد تعلیم یافتہ حضرات ہوں گے جن کو ایزد متعال نے فلسفیانہ دماغ اور صوفیانہ قلب و دلچیت فرما رکھا ہے۔

فلسفہ شریعت اسلام مسئلہ وحدت و ہود کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم میں اس کے متعلق جو اشارات پائے جاتے ہیں ان کی بنا پر اہل شریعت و فقہ اور اہل طریقت و تصوف میں عجیب پُر لطف اختلافات نظر آتے ہیں۔ سالکان طریقت کا ایک بڑا گروہ بالاتفاق مسئلہ وحدت و ہود پر راسخ العقیدہ ہے مگر شارحان اسلام اس گروہ کی ہمنوائی کرنے سے پرہیز کرتے ہیں گویا اسلامی شریعت و طریقت کا خاص خدائے واحد کی ہستی کے متعلق جو مذہبی عقائد کا پہلا ذنیہ ہے اتنا زبردست تبائن و تضاد عوام کے لئے باعث تشویش رہا ہے جسکی حد نہیں۔ مگر اس اختلاف کا راز ذرا اگر مطالعہ کے بعد منکشف

ہو جاتا ہے یعنی خدا کی ہستی کا خیال انسان کے دماغ میں صدیوں مختلف طریقوں سے آتا ہے۔ کبھی ہر وہ چیز جو اس کے دل میں
 حیرت و استعجاب کا ولولہ پیدا کرتی ہے۔ اس کے نزدیک خدا کہلاتی ہے۔ جیسے زمانہ قدیم کا تصور قرآن کریم نے ان
 الفاظ میں فرمایا ہے۔ فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسُ بَازِغَةً قَالَ هَذَا رَبِّيَ هَذَا أَكْبَرُ یعنی انسان نے سورج کو جو اپنی
 عالمگیر دنیا، و منفعت کے لحاظ سے ایک نہایت تعجب خیز چیز تھی اپنا خدا تسلیم کرنا شروع کیا۔ اس کے بعد ہر بڑے
 سے بڑا پہاڑ اور ہر بلند سے بلند درخت، ہر بڑا دریا اور سمندر، بادل اور بجلی، مختلف حیوانات و انسان اور دیگر ڈسنے والے
 جانور بے شمار صورتوں میں خدا کی ہستی کا وجود دین کر انسان کے دماغ پر مسلط رہے۔ پھر جب دنیا مادی تخیلات سے آگے
 بڑھی تو ایک نہایت لطیف و غیر محسوس بلکہ مافوق الادراک حیثیت سے خدا کا وجود تسلیم کیا گیا۔ چنانچہ اس کے بعد ہزاروں
 انسانوں نے ازل وابد کا راز سمجھنے اور حقیقت الحقائق تک پہنچنے میں بے شمار ذہنی خاک کے بنائے۔ مگر

ماذایں پردہ نہال بود و نہال خواہد ماند

فلسفہ تصوف کے مطابق دنیا میں صرف ایک ہستی کا وجود ہے اور سوائے اس ہستی کے کسی دوسری چیز کا وجود ناممکن
 ہے۔ صرف ایک وہی واجب الوجود ہستی جو خدا جل شانہ کے اسم سے موسوم کی جاتی ہے۔ تمام موجودات عالم میں اپنا
 جلوہ مختلف مظاہر و صورتیں اور اپنا اثر بے شمار محسوسات و مدرکات میں ظاہر فرماتی ہے۔ تمام عالم میں صرف اسی کا وجود
 ہے اور اس کی کوئی خاص جگہ معین نہیں اور نہ کسی وقت اور زمانہ سے اس کو وابستہ کیا جاسکتا ہے۔ وہ واجب الوجود
 ذات خود انسان کی حالت میں اپنی مختلف حالتوں کا مشاہدہ فرماتی ہے اور خود ہی اپنی نسبت بے تعداد خیالات کی
 صورت میں تبدیل و متغیر ہوتی ہے۔ غرضیکہ اسی قسم کے عقائد جن کا اصل اصول صرف ایک ہی ہستی کا وجود تسلیم کرنا ہے
 فلسفہ تصوف کی روح رداں ہیں۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی بڑی مزیدار حقیقت بیان فرمائی ہے کہ ہمہ اوستیوں کی عبادات کا حاصل
 نفی وحدت اور اثبات کثرت ہے۔ جو مذہب محققان صوفیاء کے منافی ہے۔ کیونکہ وحدت الوجود کا حاصل یہ ہے
 کہ وجود مطلق یعنی حق تعالیٰ اجل شانہ وجود ممکنات یعنی مخلوقات میں منحصر ہے اور مطلق کا مراتب تخیلات میں کوئی وجود
 نہیں اور اس کا بطلان اظہر من الشمس ہے۔ کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے وجود اور تمام کمالات میں ممکن
 یعنی مخلوق کا محتاج ہو۔ بلکہ اس کے ضمن میں نفی واجب تعالیٰ بھی نکلتی ہے اور یہ کفر صریح ہے۔ پس تحقیق وجود واجب تعالیٰ

کو مخلوقات کے وجود سے جدا سمجھنا اور شمار کرنا چاہئے۔

فلسفیان عالم تمام عمر اسی جستجو میں سرگرداں رہے کہ خدا کی ذات کے متعلق کوئی تسلی بخش تحقیق کر سکیں۔ مگر وہ سوائے پریشان خیالی اور دماغ سوزی کے کسی نتیجہ اور قطعی فیصلہ پر نہ پہنچ سکے۔ لیکن فلسفہ تصوف میں اس تحقیق کے لئے دوسری راہ اختیار کر لی جاتی ہے کہ اپنی ذات کے متعلق تحقیق کرنا دراصل خدا کی تحقیق کرنا ہے جسکو مَنْ عَرَفَتْ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَتْ رَبَّهُ کے الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جو اس تعبیر کی صحت میں کوئی شبہ باقی نہیں رکھتا درحقیقت اپنے نفس کی شناخت خدا کے واحد کی شناخت ہے اور اپنی حالت کی پہچان ہی عرفان الہی ہے۔ گویا نفس انسانی ذات باری تعالیٰ کا ایک پر تو ہونے کی وجہ سے اس کی حقیقت کے انکشاف کا ذریعہ ہے۔ چونکہ بعض متقدمین حضرات نے اس مسئلہ میں ہذا ذور دیا ہے اور اسی کو رازداری کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اس لئے فقیر اس کی لمبی چوڑی بحث سے تو احتراز کرتا ہے۔ مگر اس عقیدے کے متاخرین حضرات سے مندرجہ ذیل امور میں فتویٰ چاہتا ہے۔ تاکہ مسئلہ معلومہ کی حقیقت اور واضح ہو جائے۔ اگر کوئی صاحب جو کسی ولی اللہ سے نسبت ارادت و بیعت رکھتے ہوں ان امور میں فتویٰ عطا فرمانے کی تکلیف فرمائیں گے تو فقیر ممنون ہو گا۔ یہ التجا محض بطور افہام تفہیم ہے معترضانہ نہیں ہے۔

- ۱۔ کیا خداوند عالم جل و علا شانہ اور خدائی (مخلوق) ایک ہی شے ہے یا جدا جدا۔ اور اگر ایک نہیں تو خدائی کو خدا ہونے کا دعویٰ کہاں تک جائز ہو سکتا ہے۔ اور اگر ایک ہیں تو کیونکر؟
- ۲۔ کیا باقی اور فانی مداومت میں برابر ہو سکتے ہیں۔ اگر ہو سکتے ہیں تو کس طرح؟
- ۳۔ مزود و فرعون کے دعویٰ خدائی میں اور ایک تصوف کے پردے میں مدعی ہونے والے کے دعویٰ خدائی میں کیا فرق ہے؟ اور کیا فریق ثانی فریق اول کی طرح از روئے تعلیم قرآن و حدیث مجرم نہیں؟
- ۴۔ اگر بقول ہمہ اوستیوں کے انسان ہی خدا ہے تو اس کو تلاش کس کی ہے۔ عبادت کس کی کرتا ہے۔ اور مجاہدوں کے چکر میں کیوں پڑتا ہے اور جب مرتا ہے تو عتال کے ماتھ میں لکڑی کے تختے پر کیا ہوتا ہے پھر کیا اس کے مہرود کے لئے بھی یہ مقام ممکن ہے؟

یاد رکھنا چاہئے کہ ذات حق کے تین مراتب ہیں۔ ۱۔ احدیت ۲۔ وحدت ۳۔ وحدیت

احدیت۔ یہ ذات رب العزت کے بے مثل و بے چون ہونے کا وہ مرتبہ ہے جس کی نسبت کُنْتُ کُنْزاً مُخْفِیاً
 کا ارشاد موجود ہے۔ یعنی اللہ وحدہ لا شریک کی ذات موجودات کے ظہور سے پہلے ایک گنج مخفی اور چھپا
 ہوا خزانہ تھی۔ جس کو مطلق بے چون اور بے نام و نشان بھی بیان کیا جاتا ہے۔ اور اصطلاح صوفیہ میں
 احدیت، ہویت، غیب، ذات بحت، احدیت ذاتیہ، احدیت مطلقہ، چشمہ کافور
 لا تعین، ذات بے اسماء و صفات وغیرہ بھی اسی مرتبہ کے نام ہیں۔ اور ہُو بھی اسی کو کہتے
 ہیں۔ جس کی تشریح صاحب تفسیر مرتضوی نے تفسیر سورۃ اخلاص میں یوں کی ہے۔ شعر
 ہو ہے سب اسموں میں اک اہم خدا
 فوق ہے اللہ سے کس کا مرتبہ
 ہستی مطلق کا کیا کیجے بیاں
 لامکاں سے ہے پے وہ بے نشان
 چشمہ کافور کہتے ہیں اسے
 وال صفا توں میں رسائی ہے کسے

وال نہیں دم مارنے کی بات ہے

بے صفات و اسم تنہا ذات ہے

گویا یہ وہ بلند مرتبہ ذات ہے۔ جہاں تک کسی کے علم و ادراک اور خیال و فکر کی رسائی نہیں اور لَا یُحِیطُونَ
 بِہِ عِلْمًا اسی مقام کے لئے اشارہ ہے۔ یعنی از روئے علم کے اس کو احاطہ نہیں کر سکتے۔ اور اسی مقام
 بلند کا تذکرہ حدیث شریف میں یوں فرمایا گیا ہے۔ وَ كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ اور اللہ
 ہی تھا اس کے ساتھ کوئی شے نہ تھی۔

وحدت۔ یہ وہ مقام ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں ہے نَسْأَلُ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِمَاذَا
 خَلَقْتَ الْخَلْقَ قَالَ كُنْتُ كُنْزاً مُخْفِیاً فَاجَبَبْتُ اَنْ اُعْرِفُ فَخَلَقْتُ الْخَلْقَ۔ یعنی داؤد
 علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت جل و علا شانہ میں سوال کیا۔ کہ اے پروردگار تو نے خلقت کو کیوں
 پیدا فرمایا۔ حکم ہوا کہ میں پردہ تنزیہ میں ایک خزانہ پوشیدہ تھا۔ پھر مجھے شوق ہوا کہ میں بچا نا جاؤں اور
 اس عالم امکان میں اپنے آپ کو ظاہر کر دوں۔ تو میں نے خلقت کو پیدا فرمایا۔ سو ذات کے ظہور کی حقیقت
 اسی طرح پر ہے کہ جب اس ذات کو اپنے آپ کے ظہور کا شوق ہوا اور اس نے چاہا کہ اپنے آپ کو

ظاہر فرما دے تو مرتبہ احدیت سے مقام محمدی میں تنزل فرمایا۔ یعنی نور محمدی پیدا کیا۔ جیسا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی نُورِیَّ۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے میرا نور پیدا فرمایا اور اسی لئے بیان کیا جاتا ہے کہ کمالات و مقامات محمدی پر تو اُس نور ذات کے ہیں۔

میں یہ ماننا چاہئے کہ چونکہ اس وجود مطلق نے باعتبار تعین و تنزل کے شان نور محمدی کے ساتھ ظہور فرمایا تھا اس لئے اس مرتبہ کو حقیقت محمدی بھی کہتے ہیں اور اگر اس تعین و تنزل کا خیال نہ کریں کیونکہ ابھی ظاہر ہی نہیں ہوا تھا۔ اور ذات کے علم و ارادہ میں ہی تھا تو پھر اس کا نام احدیت ہی ہوگا اور اگر اس کو تعین و تنزل خیال کریں تو اس مرتبہ کا نام وحدت ہوگا۔ اسکی ادنیٰ سی مثال دیوں سمجھئے کہ ایک کاریگر ہے جس میں مختلف اشیاء بنانے کی قدرت ہے اور جو چاہے بنا سکتا ہے۔ مگر ابھی اس کو کوئی خواہش و ارادہ کاریگری کے ظہور کا نہیں ہوا۔ یہ مقام گنج غفی یعنی کُنْتُ کَنْزًا خَفِيًّا کہ ہے۔ جس کو مرتبہ احدیت کہا جاتا ہے۔

پھر جو اس میں یہ خیال و شوق پیدا ہوا کہ مجھ میں قدرت اور صنعت کا جو ہر موجود ہے۔ میں اس کو ظاہر کروں تو اس ارادہ کا نام مرتبہ وحدت، عظیم اجمال اور حقیقت محمدی ہوگا۔ گو اس شوق و ارادہ میں تمام اسامی و صفتیں مخلوق کی موجود ہو گئی ہیں۔ مگر ابھی یہ تفصیل نہیں ہوئی کہ فلاں چیز فلاں شکل پر ہوگی۔ بعد ازیں جب سب صورتیں متعین ہو چکیں مگر ابھی تک بتایا کچھ بھی نہیں گیا۔ تو یہ مرتبہ تفصیل کا ہے جس کو وحدت، اخیان ثابۃ اور صور علمبیہ کہا جائیگا۔

پھر جب اس نے اپنے اس علم کے مطابق جو خیال و ارادہ میں لایا تھا۔ ویسی ہی علیحدہ علیحدہ شکلیں بنا کر اشیاء کی صورتوں میں اپنی کاریگری کو ظاہر فرمادیا تو یہ مرتبہ عالم اجسام یا اخیان حار جہ کہلائے گا۔ جب ذات حق کے ان تینوں مرتبوں کا علم ہو چکا تو اب ظہور ذات کے پانچ تنزلات کو بھی معلوم کرنا چاہئے جن کو پانچ تعین اور حضرات خمسہ بھی کہتے ہیں اور ساتواں مرتبہ انسان کامل کا ہے۔ اس صورت میں انسان دائرہ نزول کا آخر اور دائرہ عروج کا اول بنے گا۔ جس کی تفصیل اس نقشہ سے ظاہر ہوگی :-

دائرہ نزولی

دائرہ عروجی

انسان کامل	x		تعیین اول	احدیث
عالم اجسام	x		تعیین دوم	وحدت
عالم مثال	x		تعیین سوم	وحدیت
عالم ارواح	x		تعیین چہارم	عالم ارواح
وحدیت	x		تعیین پنجم	عالم مثال
وحدت	x			عالم اجسام
احدیث	x			انسان کامل

پس ان پانچ منزلات و تعینات سے دو کی نسبت یعنی وحدت اور وحدیت کی اللہ تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔ اور تین کی نسبت یعنی عالم ارواح، عالم مثال، عالم اجسام کی خلقت کی طرف ہے جس پر ذات کا ظہور یوں ہوا کہ عالم ارواح سے عالم مثال میں زیادہ اور عالم مثال سے عالم اجسام میں اور زیادہ ہوا جس کی مختصر سی تشریح پہلے گند چکی ہے۔

ذکر پاسبان الفاس | صوفیائے کرام و فقراء عظام میں یہ بھی ذکر کا ایک مشہور طریق ہے جس کو پاسبان الفاس کہتے ہیں۔ یعنی ذکر بیدار اور ہوشیار ہے۔ جب دم بخود چلے اور باہر نکلتے تو اس کے باہر ہونے کے ساتھ ذکر لا الہ الا اللہ کا تصور کر کے خیال کرے کہ میں نے حمید ماسوائے اللہ کو جسم سے باہر نکال دیا ہے اور بذریعہ لا نفی کرتا ہوں۔ پھر جب سانس خود بخود بغیر ارادے کے اندر جائے تو فقط لا الہ الا اللہ کہتا ہوا قلب پر پہنچے تو خیال کرے کہ اللہ کے سوا تمام اشیاء فنا ہو گئیں اور فقط اللہ کا نقش دل پر قائم رہ گیا ہے۔ اس ذکر کے کرنے سے ذاکر ان الوار د اسرار کو پالیتا ہے جو کسی دوسرے طریق سے اتنی جلدی ممکن نہیں ہو سکتے اور اکثر اہل اللہ اسی پر کار بند رہے ہیں۔

تواضع | یعنی جس انسان کو ملے اس کو اپنے سے بہتر اور افضل جاننے اور سمجھنے کہ شاید یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے بہتر اور مرتبہ میں بلند ہوگا۔ اگر اپنے سے عمر میں چھوٹا ہو تو اس کو گناہ سے محفوظ جان کر یہ کہے کہ یہ اللہ تعالیٰ

کی نافرمانی نہ کرنے میں مجھ سے اچھا ہے۔ اور اگر اپنے سے بڑا ہو تو یہ کہے یہ مجھ سے پہلے کا عبادت الہی میں مصروف ہے۔ جب اس خصلت میں پختہ ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمام آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔ اس کو دین کی خیر خواہی کرنے کے مرتبہ پر پہنچاتا۔ اور اس کو ہمدردی کی توفیق رفیع فرمادیتا ہے۔ اور وہ اس کے مقبول و برگزیدہ بندوں اور دوستوں سے ہو جاتا ہے۔ بعض بزرگان دین نے فرمایا ہے کہ تواضع رحمت کا دروازہ ہے۔ اس کے ذریعہ عجب و تکبر کی زنجیریں ٹوٹ جاتی ہیں۔ یہی عبادت کا مغز، زاہدوں کا شرف و مجد اور عابدوں کی نشانی ہے، قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے۔ **وَعِبَادُ الرَّحْمَنِ الَّذِينَ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا** یعنی خدا کے بندے وہ ہیں جو زمین پر تواضع کرتے ہوئے چلتے ہیں۔ اور جب جاہل ان سے مخاطب ہوں تو انہیں سلام کا قول فرماتے ہیں۔

حسن خلق حسن خلق یہ ہے کہ درویش پچھلے خلق کا اثر نہ ہو۔ بالخصوص جبکہ درویش حق سے بھر دار ہو گیا ہو اور عیوب پر نظر کر کے اپنے نفس کو اور جو کچھ نفس سے سرزد ہوا ہو دلیل جانے اور جو کچھ خدا تعالیٰ نے خلق کے دلوں کو ایمان اور اپنے احکام و دیعت فرمائے ہیں ان پر نظر کر کے ان کی اور جو کچھ ان سے اس کے حق میں صادر ہو عزت کرے۔ کیونکہ یہی حسن خلق ہی ایک انسانی جوہر ہے اور اسی سے ہی لوگوں کو پرکھا جاتا ہے۔

حیا حیا یہ ہے کہ خداوند تعالیٰ کے حق میں وہ بات نہ کہی جائے جو اس کی شان کے شایاں نہ ہو اور تمام گناہوں و محارم الہیہ کو حیا کی وجہ سے چھوڑ کر علیحدہ ہو جانا چاہئے۔ نہ کہ خوف کے سبب سے۔ بندہ خلوص قلب سے عبادت الہی کرے اور یہ ایمان رکھے کہ خداوند عالم اس کی ہر بات سے مطلع ہے۔ اسی لئے اس سے شرماتا ہے۔ پھر جب قلب اور ہیبت کے درمیان سے حجاب اٹھ جاتا ہے تو حیا پیدا ہوتی ہے۔

شکر شکر یہ ہے کہ نہایت عاجزی اور انکساری سے نعمت کا اقرار و اعتراف اودادائے شکر کی عاجزی کو مد نظر رکھتے ہوئے اور منت و احسان کا مشاہدہ کرتے ہوئے اسکی عزت و حرمت باقی رکھی جائے۔ شکر کے اقسام میں سے ایک شکر لسانی ہے کہ زبان سے نعمت کا اعتراف کرے۔ شکر بالارکان یہ ہے کہ خدمت و وقار سے موصوف رہے۔ شکر بالقلب یہ ہے کہ بساط شہود پر متعطف ہو کر حرمت و عزت کا نگہبان رہے۔ پھر اس مشاہدہ کے بعد نعمت کو دیکھ کر دیدار منعم کی جانب ترقی کرے۔ بزرگان طریقت و عارفان حقیقت نے ارشاد فرمایا ہے

کہ شکر وہ ہے جو موجود پر شکر گزاری کرے اور شکر وہ ہے جو مفقود پر شکر گزار ہو۔

توحید مقام حضرت القدس کے اشارات، برصاف و اخفاء، ترمیم و ترمیم کا نام ہے اور قلب کے منتہی افکار سے گزرتا ہے۔
توحید جانے اعلیٰ درجات وصال میں پہنچنے اور اقدام تجرید سے تقرب خدا میں جانے کو کہتے ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ دل کا خالی کرنا اور اس کا غیر حق بھانہ کی واقفیت سے مجرور ہو جانا اور اللہ تعالیٰ پر اعتقاد و وحدانیت کلمہ لا الہ الا اللہ کے ساتھ توحید کہلاتا ہے۔ اس کی چار قسمیں ہیں:-

- ۱۔ توحید اسمائی۔ یعنی جمیع اسماء جملہ موجودات کو اسماء الہی جانے
 - ۲۔ توحید افعالی۔ یعنی جمیع افعال جملہ موجودات کو اللہ کی طرف منسوب کرے۔
 - ۳۔ توحید صفاتی۔ یعنی جملہ صفات موجودات کو صفات خدا سمجھے۔
 - ۴۔ توحید ذاتی۔ اس سے یہ مراد ہے کہ جملہ موجودات میں ذات واحد کے سوائے کچھ نظر نہ آئے۔
- حضرت غریب نواز سند الشائخین علی بحوری المعروف بہ داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ لاہوری فرماتے ہیں کہ توحید کی حقیقت کسی شے کی یگانگی پر حکم کرنا ہے اور اس کی یگانگی پر علم کی صحت۔ پھر فرمایا کہ توحید تین طرح پر ہے۔
- ۱۔ ایک تو خدا کی توحید ہے خدا کے لئے اور یہ اپنی یگانگی پر علم ہے۔
 - ۲۔ خدا کی توحید۔ مخلوق کے لئے ہے اور وہ بندہ کے لئے توحید پر خدا کا حکم اور بندہ کے دل میں توحید کی پیدائش ہے۔

- ۳۔ لوگوں کی توحید خدا کے لئے ہوتی ہے اور یہ لوگوں کا خدا وند تعالیٰ کی وحدانیت پر علم ہے۔ پس جب بندہ خدا سے عارف ہوتا ہے تو اس کی وحدانیت پر حکم کر سکتا ہے۔
- نیز حضرت قبلہ شیخ الشیوخ، شیخ العالم، شیخ شہاب الدین عمر سہروردی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ توحید کے کئی مراتب ہیں۔ موجد کو چاہئے کہ ان پر غور کرے تاکہ منزل کو پہنچے۔ مثلاً توحید ایمانی، توحید علمی، توحید حالی، توحید الہی۔
- توحید ایمانی یہ ہے کہ بندہ اس امر کی دل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کرے کہ اللہ تعالیٰ اپنی صفات میں یگانہ ہے۔ اس کے سوائے اور کوئی مستحق عبادت نہیں۔ یہ توحید غنیمت کی تصدیق اور حدیث کے صدق اعتقاد کا نتیجہ ہے۔ جو علم شریعت سے لیا گیا ہے۔ جس پر پابند ہونے سے شرک جلی سے خلاصی ہوتی ہے۔

توحید علمی۔ علم باطن سے ماخذ ہے جبکہ علم یقین کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ بندہ طریق تصوف کے شروع میں اس بات کو یقین جانے کہ حقیقی موجود اور مطلق موثر خداوند عالم جل و علا شانہ کے سوائے اور کوئی نہیں۔ اور ہر ایک ذات کی ردی اسی ذات مطلق کے نور سے ہے اور ہر صفت اسی کے نور مطلق کا پرتو ہے۔

توحید حالی وہ ہے کہ توحید کا حال موجد کی ذات کا لازمی وصف ہو جائے اور وجود کی تمام رسمی تاریخیاں سوائے ٹھوڑے بڑے کے توحید کے نور میں نیست و نابود ہو جائیں اور توحید کا نور اس کے حال کے نور میں بھپ بھپ جائے۔ چنانچہ حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اَلتَّوْحِيدُ مَعْنٰی لِيَضْمَحِلْ فِيهِ الرُّسُومُ وَ يَتَدَرَجُ فِيهِ الْعُلُومُ وَيَكُونُ اللَّهُ كَمَا لَمْ يَزَلْ۔ یعنی توحید ایک ایسا مطلب ہے جس میں رسمیں مٹ جاتی ہیں اور علوم داخل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسا نظر آتا ہے جیسے کہ ہمیشہ سے ہے اور اس توحید کا منشا شاہدہ کا نور ہے۔ جس میں اکثر بشریت کے نشانات جلتے رہتے ہیں۔

توحید الہی وہ ہے۔ کہ حق سبحانہ تعالیٰ ازل سے اپنی ذات میں ہمیشہ وحدانیت کے وصف اور فردانیت کی تعریف سے موصوف ہے۔ نہ کسی کے واحد بنانے سے كَانَ اللَّهُ وَلَمْ يَكُنْ مَعَهُ شَيْءٌ یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی اور چیز نہ تھی۔ اور ابداً ابداً تک اسی طرح رہے گا۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ یعنی اس کی ذات کے سوائے ہر شے ہلاک ہونے والی ہے۔

تزکیہ نفس یا مجاہدہ چونکہ ہمارے اسلامی تصوف میں ہندو ویدانت کے فلسفہ کی آمیزش ہو گئی اور ترک دنیا کے وعظوں کی کثرت بھی ہم میں صدیوں سے موجود چلی آئی ہے۔ اس لئے اکثر لوگوں نے جہاد بالنفس کی حقیقت سمجھنے میں ٹھوکریں کھائی ہیں۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ دنیوی لذتوں سے کنارہ کش ہو کر تارک الدنیا بننا، قیدِ علاقے سے آزاد ہو کر جنگلوں اور پہاڑوں میں زندگی گزارنا، ریاضاتِ شاقہ عمل میں لانا، بھوکا پیاسا رہ کر گزارہ کرنا ہی پاکبازی اور مجاہدہ نفس ہے مگر یہ ممکن ہے جو بعض لوگوں سے نادانی میں سرزد ہوتی ہے۔ اور بعض ریاکاری سے اس کے عامل بنتے ہیں جن کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ عمل ترک دنیا اور اظہار زہد و تقویٰ کو دائم تزویر بنائیں دنیا کمائیں اور لوگوں کی نگاہ میں عزت و آبرو بڑھائیں مگر ان کے برعکس بعض نیک نیت اور سادہ لوح اشخاص ایسے بھی ہوتے ہیں جو صرف نا فہمی سے ان ناروا افعال کو خداوند عالم جل و علا شانہ تک پہنچنے اور نجات حاصل کرنے کا ضروری ذریعہ سمجھتے ہوئے امور دنیوی کی ذمہ داریوں کو فی الحقیقت تعلق الہی

کیئے مانع خیال کر لے لگ جاتے ہیں۔ حالانکہ یہ مجاہدہ نفس اور عفت و پارسائی کا مفہوم نہایت لغو اور غلط ہے۔
 جہاد بالنفس کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ اسلام نے جو باتیں جائز فرمائی ہیں ان کو اپنی نفسانی خواہشات کی سرگرمی سے پورا کر لے
 اور جو باتیں ممنوع قرار دے دی گئی ہیں ان سے اپنی خواہشات کو روک لے اور احکام الہی میں جو دشواریاں پیش آئیں ان کو
 خندہ پیشانی سے برداشت کرے اور اپنی تمام نفسانی خواہشات کو منشاء بندی کے ماتحت عمل میں لائے۔ گویا دوسرے
 معنوں میں نفسانی جذبات کو عقل کے تابع اور اعتدال پر رکھنا اور مرضیات الہیہ کے مطابق استعمال میں لانا ہی عفت و
 پارسائی کا مقصد و حید ہے۔ جذبات کو معدوم کر دینا تقویٰ و پاکیزگی نہیں۔ کیونکہ جذبات نفسانی کا استیصال انسانی فطرت
 اور منشاء ربانی کے خلاف ہے۔

فتوح الغیب میں حضور سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کی پیروی کرنا اور دین اسلام
 کو سچا دین سمجھنا۔ رسالت اور نشر و نشر پر ایمان رکھنا۔ گناہوں سے اجتناب کرنا اور روزہ و نماز کی پابندی ان اعمال کے
 ساتھ بجالانا جو مذکور ہو چکے ہیں اور جن کو اختیار کر کے انسان اپنے آپ کو متلاشیان حق کی صف میں کھڑا کر سکتا ہے۔ اور
 ان فرائض کے ادا کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کے تقرب کی سعی بھی کرے اور اپنی قوت و استطاعت کے مطابق اذکار و
 اشغال میں انتہائی انہماک سے مصروف ہو جائے اور یہ اعتقاد قائم کرے کہ میرا اٹھنا، بیٹھنا، سونا، جاگنا، چلنا، پھرنا
 رونا، ہنسنا غرضیکہ ہر حرکت و سکون اللہ اور صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔ تو اس اعتقاد و عمل کا نام مجاہدہ بالنفس ہے
 اس میں محبت الہی پیدا ہو جاتی ہے۔ اور اس محبت الہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے
 اور حضور علیہ السلام کی اس حدیث کے مطابق ہو جاتا ہے کہ اللہ کریم نے فرمایا کہ جو بندہ فضلی عبادات کے ذریعہ میری
 قربت چاہتا ہے تو میں اسے اپنا محبوب بنا لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ میں اس کے سامن ہو جاتا ہوں جن سے سنا ہے
 میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن سے وہ دیکھتا ہے۔ میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے۔ میں اس
 کے پاؤں بن جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے۔ میں اس کا دل ہو جاتا ہوں جس سے وہ سمجھتا ہے اور میں ہی اس کی زبان
 بن جاتا ہوں جس سے وہ کلام کرتا ہے۔ وہ مجھ سے جو مانگے وہ عطا کرتا ہوں۔ اور جب میری پناہ طلب کرے تو
 پناہ دیتا ہوں۔

الغرض تصوت و سلوک میں معاصی و منافی سے اجتناب اولین قدم ہے۔ اور القا، جتنا بڑھتا ہے، اتنا ہی

جذبات سے اعراض و پرہیز بڑھتا جاتا ہے۔ اور یہ چیز اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی۔ جب تک پوری طرح تزکیہ نفس نہ ہو لے اور تزکیہ نفس کے لئے مجاہدات اور ریاضات لازمی ہیں جس کا مجاہدہ جتنا زیادہ ہوگا اس کا نفس اتنا ہی مغلوب و مرگی ہوگا۔ اور اس میں اتنی ہی استعداد کسب الوار بڑھیں گی۔ گویا دید و یافت کے لئے مجاہدہ نہایت لا بدی اور ضروری چیز ہے۔ کیونکہ مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ محال ہے۔ جیسے دودھ سے مکھن، سنگ سے لعل، زمین سے پانی، بے محنت نہیں نکل سکتا اسی طرح مجاہدہ کے بغیر مشاہدہ نہیں ہوتا۔ اس لئے طالب کو اول علائق دنیوی، فکر اہل دعیال، اندیشہ زرو مال، حب جاہ و حب وطن وغیرہ سے قلب کو خالی کرنا اور حواس ظاہر و باطن کو جمع کر کے یکسو ہونا چاہئے۔ حواس ظاہری کا روکنا تو بصورت مراقبہ گوشہ تنہائی میں ممکن ہے۔ مگر حواس باطنی کا ان سے مشکل۔ لہذا ضرور ہے کہ کسی ذکر کی مشق کی جائے اور یہاں تک کی جائے کہ زبان سے گذر کر قلب سے جاری ہو اور الفاظ محو ہو کر معنی ہی معنی رہ جائیں۔ پھر اس مشق سے رحمت کاملہ کے قبول کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے۔ یہی بات کہ اس مجاہدہ کے بعد ادھر سے جذب و کشش کب ہو

اس کا مدار محض عنایت پر ہے۔ اس مجاہدہ کے متعلق مولانا جمال الدین رومی فرماتے ہیں۔ شعر

بے لب و بے حروف میگو نام رب پس ز جاں کن وصل جاناں را طلب
نوشین عرباں کن از جملہ فضول ترک خود کن تا کند رحمت نازل

یہی وجہ ہے کہ تمام بزرگان طریقت اور عارفان حقیقت مجاہدات میں مشغول رہے ہیں اور لوگوں کو رہنے کی ہدایت فرماتے ہیں۔ جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے۔ پھر یہ بات بھی ہے کہ مجاہدات، عبادات کے ساتھ ہوتے ہیں اور عبادت معشوق حقیقی سے ایک گوشت و پوست کی وابستگی و اطاعت سے عبادت ہے۔ اس لئے اس میں بے حد شہابی کی ضرورت ہے اور اس شوق میں انسان کا قدم آگے ہی بڑھنا چاہئے۔ کیونکہ جتنی زیادہ ریاضت کی جائے گی اتنا ہی زیادہ لطف حاصل ہوگا۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ جو خلاف شرع مجاہدات و ریاضات کو کام میں لاتے ہیں منزل مقصود کو نہیں پاسکتے۔ کیونکہ جس منزل کا ارادہ ہو اسی سمت اور اسی کی شاہراہ پر چلنے سے منزل ملتی ہے۔ اور اگر منزل کوئی خیال میں ہو اور منہ کسی طرف کو رکھ کر سفر اختیار کر لیا جائے۔ اور یہ سمجھے کہ چلنا ہی مقصود ہے اور میں اپنی مرضی سے چل ہی رہا ہوں تو وہ کہیں بھی نہ پہنچ سکے گا۔ اور نہ اس کا کوئی مقام و حال ہوگا۔ حضرت سعدیؒ فرماتے ہیں۔ شعر

ترسم نہ ہی بجبہ اسے اسرا بی کیں راہ کہ تو میری تبرکستان است

کہنکہ وہ اس منزل کے رخ اور نشان کے خلاف چل رہا ہے جس منزل کا دماغ میں دھیان لئے ہوئے ہے عوام سمجھتے ہیں کہ اتنی محنت شاقہ اور مجاہدے غیر ممکن ہیں۔ لیکن یہ ان کا خیال غلط ہے۔ غیر ممکن وہ کام ہوتا ہے جس کو کوئی بھی نہ کر سکے اور اگر کسی نے کر دکھایا تو غیر ممکن نہ رہا۔ یہ محض نفس کی شرارت ہوتی ہے۔ حالانکہ دنیا کی ہر خواہش کو پورا کرتے کے لئے ہر محنت و مصیبت کی برداشت کر گزرتا ہے۔ بلکہ جنگ جیسی بڑے خطر نفس میں بھی کو دجاتا ہے، جہاں اس کی جان چلے جانے کا پورا پورا احتمال ہوتا ہے۔ اور یہاں تو صرف منہ دھونا، کھڑے ہونا جاگنا اور اعتدال کی جھوک اور دھوپ برداشت کرنا وغیرہ ہی مقصود ہے۔ جن میں مجاہد کے جان سے جانیکا خوف نہیں ہوتا۔ ہاں اس میں شک نہیں کہ مجاہدات و ریاضات اسلامی میں قدرے جسمانی تکلیف ضرور ہوتی ہے کیونکہ نفس فطرتاً آرام کا طالب ہوتا ہے۔ مگر ساتھ ہی روحانی تقویت اور لذت بھی فراواں ہوتی چلی جاتی ہے جو اس تکلیف کو قابل برداشت بنا دیتی ہے۔ اور جب پوری صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے تو قلب میں تخم محبت الہی بویا جاتا ہے۔ لہذا جو شخص یہ مرتبہ اور تقرب حاصل کرنا چاہے۔ اس کے لئے ضروری اور لازمی ہے کہ وہ صبح شام اس طرح ان اذکار و اشغال میں مصروف ہونے کو تیار ہو جائے جو بزرگان دین نے تعلیم فرمائے ہیں۔ راہ دنیوی امور میں انہماک کٹی نہ رکھے تاکہ غفلتوں میں شمار نہ ہو۔ اگر امور دنیا میں انہماک رکھیگا اور اتباع نفس میں منہمک ہو جائے گا تو اس کے لئے تباہی اور گمراہی یقینی ہو جائے گی بعض حضرات نفس کے باریک فریبوں کو نہیں سمجھتے اور اس کی پیش کردہ مکر وہ شے کو بھی مفید و خوش سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ جو سراسر مغالطہ اور فریب ہوتی ہے۔ جیسے خوبصورت ٹونڈول سے محبت کرنے کا نام علت مشائخی رکھ لیں۔ جہاد بالنفس کے متعلق حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ رَجَعْنَا مِنَ جِهَادِ الْأَصْغَرِ إِلَى الْجِهَادِ الْأَكْبَرِ "ہم رجوع کرتے ہیں چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف"

اس ارشاد میں دشمن باطنی (نفس) کے ساتھ نبرد آزمائی کرنے کی طرف انتقال کرانے میں۔ ظاہری دشمن کے ساتھ جنگ کرنا جہاد اصغر کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس باطنی دشمن سے لڑنے کو جہاد کبر کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہری دشمن تو کھلے میدان میں برسرِ پیکار ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو

ذیر کرنا سہل ہے۔ بخلاف باطنی دشمن کے کہ وہ خود انسان کے مکا بن وجود میں حتیٰ کہ رگ رگ کی کمین گاہ میں مخفی ہے جس کا تعاقب کرنا اور اس کو گرفت میں لانا دشوار ہے۔ نیز انسان کے جس قدر قوائے و حواس دشمن ظاہری کو شکست دینے میں مدد دیتے ہیں وہ سب اس دشمن باطنی کا حکم مانتے ہیں۔ اس لئے نفس کا مقابلہ نہایت مشکل اور خطرناک ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس اللہ سرہ کے فتاویٰ میں لکھا ہے۔ کہ یہ کلام (رجعنا من جہاد الاضعف الخ صوفیہ کی کتابوں میں بہت مستعمل ہے۔ اور ان کے نزدیک حدیث نبوی ہے۔ بلکہ بعض علمائے محدثین کے کلام میں بھی یہ عبارت جہاد نفس کی فضیلت کے اشتہاد میں دیکھی گئی ہے۔ لیکن مجھے یاد نہیں کہ حدیث کی کسی کتاب میں دیکھی ہو۔ بہر تقدیر جہاد اکبر سے مراد نفس و شیطان کا جہاد ہے نہ کہ مراجعت اور یہی تفسیر صوفیہ کے نعم کے مطابق ہے اور اس کلام کی شاہد حدیث متفق علیہ ہے (المجاہد من جاهد نفسه في طاعة الله) چنانچہ ظاہر ہے کہ ایسے مقامات میں مسند الیہ کو معرہ باللام لانا حضرمال کے لئے ہوتا ہے۔ کما فی نظائرہ مثل المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ الخ والمہاجر من ہاجر ما خفی اللہ عنہ انتہی۔ اس لحاظ سے اس حدیث کے معنی یوں ہوں گے۔ کہ بڑا مجاہد وہ شخص ہے جو اپنے نفس سے جہاد کرے۔ جب ایسا مجاہد بڑا ہے تو ضرور اس کا جہاد بھی بڑا ہوگا۔ اور یہی جہاد اکبر کا مدلول ہے۔ حضرت ملا علی القاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حدیث رجعنا من جہاد الاضعف الخ کے بارے میں عسقلانی نے تسوید القوس میں کہل ہے کہ یہ قول عام زبانوں پر چڑھا ہوا ہے اور بقول نسائی ابراہیم بن عبیدہ کا کلام ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ حدیث ایما العلوم میں مذکور ہے اور اس کو عراقی نے بروایت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیہقی سے منسوب کیا ہے۔ ہاں اس کے اسناد میں ضعف بھی تسلیم کیا ہے۔ حضرت سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ خطیب نے اپنی تاریخ میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام کسی غزوہ سے واپس آئے تو فرمایا قد متتم خیر مقدم وقد متتم من الجہاد الاضعف الخ جہاد الاکبر۔ لوگوں نے سوال کیا۔ جہاد اکبر کیا ہے۔ تو فرمایا جہاد الاکبر جہاد الاکبر یعنی بندے کا اپنی خواہشات سے جنگ کرنا۔

پاس شریعت جیسا کہ پیچھے ذکر ہوا ہے۔ درویش کے لئے اتباع شریعت لازمی و لابدی چیز ہے۔ کتاب اللہ و سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور امورات ظاہری کا اتباع نہایت ضروری ہے۔ جب تک درویش متابعت شرع نہ کرے دین اسلام کو سچا جانتے ہوئے دل میں حیکہ نہ دے تو حید و رسالت واجتہاد و ملائکہ

عشر و نشر۔ کتب و قیامت۔ عذاب و ثواب۔ جنت و جہنم و حساب قبر پر مضبوط ایمان نہ رکھے، گناہوں سے اجتناب نہ کرے اور روزہ و نماز کی پابندی میں ثابت قدم نہ رہے۔ درویشی سے اس کا تعلق قائم نہیں ہو سکتا کیونکہ جو مبادیات ہی سے نادانستہ ہے وہ اتم تک کیسے پہنچ سکتا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں سے دو طرح پر مخاطبہ فرمایا ہے۔ یا یوں کہئے کہ دو چیزوں کا مطالبہ کیا ہے۔ ایک یہ کہ ایمان لاؤ۔ اور دوسرے یہ کہ اعمال صالح کرو۔ ایمان بیج ہے اور اعمال صالح اس کا پھل ہیں۔ اگر کسی انسان میں حقیقت ایمان ہی مستحق نہ ہو تو وہ صحیح معنوں میں محبت و عبادت الہی کا ثبوت نہیں دے سکتا۔ ایمان ہی سے مسلمان میں عمل کی آمادگی اور جذبہ فدیہ پیدا ہوتا ہے۔ اور اسلامی زندگی میں مکمل پیدا کرنے کے لئے اتباع شریعت کی سخت ضرورت ہے۔ کیونکہ ہمیں سے طریقت کی راہ کھلتی ہے۔ اور ہمیں سے تہذیب نفس حاصل ہوتی ہے۔ جو درویش کو احمید کے درجہ اور تخصیص تفرید کے مرتبہ پر پہنچاتی ہے اور ہمیں سے عادت سکون و وقار پاتا ہے۔

جب مادی علوم میں سے کوئی علم اور دستکاری کے پیشوں میں کوئی پیشہ ایسا نہیں جس میں استاد کی مدد لازمی نہیں تو پھر میدان روحانیت کا علم جو ان تمام علوم سے زیادہ لطیف اور تزکیہ نفس کا جو ان تمام فنون سے زیادہ دشوار اور مرتبہ معرفت جو تمام مراتب سے بہت بلند اور جس کی راہ تمام راہوں سے زیادہ نازک ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ وہ بغیر کسی استاد کی مدد کے طے ہو سکے۔ کیونکہ اس سفر میں قدم قدم پر راہ نما ملے اور چپے چپے پر ضرورت استاد لائے گی ہے۔ جس کو اصطلاح طریقت میں پیر و مرشد کہا جاتا ہے۔

مسلمان جب احکام شریعت کی متابعت کر کے اس کے اسرار کو سمجھ لیتا ہے تو اس کو طریقت و حقیقت و معرفت کی منازل کی جانب جانے کے لئے ایک ایسے راہنما کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو اس کو اگلی روحانی تعلیم صحیح دے سکے اور اگر اس ضرورت کے پورا کرنے کو کسی کے دامن سے وابستگی کرنی چاہے گا۔ تو سب سے پہلے اس کو مسنون بہت کے مسئلہ پر عمل کرنا پڑے گا۔ اور کسی ایسے مرد خدا کے ہاتھ میں ہاتھ دینا ہوگا۔ جو اس کو شریعت کے اتباع کے ساتھ اگلی منازل کا اہل بنا سکے۔ بعض لوگوں کا قاعدہ اور خیال ہے کہ کسی مخصوص انداز میں رسمی بیعت کی ضرورت نہیں اصلاح نفس کے لئے انسان فطری صلاحیت کی بنا پر اپنے آپ کی اصلاح کر سکتا ہے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ اگر ایسا ہونا بغیر تعلیم و تربیت استاد کے ممکن ہوتا تو مشیت الہی اپنے ہر پیغام کے ساتھ عملی نمونے کی ضرورت محسوس فرماتی

زمانہ کا حال شاید ہے کہ جتنی کتابیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئیں سب کے ساتھ عملی نمونے یعنی انبیاء علیہم السلام آئے
پھر جو کام اصولِ مشیت ایزدی کے خلاف ہو اس کو اصلاح کا نام دینا یقیناً فریبِ نفس ہو گا۔ بعض لوگ بیعت
سے تو منکر رہتے ہیں۔ مگر درود و وظائف پر اس شخص سے بھی پوچھ لینے سے دریغ نہیں کرتے جو خواہ کسی سدا گرد و دار
ہی سے آ رہا ہو۔

لہذا وہ مصلح جو اس کی طریقت و حقیقت میں رہنمائی فرماتا ہے پر کھلتا ہے اور جب تک اس سے بیعت مستونہ
نہ کی جائیگی طالب میں معرفتِ الہی کے لئے وہ صحیح اعتقاد پیدا نہ ہو سکے گی جس کی اس کو ضرورت ہے۔ چونکہ صحبت
درویش کے بغیر اصلاح کا تذکرہ اور وثوق اعتقاد بھی گمراہی ہے۔ اس لئے بیعت لازمی اور لایہدی امر ہے۔ جو لوگ
فی زمانہ اپنی فطری صلاحیت پر اصلاح کے قائل اور عمومی اوراد و وظائف پر شہنائے حصول معرفت کے دعویدار
ہیں۔ وہ کبھی نفس و شیطان کے جنگل سے بچ کر ایمان سلامت نہیں ملے جاسکتے۔ العیاذ باللہ۔ کیونکہ فتنہ و نفس
و شیطان کا علاج شیخ کے مطب کے سوا اور کہیں نہیں۔ یہی وہ مقدس دروازہ ہے۔ جہاں سے مسلمانوں کی بہتری
اور بڑی کی تمام راہیں ملتی ہیں۔ اور اسی گھر کے رہنے والے اسلام کے کفیل اور سچے محافظ و پاسبان ہیں۔ ہر زمانہ میں انہی
حضرات کی طفیل مسلمانوں کو عظمت و عزت و راحت و سعادت نصیب ہوئی ہے۔ انہی سے پاکیزگی حیات کا
نور چمکا اور انہی کے روحانی اثر نے اسلام اور اہل اسلام کو چار چاند لگا دیئے۔ پیروی رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا
بنیادی پتھر انہی حضرات کی دہلیز بوسی ہے۔ کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی محض الفاظ و کلمات سے متعلق نہیں
ہے۔ اور نہ امت کے لئے صرف ظاہر کی پیروی کافی ہے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح ہمارے لئے
اسوۂ حسنہ کا حکم بلحاظ اپنی نماز کی تعداد اور رکعات کے اور بلحاظ رکوع و سجود و قیام و قرأت کے رکھتے ہیں، اسی
طرح نماز کے اندر خشوع و خضوع کے ذوق و وجد اور کیفیت و استغراق کے لحاظ سے بھی ہمارے واسطے اسوۂ
حسنہ ہیں۔ پس باطن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی بھی ایسی ہی ضروری ٹھہرتی ہے۔ جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کے ظاہر کی۔ تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے کلمات و ارشادات اور ظاہر کی پیروی
لو کتا بوں کے ذریعہ سے ممکن ہے لیکن باطنی پیروی کا ذریعہ کیا ہے۔ اخبار رسالت تو مجاہدات کے اوراق لٹنے
سے ماخوذ آجاتے ہیں۔ لیکن انوار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عکس کس آئینہ میں نظر آئے گا۔ کیونکہ حضور علیہ السلام

کی بعثت کے دو ہی مقاصد قرآن کریم نے بیان فرمائے ہیں۔ ۱۔ تعلیم و تشریح کتاب و حکمت ۲۔ تزکیہ نفس کتاب و حکمت کی تشریح کا سامان تو خدا کا شکر ہے امام بخاری و امام مسلم و دیگر محدثین و مجتہدین رحمہم اللہ کی وساطت سے ہو گیا ہے۔ لیکن اس سے مقدم تر مقصد تزکیہ نفس کی کیا صورت ہوگی۔ اس کا جواب ایک اور صوف ایک ہی یہ ہے کہ اسلام نے تزکیہ نفس کا جو طریقہ اختیار کیا تھا اس میں علم و عمل دونوں کی طاقتیں شریک تھیں اس کا علمی پہلو قرآن کریم اور کتب احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی صفحات میں نظر آتا تھا۔ اور عملی پہلو کو شارع علیہ السلام کے اعمال ظاہر و بے نقاب کرتے تھے۔ لیکن اسلام کی صرف یہی خصوصیت نہیں کہ وہ نظری حیثیت سے علم و عمل کا جامع تھا۔ بلکہ اس کا اصلی معجزہ یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس تعلیم کے منظر حقیقی تھے آپؐ نے صحابہ کرامؓ کو بھی اس کا مجسم پیکر بنا دیا۔ اس بنا پر اگر آج ہم تعلیمات اسلام کی عملی تصویر دیکھنا چاہیں تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارک کے علاوہ اصحاب پاکؓ اور بزرگان دین کے سوانح شریفہ میں بھی دیکھ سکتے ہیں۔ اور ان آئینوں میں بھی وہی آفتاب ہدایت منعکس نظر آسکتا ہے۔ جو خود صاحب شریعت علیہ السلام کے آئینہ خانہ میں ضیاء افگن تھا۔ لہذا لازم ہوا کہ ایک زندہ نائب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش و بیعت کی بجائے۔ جو کوئی نئی ریاضت، نیا سبق، نیا مجاہدہ، ایجاد و اختراع نہیں کرتا۔ بلکہ آئینہ کے پیچھے طوطی صفت رہ کر استاد ازل کے سبق کا ہی تکرار کرتا ہے۔ لیکن ہاں اجتہاد و استنباط کا دروازہ اگر مقلدوں کے آئینہ فقہ اور غیر مقلدوں کے آئینہ حدیث دونوں پر کھلا ہے تو صوفی و شیخ پر بھی بند نہیں ہوگا۔ اس لئے کہ یہ بھی ان ہی سے ہے۔ لیکن وہ بھی ایجاد و اختراع کی جدت سے بچے گا اور جس طرح اہل ظاہر اپنے فہم و قیاس و استنباط کو معطل نہیں کر دیتے اسی طرح وہ بھی اپنے کشف و عرفان اور اشتراق و وجدان کو سرے سے تعطل کی تذر نہ کرے گا۔ اور وہ جب بھی کبھی کوئی نسخہ مریض قلب و طلب کا لکھے گا، شفا خانہ نبوت ہی کے قراہین سے لکھے گا۔ لیکن مریض کے مزاج و خصوصیات فقہ و احوال آب و ہوا کے اثرات اور موسم کے حالات وغیرہ کی مناسبت سے اجزائے نسخہ کی ترکیب استعمال و ترتیب اعمال اس کی اپنی ہوگی۔ مسئلہ بیعت کے متعلق جیسا کہ پیچھے ذکر ہو چکا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی القول الجہل میں تحریر فرماتے ہیں کہ رسم بیعت مسنون ہے۔ اور یہ بیعت صرف بیعت خلافت تک ہی محدود نہیں بلکہ عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں بیعت کی مختلف صورتیں رائج تھیں۔ مثلاً بیعت اسلام، بیعت ہجرت، بیعت ہما

بیعتِ توبہ وغیرہ اور صوفیائے کرام کی مروجہ موجودہ بیعت، بیعتِ تقویٰ کی قسم میں داخل ہے۔ خلفائے راشدین کے زمانہ میں تو اس بیعت کی علیحدہ ضرورت ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ صحابہؓ کے قلوب و نفوس شریعتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود ہی نورانی تھے۔ خلفائے راشدین کے بعد فتنہ کے خوف سے اور بیعتِ خلافت کے ساتھ اشتباہ و القیاس کی بنا پر یہ بیعت موقوف رہی اور صوفیائے کرام اس کے قائم مقام خرقہ کو سمجھتے رہے۔ پھر جب ملوک السلاطین کا دور آیا اور بیعتِ خلافت بند ہو گئی تو صوفیائے کرام نے فرصت کو غنیمت سمجھ کر سنتِ بیعت کی از سر نو تجدید کی اور اس کو بموجب ارشاداتِ قرآن و حدیث نہایت ضروری سمجھا۔ آگے چل کر جہاں شاہ ولی اللہ صاحبِ بیعت لینے والے مرشد کے اوصاف شمار کراتے ہیں۔ اس کی ایک خصوصیت یہ بھی فرماتے ہیں والشرط الخامس ان یکون لصاحب المشائخ الآخر۔ یعنی پانچویں شرط یہ ہے کہ مشائخ کی صحبت میں رہ کر ان سے طویل عرصہ تک ادب نور باطن اور اطمینان حاصل کیا ہو۔ اور یہ شرط اس لئے ہے کہ سنتِ الہی یوں ہی جاری ہے کہ کسی انسان کو مراد نہیں ملتی جب تک اس نے مراد پانے والے کو نہ دیکھا ہو۔ جس طرح علمِ بغیر صحبتِ علماء کے اور دوسرے صنعتی کام بغیر استاد کے حاصل نہیں ہوتے۔ اسی طرح عرفانِ الہی بھی بغیر خصالِ خدا کی بیعت کے حاصل نہیں ہوتا۔ مزید تشریح کے لئے یہاں پر ایک باخبر سائل کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب باصواب باین الفاظ معلوم کیجئے۔ قال ما الا حسان قال ان تعبد الله كان لك تراک فان لم تکن تراک فانه يراك (سائل عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ احسان کیا ہے۔ فرمایا کہ تو اللہ کی عبادت اس طرح کر کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔ اور اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے) اس پوری حدیث میں ایمان کے معنی بعض عقائد کے بتائے گئے ہیں۔ اور احسان کی تویہ توضیح فرمائی گئی ہے۔

گویا عقیدہ و عمل کے بعد ایک تیسری منزل ان دونوں سے بلند تر احسان کی آئی ہے۔ جس کا تعلق محض جاننے اور کرنے سے نہیں بلکہ مشاہدہ و رویت سے ہے۔ یعنی یہ منزل تصوف و طریقت کی منزل ہے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اہل تصوف کی بجائے اہل احسان ہی کی اصطلاح اختیار کی ہے۔ اور شاید اہل صدق و صدیقین کی اصطلاحیں بھی یہی کام دے سکیں۔ لیکن یہ ساری بحثیں محض لفظی ہیں سوالِ صریح یہ ہے کہ ایمان کے اجزاء اور اسلام کے ارکان تو کتابوں کے مطالعہ سے معلوم ہو سکتے ہیں اور ایمان و عمل کے

خارجی پہلوؤں پر بھی کتب کا پڑھنا معلومات میں اضافہ کر سکتا ہے۔ لیکن قلب کو مرتبہ احسان تک پہنچانا تزکیہ باطن، تجلیہ نفس، تطہیر اخلاق، بغیر ایک زندہ شخصیت، بغیر ایک سرشارِ کامل، بغیر ایک ہادی ناطق، بغیر ایک عملی نمونہ کی وساطت کے کیونکر ممکن ہو سکتا ہے۔ جو قانون اور ضابطے کتابوں میں درج کرنے والے تھے۔ حدیث و آثار و فقہ کی کتابوں میں مدون ہوتے رہے۔ لیکن جن چیزوں کا تعلق وجدانیات و کیفیات سے ہے وہ تحریر میں کیونکر آ سکتی ہیں۔ وہ تو ایک قلب سے دوسرے قلب پر ہی اپنا اثر ڈال سکتی ہیں۔ مثلاً کسی مادرِ زاد اندھے کو روشنی کی تعریف سمجھانے کے لئے دنیا بھر کے عظام، فیل، چوہا، بیل، گائے۔ جب تک کوئی صاحبِ تصرف اس کے اندر روشنی نہ بھر دے یا کوئی قابلِ معالج اس کی آنکھوں کا آپریشن نہ کر دے ہو کوئی روشنی کو دیکھنے والا ہے وہی اس کی کیفیت کو بھی جان سکتا ہے۔ بنیائی سے محروم کیا جانے کہ آنکھوں والے کیا اور کس طرح دیکھتے ہیں۔

مثالوں اور الفاظ میں سمجھانے سے عموماً اندھوں کی کھیر پڑھی ہو جایا کرتی ہے۔ اور پھر اس کا حلق سے اترنا محال کیا بلکہ ناممکن ہی خیال کیا جانے لگتا ہے۔ یعنی تمثیلی قیاس انسان کو کن غلط نتائج تک پہنچاتا ہے۔ اس کی کتنی اچھی مثال اس عامیاناہ قفسے میں پوشیدہ ہے۔ کہ کسی اندھے کے سامنے کھیر آئی۔ اندھے نے پوچھا کیا ہے، لانے والے نے کہا کھیر بولا کھیر کیا ہوتی ہے؟ کہا گیا۔ ایک سفیدی شے جیسے بگلہ۔ اندھے نے پوچھا بگلہ کیا ہوتا ہے۔ جواب دینے والے نے ہاتھ پیرھا کر کے کہا۔ لو ٹٹولو۔ اور معلوم کر لو کہ بگلہ ایسا ہوتا ہے۔ اندھے کے سامنے تمام درمیانی مفادات حذف ہو گئے۔ اور صرف ہاتھ کو ٹٹول کر فوراً حکم لگا دیا کہ کھیر اگر اتنی ٹیڑھی ہوتی ہے تو حلق میں اس کا جانا قطعاً محال ہے۔ ٹٹوتا جاتا تھا اور کتا جاتا تھا کہ ناممکن ہے کہ یہ کھیر حلق کے اندر اتر سکے۔ آنکھ والوں کو حیرت ہو رہی تھی کہ یہ محروم ضیاء کھیر کو کیا سمجھ رہا ہے۔ چونکہ اس کے تصور میں ٹیڑھے ہاتھ کی بناوٹ تھی جبکہ کھیر سے کوئی دور کی بھی مناسبت نہیں۔ اس لئے وہ یہی کہتا جا رہا تھا۔ ایسی کھیر میں اور اپنے حلق میں مطابقت محال شے ہے۔ میں کھیر کو بھی جانتا ہوں اور حلق کو بھی۔ حالانکہ کھیر کو اس نے نہیں دیکھا۔ بلکہ ٹیڑھے ہاتھ کو ٹٹولا تھا۔ بعینہ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو غیب کو شہادت کی مثالوں سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اور ان کے مخاطب عموماً مشاطوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محال۔ ناممکن۔ اس شد مشکل۔ ہو ہی نہیں سکتا وغیرہ کی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔

الغرض یہ مرشد کوئی خود رو یا خود رائے ہستی نہیں ہوتی۔ بلکہ جس طرح آپ قرآن کی ساری عبارت کو محض سند متصل کی بنا پر کلام الہی مانتے چلے آتے ہیں۔ جس طرح آپ بخاری کی روایت کو محض اس لئے کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کر لیتے ہیں کہ وہ معتبر سند مسلسل کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہوئی ہے۔ ٹھیک اسی طرح اس مرشد کا قلب بھی ایسے مضبوط واسطوں کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر سے ملا ہوا ہوتا ہے۔ اور اس کا رابطہ روحانی بھی ایسی ہی زنجیر کی مضبوط کڑیوں کی طرح سرخسہ تقدیس و روحانیت سے بڑھا ہوا ہوتا ہے۔ اور جس طرح امام بخاری و امام مسلم (رحمہما اللہ) آثار و اخبار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ضخیم دفتر میں جمع کرتے رہے۔ اسی طرح حسن بصری و جعید لیجادی اصرار و انوار رسول علیہ السلام سے اپنے سینوں کو منور و مخزن فرماتے رہے۔ ادھر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قال ایک سفینہ سے دوسرے سفینہ میں منتقل ہوتا رہا۔ ادھر حضور کا حال ایک سینہ سے دوسرے سینے کو طور سینا بناتا رہا۔ اور یہی وہ دونوں شعبے تھے جن کی جامعیت عہد صحابہ میں مستند نظر آتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے اسی ضرورت کو یکے مختصر مگر واضح الفاظ میں بیان فرمایا ہے :-

کیسا پیدا کن از مشیتِ گلے بوسہ زن بر آستانِ کاہلے

ترجمہ :- یعنی اگر اپنی مشیتِ خاک کو سونا کرنا چاہتا ہے تو کسی مردِ کامل کے آستانِ مقدس پر بوسہ دے تاکہ تجھ میں تمیز معرفت و حقیقت پیدا ہو سکے۔

پھر اس کے حقائق پر اپنی مشہور ثنوی اسرار خودی میں مولانا جلال الدین رومی علیہ الرحمۃ کی ایک حکایت درج کرتے ہیں۔ جو من کل الوجوہ ہمارے مذکورہ بالا خیال کی آئینہ دار ہے۔ کہتے ہیں :-

اے کہ باشی در پئے کسبِ علوم	باز می گوئم پیامِ پیرِ روم
علم را بر تن زنی مارے بود	علم را بر دل زنی یارے بود
آگهی از قصہ خواند روم	آنکہ داد اندر حلب درسِ علوم
پاسے در زنجیر تو جہاتِ عقل	کشتیش طوفانی ظلماتِ عقل
موتے او بیگانہ سینائے عشق	بیمراز عشق و از سودائے عشق
از تشکک گفت و از اشراق گفت	وز حکم صد گوہر تابندہ سفت

عقد ہائے قول مشائیں کشود
گرد و پیشش بود اتبار کتب
پیر تبریزی ز اشاد کمال
گفت ایں غوغا و قیل و قال چسیت
مولوی فرمود نادال لب بہ بند
پائے پیش از ملکتیم پیروں گزار
قال ما از منم تو بالا تر است
سوز شمس از گفتہ ملا فرود
بر زمین برق نگاہ او فتاد
آتش دل خرمین ادراک سوخت
مولوی بیگانہ از اعجاز عشق
گفت ایں آتش چناں افروختی
گفت شیخ اے مسلم ز تار دار
حال ما از فکر تو بالا تر است

نور فکرتش ہر خفی را دا نمود
بر لب او شرح اسرار کتب
جست راہ مکتب ملا جلال
ایں قیاس و وہم و استدلال چسیت
بر مقالات خردست دال مخند
قیل و قال است ایں ترا باوے چہ کار
شیشہ ادراک را روشن گراست
آتش از جان تبریزی کشود
خاک از سوز دم او شعلہ زاد
دفتر آن فلسفی را پاک سوخت
نا شناس نغمہ ہائے ساز عشق
دفتر ارباب حکمت سوختی
فوق حال است ایں ترا باوے چہ کار
شعلہ ما کیہیائے احمر است

کیا مسئلہ بیعت پر مخالفین کے لئے یہ حکایت اس امر کا صریح ثبوت نہیں کہ جس کیفیت مولانا جلال الدین رومی کو
حضرت تبریزی علیہ الرحمۃ نے منطوق میں بحکم بدلایا وہ کتب و علوم کے مناظرہ و مجاہدہ سے شاید تمام عمر ہی نہ بدلتی اولیٰ ہی ہے
وہ قوت باطنی کی حقیقت کا تذکرہ جس کو اصلاح نفوس کے لئے کتاب و سنت کے ساتھ ساتھ نہایت ضروری و لا بدی
بتایا گیا ہے خود مولوی رومی علیہ الرحمۃ مذکورہ اظہار حقیقت کے بعد بول فرماتے ہیں کہ
مولوی ہرگز نشہ مولائے روم تا غلام شمس تبریزی نشہ

فاختار و یاد لی الا بصائر

تعلیم تقرب الی اللہ

چونکہ ہر چار سلاسل کے اوراد و وظائف و طریق کار جدا گانہ ہیں۔ اس لئے اپنے اپنے شیخ کے سلسلہ کی اپنی اپنی تعلیم کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ اور اسی راستہ پر گامزن ہونا چاہئے۔ کیونکہ بعض اوقات مختلف سلاسل کے وظائف اور مختلف پیران عظم کی تعلیم نقصان دیتی ہے۔ اور طالب دو ملاں میں مرغی حرام کا مصداق بن جاتا ہے۔ لہذا فقیر یہاں وہ طریق کار درج کرتا ہے جو سلسلہ عالیہ محمدیہ قادریہ کا ہے۔ جو طالبان حق اس سے متعلق ہیں وہ اس کو اپنائیں اور اپنے مولا کو پائیں۔ وھو ہذا۔

محبت | سب کاموں سے بہتر اور کامیاب بنادینے والی خیر محبت ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو انسان کسی میدان میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ گویا وہ ایک نشہ ہے جو بدول مشاہدہ محبوب نہیں اترتا۔ اور ایک سکر ہے جس کا علاج جمال محبوب کے سوا اور نہیں ہو سکتا۔ اور اس کے تین اصول ہیں۔

مروت

ادب

وفا

وفا یہ ہے کہ محب محبوب کی فردائیت میں اپنے قلب کو منفرد کر کے مشاہدہ میں ثابت قدم رہے۔ اور اس کی ہر ادا سے مانوس ہو جائے۔

ادب یہ ہے کہ خطرات کی مراعات کا نگاہ دار اور حفظ اوقات کا پابند اور ماسوائے سے انقطاع کرتا رہے۔

مروت یہ ہے کہ قولاً و فعلاً صدق و صفا کے ساتھ ذکر اللہ پر قائم اور ظاہر و باطن میں اغیار سے روگردانی کر کے ستر اللہ پر ثابت قدم رہے اور حالات آئندہ کی رعایت کر کے حفظ اوقات میں کوشاں ہو۔ جب محب میں یہ تینوں چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں تو وہ لذت وصال کے پانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کے سر میں آتش

اشتیاق و محبت بھڑک اٹھتی ہے۔

پیر یا شیخ سے پہلے محبت اور والہانہ محبت ہوگی تو طالب منزل مقصود کی امید کر سکتا ہے۔ کیونکہ محبت ہی ایک وہ خلش ہے جو فراق محبوب میں انسان کی اعانت کرتی ہے۔ جب کہ دنیا اس کے سامنے ایک انگوٹھی کے حلقے کی طرح ہوتی ہے۔ یہی وہ نشہ ہے جس کا کوئی اتار نہیں۔ اور یہی وہ بے تابی ہے جس کے لئے سکون نہیں۔ گویا مبتدی کی پہلی منزل اور طالب کی طلب کی پہلی سیڑھی محبت ہی ہے۔ جب تک شیخ کے لئے تمام مجبوبات کو قربان کرنے پر آمادہ نہ ہو جائے اور سب طرف سے آنکھیں بند کر کے اسی کا نہ ہو رہے تب تک اس کو مقام محبت حاصل نہیں ہوگا۔ عشاق نشہ محبت میں ایسے سرشار ہوتے ہیں کہ انہیں کسی طرف کا ہوش ہی نہیں رہتا اور دنیا کی کسی شے کو محبت شیخ پر ترجیح نہیں دے سکتے۔

حکایت۔ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر ابو دھنی پاک پٹنی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ آپ اپنے شیخ کی خدمت میں تعلیم تقرب الی اللہ کی ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ اور وہیں قیام بھی رکھا کرتے تھے آپ کے ذمہ شیخ کی ظاہری خدمات میں سے یہ خدمت تھی کہ آدھی رات کو آگ جلائی جائے اور تہجد کے لئے پانی گرم کیا جائے۔ یعنی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ (جو آپ کے شیخ تھے) کے لٹھنے سے قبل پانی گرم تیار ہونا چاہیے۔ ان دنوں آگ جلائے اور محفوظ رکھنے کا بڑا انتظام و اہتمام کرنا پڑتا تھا اور سالہا سال اپنی ضروریات کے لئے آگ کا ذخیرہ موجود رکھا جاتا تھا۔ کیونکہ آگ پیدا کرنے اور جلانے کے لئے یہ سہل ترین اسباب و ذرائع نہ تھے جو آج کل ہیں۔ اتفاق سے ایک رات آگ بجھ گئی اور بابا فرید الدین صاحب جو رات کو پانی گرم کرنے کے لئے اٹھے تو آگ کو بجھا ہوا دیکھ کر نہایت مغموم و پریشان ہوئے۔ اور آگ کی تلاش کو خانقاہ سے باہر نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کچھ فاصلے پر آگ جل رہی ہے۔ فوراً وہاں پہنچے۔ دیکھا تو وہ آگ ایک بڑھیا عورت نے جلا رکھی ہے۔ اس کے سامنے جا کر آگ مانگی تو وہ کہنے لگی۔ فریدا! اس آگ کی قیمت آٹکھ ہے۔ آٹکھ دے دو اور آگ لے جاؤ۔ آپ نے کہا کہ جس آٹکھ کی ضرورت ہو فوراً نکال لو۔ اور آگ دے دو۔ کیونکہ حضرت شیخ اٹھنے والے ہیں اور مجھے ان کے لئے وضو کا پانی گرم کرنا ہے۔ اس بڑھیا نے داہنی آٹکھ نکال لی اور آگ دیدی۔ حضرت فرید الدین گنج شکر آگ لے آئے۔ پانی گرم کر لیا اور حضرت

شیخ وضو کر کے اپنے کام میں مشغول ہو گئے۔ جب صبح ہوئی تو حضرت شیخ نے دوستوں میں حضرت بابا فرید الدین صاحب کو یاد فرمایا اور پوچھا کہاں ہیں۔ العرض حضرت فرید الدین صاحب ہوائے گئے۔ جب آئے تو آنکھ پر پٹی لکھے ہوئے تھے۔ حضرت شیخ نے پوچھا کہ آنکھ کیوں باندھ رکھی ہے۔ پنجاہی محاورہ میں عرض کیا کہ آگئی (خراب) ہو گئی ہے۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ پہلی سے سوائی ہو گئی ہے۔ کھوندو اور تمہاری نسل میں بھی میرا یہ نشان موجود رہے گا۔ ان کی بھی ایک آنکھ بڑی اور ایک چھوٹی ہوگی۔ دنیا دیکھے گی کہ پیر کی خدمت کا صلہ فرید نے کیا پایا۔ جب آنکھ کھولی تو واقعی صحیح سالم اور پہلی سے زیادہ تندرست اور بڑی تھی۔ اور آج تک آپ کی نسل میں یہ کرامت ظاہر ہے کہ ان کی ایک آنکھ بڑی اور ایک چھوٹی ہوتی ہے۔

بعض اہل اللہ نے لکھا ہے کہ شیخ کی محبت کو حجازی ہوتی ہے مگر یہی حجاز حقیقت کا پل ہے۔ اسی سے حقیقت کے اسرار کھلتے ہیں۔ اسی سے حقیقت کی راہیں نکلتی ہیں۔ اور اسی کے انوار کی صیبا میں منزل پائی جاتی ہے۔ یہ محبت حجازی ہی انسان کو تن بدن کا ہوش نہیں رہتے دیتی۔ حقیقی تو پھر بھی حقیقی ہے۔ اس کی سرشاریوں اور مے باریوں کا ٹھکانہ ہی کیا ہے۔ حجازی محبت کے لطفت و لذت سے قریباً تمام دنیا واقف ہے۔ اور جب اس کا کسی انسان پر دور دورہ ہو جاتا ہے تو اس کی کرشمہ کاریاں دیوانہ بنا دیتی ہیں۔ اگر ایک ہوش اور زہرہ جہیں کے رخسار آفتابی اور چشم سر مگیں، ہوش ربا و ہوش افکن ثابت ہوتے اور عقل و خرد پر برق خاطف بن کر گرتے ہیں تو جلوہ محبوب حقیقی کی ضیاء، پاشیوں اور اثر انگیزیوں کے متعلق کیا اندازہ ہو سکتا ہے جس کے ایک ذرہ میں صد ہزار حسن و جمال پوشیدہ اور ایک تھیلی صفائی میں لاکھوں طور خوابیدہ ہیں۔ جو لطفت و لذت اور سرشاریاں عشق حقیقی میں مضمر ہیں۔ ان کا حظ اور مزہ کچھ اہل اللہ ہی اٹھا سکتے ہیں۔ جنہیں اس مینخانہ محبت سے کم از کم ایک آدھ جرعہ ہی نصیب ہو گیا ہو دنیا کی تمام لذتیں ان کی نظروں میں ایک مٹی کا ڈھیلہ بن کر رہ جاتی ہیں۔ مبارک ہیں وہ دل جو اس تلاش میں نکل کر محو سراپہ ہو جاتے ہیں اور بابرکت ہیں وہ آنکھیں جو دیدار و انوار الہی سے ابدی ٹھنڈک پا جاتی ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے

بشکند دست کہ خم در گردن یارے نہ شد
کور بہ چشمتے کہ لذت گیر دیدارے نہ شد

محبت شیخ چونکہ محبت حقیقی کا زینہ ہے۔ اس لئے ہر طالب پر فرض ہے کہ پہلے محبت شیخ میں انتہا کرے۔ جب فنا فی الشیخ کی حیثیت حاصل ہو جائے گی تو یہ محب محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور محبت الہی میں قدم اٹھانے کے قابل ہو جائے گا۔ جو طالب شیخ ہی کے میدان مجاز میں ناکارہ رہ جائے وہ اس سے آگے قدم نہیں اٹھا سکتا یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ السلام نے ابتدائے محبت کا معیار یہ مقرر فرمایا کہ لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولده ووالده والناس اجمعین یعنی تم میں سے اس وقت تک کوئی شخص مومن کامل نہیں ہو سکتا جب تک ماں باپ، اولاد اور اپنی جان و مال اور سب دنیا و مافیہا سے مجھے بہتر نہ سمجھے۔ جب تک یہ درجہ محبت حاصل نہ ہو درویش محبوب حقیقی کی تلاش میں بڑھ نہیں سکتا۔ بعض آوارہ خیال انسان اس محبت کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ پیر پستی شرک و بدعت ہے۔ یہ درویشی کے مدعی پیر پری معرفت الہی کے نشانات تلاش کرتے ہیں اور اسی کے تصور میں خدا کا سراغ لگانے کو سرگرداں رہتے ہیں۔ بھلا ایک بندے پر ظہور حق ہو نا اور ذات واحد کا آنا کیونکہ معرفت کے معنی کو حل کر سکتا ہے۔ مگر وہ بے راہ و انسان یہ نہیں سمجھتے کہ اگر وہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے درخت پر اور طور پہاڑ پر جلوہ فرمائی کر سکتا ہے تو ایک منظر صفا پر اور ایک مقدس انسان پر کیوں ظہور نہیں فرما سکتا۔ جس کی تائید اقبال مرحوم نے یوں کر دی ہے۔ کہ

تو برنخل کیلیمے بے محابا شعلہ می ریزی تو بر شمع یلتمی صورت پر دانہ می آئی

شوق حضور عوث الاعظمؓ فرماتے ہیں کہ عام شوق اچھی چیز ہے۔ لیکن بہترین شوق وہ ہے جو مشاہدہ کے بعد پیدا ہو اور دیکھنے اور سننے کے بعد بھی اس میں سستی اور سردی نہ آئے۔ صحبت سے زائل اور قرب سے دور نہ ہو بلکہ دیدار و ملاقات کے ساتھ ساتھ ہر لحظہ بڑھتا رہے۔ بزرگوں نے لکھا ہے کہ شوق کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے اسباب و محرکات سے پاک ہو جائے۔ یعنی اس سے حظ نفس مقصود نہ ہو۔ کیونکہ مشاہدہ اسی وقت ہوتا ہے۔ جب شوق حقیقی ہو۔ اور پھر مشاہدہ ہی سے مشاہدے کا شوق بڑھتا چلا جاتا ہے۔

خوف۔ شوق کے ساتھ طالب کے لئے خوف کا ہونا بھی لازمی ہے۔ بعض اوقات طالب شوق کی منزل طے کرتا ہوا اس قدر نڈر اور بے خوف بھی ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی شایان شان کلام سے آگے بڑھ مارنے شروع

کر دیتا ہے اور بہت سی بے ڈھب بولیاں بولنے لگتا ہے۔ جس کا نتیجہ نقصان و دوری و فقدانِ حضوری ہوتا ہے۔ لہذا ہر لحظہ حفظِ کلام و مراتب ہوتا چاہئے۔

خوف کی کئی قسمیں ہیں۔

۱۔ ایک گنہگارِ دل کا خوف ہوتا ہے جو عذاب و عتاب کے باعث پیدا ہوتا ہے۔

۲۔ عابدِ دل کا خوف ہے جو اس خیال سے ہوتا ہے کہ مبادا ان کی عبادت کا ان کو ثواب نہ ملے یا کم ملے۔ یا عبادت ہی نامعقول و نامقبول ہو جائے۔

۳۔ عاشقانِ الہی کا خوف ہے۔ جس میں یہ اندیشہ حبالِ گسل رہتا ہے کہ کہیں دیدارِ جمالِ حقیقی اور لقائے الہی کی فائزِ اہرامِ بہاں معدوم یا کم نہ ہو جائیں۔

۴۔ عارفین کا خوف ہے جو سب سے بلند اور سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ جو ہر وقت اور ہمیشہ لگا رہتا ہے جس کا باعث عظمت و ہیبتِ الہی ہوتی ہے۔ جملہ جوں خدا نے قدوس کی معرفت پرستی اور قربت ہوتی جاتی ہے۔ تو تو ان کے لئے قدرتاً اس پیکرِ کبریائی کی عظمت و ہیبت کے راز کھلتے جاتے ہیں اور اس ہیبت سے از خود خوف پیدا ہوتا جاتا ہے۔ جو لوگ تقرب الی اللہ میں زیادہ قریب ہوتے ہیں وہی خشیت کے مسئلہ میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے بھی ہوتے ہیں۔

تصورِ شیخ چونکہ ابتداء میں تنہا ارادتمند کیلئے ذکرِ اذکار میں دل لگانا اور بے نشان دوڑ کر مقصود کو پانا ذرہ دشوار ہوتا ہے۔ اور وہ نہیں سمجھ سکتا کہ میری راہ میں کیا کیا خطرات ہیں۔ اور ان میں میرے لئے مفید اور غیر مفید کون کون اور کیا کیا چیزیں ہیں۔ لہذا اس کے بہک جانے اور دل چھوڑ جانے کے خیال سے بزرگانِ دین بیعت کے وقت تصورِ شیخ بھی تلقین فرماتے ہیں۔ تاکہ مریدِ فرمودہ تذکار و اوراد پر مستقیم اور منکشف حالات پر فہیم رہے۔ اور یہ نہایت موثر اور سہل ترین راہ ہے۔ فقیر کے سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے علاوہ حضراتِ نقشبندیہ بھی کمالِ پابندی کے ساتھ اس کی تعلیم دیتے ہیں۔ اور اس کا نام شغلِ رابطہ رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ نے تو یہاں تک اس کی تاکید فرمائی ہے کہ اس کے بغیر ذکرِ بے رابطہ (موصل الی اللہ ہی نہیں ہے۔ اور رابطہ بغیر ذکرِ موصل ہو سکتا ہے۔ اور اس کی دلیل میں بعض

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا یہ قول پیش فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ کائناتی النظرائی و جیس ساقیہ - گویا میں آپ کی پڈلیوں کی چمک دیکھ رہا ہوں - اور یہ بھی فرماتے ہیں کہ ارادتمند جس وقت ذکر کرتے بیٹھے اس وقت شیخ کی صورت کو اپنے روبرو خیال کرے اس سے وہ وساوس شیطانیہ و خطرات نفسانیہ سے محفوظ رہے گا - اور یہ تصور اس کو یک سوئی کے لئے تجلی گاہ کا کام دیگا بعض حضرات نے رابطہ سے مراد تصور شیخ نہیں بلکہ محبت شیخ مراد لی ہے اور وہ فرماتے ہیں - کہ تصور شیخ کا ثبوت حدیث شریف اور ارشادات متقدمین میں نہیں ہے - لہذا محض محبت شیخ بھی طالب کو کامیاب بنا سکتی ہے - گویا تصور بے ثبوت و بے اصل چیز ہے جس سے پرہیز بہتر ہے - اور بعض لوگ تو اس کو شرک سے تعبیر کرتے ہیں - جو حد سے بڑھتا ہے - اور تصور شیخ تو درکنار رہا بعض وہ لوگ پیدا ہو گئے ہیں جن کے نزدیک تصور حضور رسول علیہ السلام اور تصور انوار ذات الہی بھی نمود باللہ مگر اہی ہے نام نہاد صوفی اس الرحمن صاحب بھوپالی ہی کو لے لیجئے - اپنی کتاب کے صفحہ ۸۲ پر لکھتا ہے - کہ فتائی الشیخ اور فتائی الرسول کھلا ہوا شرک ہے - اور جن کو مشاہدہ ذات ہو رہا ہے یہ لوگ درحقیقت شیطان کی چھپٹ میں آگئے ہیں - پھر صفحہ ۸۳ پر لکھتا ہے کہ حال اور کیفیات بھی سب شیطانی تصرفات کا نتیجہ ہیں - لا حول ولا قوۃ الا باللہ - ان لوگوں کا یہ دھم شاید اس خیال سے ہو کہ اس میں پرستش کا شبہ ہو سکتا ہے - مگر یہ صحیح نہیں، نہ یہاں پرستش کی نیت ہوتی ہے اور نہ ہی غرض - بلکہ تصور شیخ کا مقصد وہی ہے جو اوپر ذکر ہوا ہے - اور اس کے بہت سے فوائد ہیں -

۱۔ وظیفہ کے وقت میں تصور رکھنے سے لکھوٹی ہو جاتی ہے - اور خیالات باطلہ اور اوہام کا ذہن نہیں آتے جیسے کہ نماز میں حضور قلب یا روبرو قتلہ ہونے کی یہی غرض ہے - جس طرح کعبہ مسجود علیہ ہے مسجود نہیں بنتا - یعنی اس کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے - اس کو نہیں کیا جاتا - اسی طرح وظیفہ کرتے وقت تصور شیخ سے پرستش مقصود نہیں - بلکہ مقصود کے حصول کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے - اسی یک سوئی کے لئے تو موسیٰ علیہ السلام کو حصول معرفت کے میدان میں رکتی آرنجی کا جواب دیتے ہوئے انظر الی الجبل فرمایا گیا تھا - تاکہ بغیر تعین بہت موسیٰ علیہ السلام دیدار کے لئے متردد نہ ہوں

اوپر نیچے، دائیں بائیں۔ مشرق مغرب، شمال جنوب۔ آسمان زمین جہاں سے ہوگا اور کیونکر ہوگا۔ کیسوی کے لئے پتھر کو تجلی گاہ قرار دیا اور پہاڑ پر متوجہ کر کے پھر تجلی فرمائی۔ حالانکہ بغیر اس کے بھی وہ تجلی ممکن تھی اس سے پتھر تجلی گاہ قرار پاتا ہے۔ نہ کہ حقیقتاً جواب رَبِّ ارِنِي اَنْظُرَ الْكَائِبِ۔ پھر حب موسیٰ علیہ السلام خدا کے اور اپنے درمیان ایک پتھر ملی و چوٹی تجلی گاہ پیدا ہو جانے میں حق بجانب ہیں۔ تو یہ راجحہ یعنی تصور شیخ کیوں حرام ہو جائے گا۔

نمازیں حضوری کے متعلق حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ جب نمازی التہیات میں درود پڑھنے لگے تو یوں کرے فَاحْضُرْ فِي قَلْبِكَ السَّيِّئَةَ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَشَخْصَهُ اَكْبَرِي ثُمَّ تَقُولُ مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا السَّيِّئُ وَرَحْمَةُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ یعنی پہلے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تصور میں حاضر کر پھر خوب تشخیص و غور سے کام لے کہ حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ پھر حب پتہ چل جائے کہ حضور ہی ہیں۔ تو پھر درود و سلام بھیج۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ اگر تصور سے نماز فاسد ہو جاتی یا شرک ہوتا تو امام غزالیؒ جیسا محقق اور حجۃ الاسلام اس تصور نبی علیہ السلام کی ترغیب نہ دیتا اور ایسا کرنا شریعت کی خلاف سمجھتا ہے۔ تصور شیخ کا یہ بھی فائدہ ہے کہ شیخ کی حضوری کے لئے غیبت میں تصور بھی طالب طریقت و حقیقت کو وہی کام دیتا ہے جو شیخ کی حاضری میں ہوتا ہے۔

۳۔ بعض اوقات تصور شیخ سے ہی بہت سی مناسبات سے طالب باز رہتا ہے۔ اور وہی اس کو بُہان رہتی ہو جاتا ہے۔ اور اس پر بزرگانِ دین کے اس حد تک واقعات شاہد ہیں۔ جن کی تفصیل یہاں پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہوگا۔

۴۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تصور شیخ سے بڑے بڑے کام نکلتے ہیں اور دنیوی معاملات میں ارادتِ الیسا کامیاب ہو جاتا ہے جو کامیابی اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں ہوتی۔

۵۔ بعض فقرائے اپنا تجربہ لکھا ہے کہ نسبت ارادت کے نامکمل ارادت مندوں کو تصور ہی کی تفصیل شیخ کے دنیا سے پردہ پا جانے کے بعد وہ راز کھلتے ہیں اور اگلی منازل کے سبق ملتے ہیں جو

کسی دوسرے پر سے مل کر حاصل کرنے سے بدرجہا بہتر و کامیاب بنانے والے ثابت ہوئے ہیں۔
 ۷۔ اگر غور کیا جائے تو تصور ہی محبت و متنفر کا بنیادی پتھر ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو نہ کامل کامل نظر آئے اور نہ ناقص ناقص۔ نہ بھلا بھلا اور نہ بُرا بُرا سمجھ میں آ سکے۔ وہ حضرات جن کی تحقیق یہ ہے کہ نماز میں گھوڑے، گدھے، بلی، بندر کا تصور آجائے تو نماز نہیں ٹوٹتی اور حضور علیہ السلام کا تصور آجائے تو ٹوٹ جاتی ہے۔ ان کو یہ خیال فرمانا چاہئے کہ نماز ادا کرنے کے لئے آپ ہی تو فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو نماز میں سمجھ کر پڑھو۔ اور جب سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ تو الحمد سے لے کر آخر سورہ ناس تک تمام کائنات کا تصور سامنے آجاتا ہے۔ جس میں نبی، خدا، ملائکہ، شیطان، مخالف و مطابق جماعتیں، زندے، مردے، غرضیکہ ارض و سما و ما فیہا تمام شامل ہوتے ہیں۔ پھر اس کا کیا علاج ہوگا۔ مثلاً اِذَا حَضَرَ یَحْیٰی الْمَوْتَ والی آیات پڑھی جائیں تو کہیں یعقوب علیہ السلام چار پائی پر بیمار نظر آتے ہیں۔ تو کہیں ان کے صاحبزادے پاس کھڑے اقرارِ توحید کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ سورہ یوسف پڑھیں تو تمام کائنات کا نقشہ جو حضرت یوسف علیہ السلام سے منسوب ہے۔ کہیں بیٹوں کا باپ سے مکالمہ، کہیں بھائیوں کی یوسف سے بے ہری۔ کہیں یوسف کا کنوئیں میں گرنا، نظر آنا، کہیں تاجروں کا یوسف کو خریدنا۔ کہیں زلیخا اور اس کا محل۔ کہیں طلبِ مطلب و جلبِ منفعت کا قصہ۔ کہیں جبلِ جبل جانے کا منظر۔ کہیں مصر میں بھائیوں کی حاضری اور یوسف علیہ السلام کا تختِ مصر پر متمکن ہونا، کہیں خواب کی صداقت کا ظہور اور ماں باپ و بھائیوں سے سجدہ تعظیمی کا عمل سب کچھ سامنے آجاتا ہے علیٰ ہذا نقیلاً تمام قرآن کریم سمجھ کر پڑھنے سے یہی ہوگا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ یہ تصور نہیں تو کیا ہے۔ اور تصور شیخ ناجائز ہے تو اس کے عدم جواز کی کوئی دلیل ہوگی۔

۸۔ تصور شیخ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام بھی بعض اوقات مبتدی کو اسی کی بدولت طلب فرما لیتے ہیں۔ یا یوں سمجھئے کہ اس کی برکت سے مرید دربارِ رسالت میں پہنچ جاتا ہے۔ اور اسی کی وجہ سے اس پر معرفتِ نبوت کا دروازہ کھلتا ہے اور یہی اس کے انجامِ کار کا وسیلہ ہوتا ہے۔
 ۹۔ مریدِ مبتدی تصور کی بدولت پیر کی مصوری میں مودب رہتا ہے اور غیبت میں

لبورت مراقبہ حاضر ہونے کا ثمر حاصل کرتا ہے۔

۹۔ تصور شیخ کی برکت سے شیخ کے جذبہ کی صفت مرید میں اکثر اثر کر جاتی ہے۔ اور یہاں تک ہوتا ہے کہ جہاں شیخ کی نگاہ ہو وہاں اس کی بھی کام کرنے لگتی ہے۔ اور ارادت کا اثر اور اس کی معینہ کیفیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

مراقبہ مراقبہ کا معنی ہے انتظار کرنا۔ مگر اعمال تصوف یا اصطلاح فقراء میں گردن جھکا کر قلبی نورانی کوالف کے منتظر ہونے کا نام ہے اور بعض محققین نے اس کے معنی ایک دوسرے کو دیکھنے اور اپنی توجہ قلبی کو رقیب کی جانب کھٹرنے کے بھی کئے ہیں۔ رقیب اللہ کریم کے ناموں سے ایک نام بھی ہے۔ صوفیا کہتے ہیں کہ مراقبہ اسی قلبی حالت کا نام ہے۔ جو ایک قسم کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے۔ اور اس حالت سے کچھ اعمال اعضا میں اور کچھ قلب میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اور یہ حالت دو قسم کی ہوتی ہے۔ اول یہ کہ ہر وقت رقیب قلب کو تاکنا اور اس کی طرف مشغول و متوجہ رہنا۔ اور ہمیشہ اسی کو ملاحظہ کرنا ہے۔

دوئم یہ کہ اسماء الہی میں سے کسی اسم کے معنی یا کسی لفظ یا آیت قرآنی یا عبارت غیر قرآنی کے معنوں میں دل کے خیال و تصور و توجہ کو ایسا متوجہ کرنا کہ وہی حالت اس کے قلب پر ایسی طاری ہو کہ وہ خود معنی بن جائے اور اپنی خبر بھی نہ رہے۔ اور جس معرفت سے یہ حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ یہ ہے کہ خداوند عالم جل شانہ کو اپنے قلب میں خفیہ و ظاہر باتوں اور باطن کے احوال کا پورا عالم جاننا اور اپنے جمیع اعمال کے پورے اکتساب پر زبردست رقیب سمجھنا۔ کیونکہ اگر رقیب اس پر ایسے عیاں ہوتے ہیں جیسے نصیف النہار کا سورج بلکہ ہر ذرہ کی حرکت و حقیقت اس سے ہر لحظہ پوشیدہ نہیں۔

حضرت خواجہ شمس الملک شاہ بہار الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارفت باللہ جن اسباب و علل سے خلق تعالیٰ کی راہ پاتا ہے ان میں سے ایک مراقبہ بھی ہے۔ جس کو اہل اللہ نے یوں بیان فرمایا ہے۔ کہ وَالْمُرَاقِبَةُ نَسِيَانُ رُؤْيَا الْمَخْلُوقِ بِدَوَاءِ النَّظَرِ إِلَى الْخَالِقِ۔ یعنی مخلوق کی رویت کو بھول کر ہمیشہ خالق کی طرف دیکھتا مراقبہ کہلاتا ہے۔

مولانا حمید الدین شاشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراقبہ و حقیقت انتظار ہے اور مراقبہ کی حقیقت اسی انتظار سے ہے کہ نہایت میسر ہو۔ ایسے انتظار کی تحقیق کے بعد کہ جس کا طور و علیہ محبت کی وجہ سے ہے۔ اس انتظار

کے حصول کا نام مراقبہ ہے۔ اور اس انتظار کے سوائے اور کوئی رہبر نہیں۔

خواجہ علاؤ الدین عطار فرماتے ہیں کہ مراقبہ کے طریق میں کوشش کرنے سے وزارت اور ملک ملکوت کے تصرف کرنے کے مرتبہ تک پہنچ سکتے ہیں۔ اور دلوں پر جھانکنا اور مہربانی کی نگاہ سے دیکھنا باطن کو روشن کر دینا۔ صرف مراقبہ کا کام ہے۔ ہمیشہ مراقبہ کرنے سے تسلی خاطر اور دلوں کا قبول کرنا حاصل ہوتا کرتا ہے۔ اس مطلب کو جمع قبول کہتے ہیں۔

یاد رہے کہ کمال مراقبہ کا عمل دل کی پابندی پر منحصر ہے۔ جب دل متوجہ الی اللہ یا غیر اللہ ہوتا ہے۔ تو سب اعضاء بھی اسی جانب متوجہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ یہ سب دل ہی کے تابع ہیں۔ اور نتیجہ مراقبہ کا یہ ہے کہ تصور محبوب میں ایسا مستغرق ہو کہ کسی شے کی بھی خبر نہ رہے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ایک شخص کو فرمایا راقب اللہ۔ تو اس نے عرض کیا کہ اس کے مفہوم اور معافی سے بھی آگاہ فرما دیجئے۔ میں نہیں سمجھ سکا۔ آپ نے فرمایا کہ ہر لحظہ اسی طرح پر رہو کہ تم خدا کو دیکھتے ہو۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَرَكَ تَرَكَ فَاِنَّهُ يَرَاكَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت اس طور پر کر کہ گویا تو اس کو دیکھتا ہے پس اگر تجھ کو اس کے دیکھ سکے والی بات اور منزل حاصل نہ ہو تو اتنا ہی سمجھ کہ وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ اس حدیث میں پہلا پہلا مقام کہ تو اس کو دیکھتا ہے) مشاہدہ ہے اور دوسرا مقام مراقبہ۔ پس درویش کو ہر وقت اسی کیفیت میں رہنا چاہئے کہ خدا مجھ کو دیکھتا ہے۔ اور میں اس کو دیکھتا ہوں۔ اگر اس حالت میں ہمیشگی نہ ہو سکے تو عبادت کے مواقعات پر۔ تو پابندی لازمی ہونی چاہئے۔ کیونکہ ہر نماز و ذکر سے فارغ ہو کر مراقبہ کرنا درویش کی حقیقی فلاح کا موجب بن جاتا ہے۔

بعض حضرات نقشبندیہ فرماتے ہیں کہ اصل مراقبہ یہ ہے کہ طالب اپنے آپ کو عاجز اور محتاج سمجھ کر اس فیاض کی بارگاہ سے فیض کا انتظار کرے۔ اور کسی لطیفہ پر اتنا ہوا اس کو خیال کرے اور نگاہ دل کی ٹٹکی ایسی بندھ جائے جیسے بتی جو ہے کی انتظار میں اس کے بل پر بغیر حس و حرکت کے بیٹھتی ہے۔ یا بگلا پانی کے کنارے پر مچلی کے تصور میں ایسا محو و سہو ہو کہ بیٹھتا ہے کہ اس کے جسم کی حرکت تو درکنار اس کی مرگاں کو بھی جنبش نہیں ہوتی اور نگاہ تک نہیں ہلکتی۔ اس مراقبہ کے لئے وہ یہ طریق ذکر کرتے ہیں کہ اول اپنے قلب کو حضور علیہ السلام کے قلب مبارک کے

دور و خیال کر کے بارگاہ الہی سے التجا کرے کہ الہی تیری تجلی افعال کا فیض ہو قلب مبارک حضور محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضرت آدم علیہ السلام کے قلب میں پہنچا ہے وہ اس عاجز کے قلب میں بھی پہنچا اور اسی انتظار میں جو ہو جائے۔ بفضل اللہ تعالیٰ فتائے قلبی تجلی افعال میں ہوگی۔ یعنی یہ حالت طاری ہوگی کہ مراقب اپنے اور تمام جہان کے افعال کو اسی وحدہ لا شریک کا فعل جانتے لگے گا۔ اور کسی کا فعل اس کی نظر میں نہ رہے گا۔ اور ماسوائے اللہ کی محبت کے کوئی خطرہ بھی دل میں نہ آئے گا۔

قادری حضرات فرماتے ہیں کہ کوئی ایک آیت قرآنی یا اسماء الحسنیٰ سے کوئی اسم سلنے رکھ کر زبان تصور سے پڑھے اور اس کے معنی کی طرف متوجہ ہو۔ اور اس اسم کے مفہوم میں اس طرح مستغرق ہو کہ کوئی دوسری چیز اس کے درمیان میں حائل نہ رہے۔

یہاں یہ ذکر کر دینا فائدے سے خالی نہ ہوگا۔ کہ حضرات صوفیاء کرام و اولیاء عظام ہر چہ اس سلسلہ نے اپنے اپنے طریق کار کے ماتحت اقسام مراقبہ میں سے زیادہ بیان فرمائے ہیں۔ جو فقیر مولف کو بھی بذریعہ بزرگان طریقت بصورت تقریر و تحریر پہنچی ہیں۔ ان میں سے اول وہ ہیں جن کو حضرات قادریہ مراقبات خمسہ لکھتے ہیں۔ یعنی :-

- ۱۔ مراقبہ نذرت ہو **إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ** اللہ قادری پر کیا جاتا ہے
- ۲۔ مراقبہ معیت ہو **وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ** اللہ معی پر کیا جاتا ہے
- ۳۔ مراقبہ شہادت ہو **فَأَيُّهَا تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ** اللہ شاہدی پر کیا جاتا ہے
- ۴۔ مراقبہ نصرت ہو **أَلَمْ يَعْلَم بِمَا تَدْعُوا** اللہ نامری پر کیا جاتا ہے
- ۵۔ مراقبہ حضوری ہو **وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُحِيطٌ** اللہ حاضری پر کیا جاتا ہے
- ۶۔ مراقبہ انانیت ہو **بَلْفُظُّ أَنَا** بشار اکیس بار ہوتا ہے۔

دوئم وہ مراقبات ہیں جو عام بزرگان دین کے عمل سے ثابت ہوتے ہیں۔ مثلاً

- ۷۔ مراقبہ نوری ہو **اللَّهُ نُورُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** پر کیا جاتا ہے
- ۸۔ مراقبہ فنا ہو **كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ** پر کیا جاتا ہے
- ۹۔ مراقبہ معیت ہو **وَهُوَ مَعَكُمْ** پر کیا جاتا ہے

۱۰۔ مراقبہ ہر دست ہو **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ** پر کیا جاتا ہے۔

۱۱۔ مراقبہ قدس جو حجرہ تاریک میں چشم کشادہ سے ایک جگہ نظر جما کر اور دل میں **إِنَّا لَوَادِعُ الْمُقَدَّسِ طَوًى** کا تصور رکھ کر کیا جاتا ہے۔

۱۲۔ مراقبہ ہفت گام پنج مراتب۔ ہفت گام سے مراد سات صفات ذاتی۔ یعنی حیات، علم، ارادہ، قدرت، سمع، بصر، کلام ہیں اور پنج مراتب ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، باہوت ہیں اور ان پنج مراتب کو بہر اشارہ کا ملین عوالم خمسہ (پنج عوالم) بھی بیان فرمایا گیا ہے۔

ا۔ باہوت۔ وہ عالم ہے جہاں نہ اپنی خبر اور نہ اس بے خبری کی خبر

ب۔ لاہوت۔ جہاں اپنی خبر ہوتی ہے اور الوہیت کا دعویٰ

ج۔ جبروت۔ جہاں اپنے وجود سے بالتفصیل شناسائی ہوتی ہے۔

د۔ ملکوت۔ یہاں اپنی تسبیح و تہلیل میں آپ مشغول ہوتا ہے۔

۴۔ ناسوت۔ یہی عالم ظاہر جہاں ہر منظر میں خود ظاہر ہے۔ یا یوں سمجھئے کہ جب خواہشات بن پڑا ناسوت

میں ہے۔ جب اپنی حمد و ثنا میں مشغول ہوا ملکوت میں ہے۔ پھر جیب اپنے آپ کو بچا نا جبروت میں ہے۔ اور

جیب رانی و آخا کا نعرہ مارا لاہوت میں ہے۔ اور جب سب حالتیں گم ہیں یعنی غیب مطلق تو باہوت

میں ہے۔ یا دوسری صورت میں یوں خیال کیجئے کہ باہوت، لاہوت کا اور لاہوت جبروت کا اور جبروت

ملکوت کا اور ملکوت ناسوت کا باطن ہے۔ اور یہ مراتب جہات سے پاک ہیں۔ نہ اوپر نہ نیچے، نہ دائیں

نہ بائیں، نہ آگے نہ پیچھے۔ اور یہاں زمانہ کو بھی دخل نہیں۔ بلکہ یہ مراتب کی تقدیم و تاخیر محض افہام و تفہیم

(سمجھنے، سمجھانے) کا مشغلہ ہے۔ ورنہ ذات حق جل و علا شانہ سب سے پاک و منزہ و مبرا ہے۔ اور

الآن کما کان یعنی جیسی پہلے تھی ویسے ہی اب بھی ہے۔ اور ویسے ہی ہمیشہ رہے گی۔ پھر ہر مرتبہ

میں یہ تصور کرے کہ وہ ذات پاک بحیات خود تجی ہے۔ بعلم خود علیم ہے۔ بارادت خود مرید ہے۔ بقدرت

خود ذریعہ ہے۔ بسمع خود سمیع ہے، ببصر خود بصیر ہے۔ اور بکلام خود کلیم ہے۔

سوار۔ مراقبہ بحری۔ اپنے آپ کو بحر ذات سمجھے اور باقی اشیاء حجاب جو اس میں فنا ہو رہے ہیں۔

۱۴۔ مراقبہ قرب نوافل۔ جس میں۔ سالک یہ تصور کرتا ہے کہ میں فاعل ہوں اور خدائے واحد آلہ ہے۔

۱۵۔ مراقبہ قرب فرائض یعنی خدا فاعل ہے اور بندہ اس کا آلہ ہے۔

۱۶۔ مراقبہ عین جو نہ قرب نوافل اور نہ قرب فرائض بلکہ عین ہے۔ یعنی وہ خود ہی۔ حتیٰ، سمیع، بصیر، علیم، دہیگرہ سب کچھ ہے۔

ان مراقبات کے علاوہ فقیر کے شیخ حضرت قبلہ عالم شیخ الاعظم پیر یکرم زبیدۃ الاصفیاء قدوة الاولیاء متخلی باخلاق اللہ ذوالکرم والمجد مولانا خواجہ غلام محمد سہروردی مدنیوضہ کلمہ شریف تجید کے ماتحت چار مراقبے اور تعلیم فرمایا کرتے تھے۔
تسبیحی۔ تحمیدی۔ تہیلی۔ تکبیری۔ جنکی تشریح اس طرح پر ہے۔

۱۷۔ مراقبہ تسبیحی۔ جو سبحان اللہ کے تصور پر کدورت نفس کی پاکیزگی کے لئے کیا جاتا ہے۔

۱۸۔ مراقبہ تحمیدی۔ جو الْحَمْدُ لِلّٰہ کی حقیقت کو محمود بالہ بننے کے لئے کیا جاتا ہے۔

۱۹۔ مراقبہ تہیلی۔ جو لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے تصور پر نفی اثبات کے درود کے لئے کیا جاتا ہے۔

۲۰۔ مراقبہ تکبیری جو اللّٰہ اَكْبَرُ کے تصور پر حجاب کبریائی کے عبور کے لئے کیا جاتا ہے۔

سالکان راہ کو عملی کیفیت معلوم کرنے کے لئے اہل اللہ حضرات کے بابرکت آستانوں پر بوسہ زن ہونا چاہئے۔ کیونکہ وہی حضرات اس راہ کی باریکیوں کو سمجھنے والے اور وہی قلب و روح کی تارکیوں کو دور کرنے والے ہوتے ہیں۔



مبادیات کے نتائج

گذشتہ بحث میں یہ امر واضح ہو گیا ہے کہ طالب کے لئے چند اعمال و اشغال و اذکار و آثار ایسے ہیں۔ جن پر عمل پیرا ہو کر وہ معرفت الہی کے لئے اپنے آپ کو تیار کر سکتا ہے۔ اور مبادیات میں اس کا علم و عمل اس پر یہ ثابت کر دیتا ہے کہ شریعت اس کا لباس ہے اور طریقت جسم۔ حقیقت روح اور معرفت ذات حق۔ یعنی شریعت اقوال و افعال طریقت اخلاق و احوال۔ حقیقت صفات و ذات اور معرفت علم و یقین ہے۔ اور اس کے بغیر وہ کسی کام کا نہیں کیا جہاں سے اس نے ظاہری زندگی سنوارنے کا درس لیا ہے۔ وہاں ہی سے اس کو شناخت حق کا بھی سبق ملے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ اس کے ظاہر کا معالج ایک ہو اور باطن کا دوسرا۔ یہ سب کچھ ایک اور صورت ایک ہی ذات میں مجتمع ہے۔ جس کا نام نامی و اسم گرامی حضور سرور کائنات فخر موجودات مختار شش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کیونکہ حضور ہی نے تعلیم حصول ہفت اقلیم فرمائی ہے۔ اور حضور ہی نے بقا باللہ کی منزل سمجھائی ہے۔ اس علم میں ایک ہی حدیث تمام و کمال تخلیقات و معتقدات کا سرچشمہ ثابت ہوتی ہے۔ یعنی الشریعۃ اقوال و الطریقۃ افعالی و الحقیقۃ احوالی و المعرفۃ اسرار۔ ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شریعت میرے قول اور طریقت میرے فعل اور حقیقت میرے حال اور معرفت میرے بھید کے پائے کا نام ہے۔ گویا چاروں کیفیتوں کی ابتدا بھی اور انتہا بھی حضور ہی کی ذات مقدس ہے۔ جسے معرفت نبوت حاصل نہیں اسے معرفت الہی سے دور کا بھی تعلق نہیں ہو سکتا۔

صوفیاء نے لکھا ہے کہ طالب جب اتباع شریعت و طریقت میں یہاں تک پہنچ جائے کہ اللہ وحدہ لا شریک لہ پر ایمان کامل رکھے اور حضور علیہ السلام کو بھی نبی برحق سید الانبیاء و خاتم المرسلین جانے، اپنی ایذا کے بدلہ میں کسی کی ایذا نہ دے۔ محرمات سے محترز رہے۔ مشبہات میں توقف کرے۔ کسی کی پردہ دری کو کام میں نہ لائے تاکہ وہاں دوسرا ہو۔ کسی کو بُرا نہ کہے۔ امانت میں خیانت نہ کرے۔ فیبت سے بچے۔ کم سخن بے۔ اور قہقہہ نہ مارے۔

جھگڑوں سے پرہیز کرے۔ اپنے نفس کو ذلیل سمجھے۔ فضول باتوں اور نامعقول مجلسوں سے اجتناب کرے۔ غافل کو نصیحت اور بدعمل کو ہدایت دے۔ عبادات و معاملات میں جو بات معلوم نہ ہو اس کے جلنے کی سعی کرے۔ عبادات الہی فرستی و نفلی میں زیادہ مصروف رہے۔ روزے زیادہ رکھے۔ اپنے اذکار و اشغال کے لئے پابندی و وقت لازم پکڑے۔ ذریعہ معاش میں ہر لمحہ پاکیزگی و حلال کو ملحوظ رکھے۔ سراسر بازی کا شیوہ اختیار کرے۔ غریبوں کا حامی اور یتیموں کا مددگار رہے۔ بڑوں کی تعظیم کرے۔ اور چھوٹوں سے شفقت کے ساتھ پیش آئے۔ افشائے راز نہ کرے۔ بغض و حسد کی نو سے علیحدہ رہے۔ صابر و شاکر و قانع و حلیم بنے۔ غربا سے سلوک، امرا سے پرہیز اور مساکین کی خدمت کرے۔ ہمسایوں اور اقارب کے حقوق کو نگاہ رکھے تو اس کے لئے معرفت الہی کی اہمیت کا امکان ہو سکتا ہے۔ اور اس پر وہ کیفیتیں کھلتی ہیں۔ جن کی اہل اللہ متقدمین و متاخرین رحمہم اللہ تعالیٰ نے نشان دہی کی ہے۔ مثلاً

اخلاق و علم | اس کی ادنیٰ اسی اخلاقی حالت یہ ہوگی۔ کہ ہر غلام و آقا، راعی و رعایا اس کی تعظیم و توثیر کو فخر سمجھیں گے۔ امرا و غرباء بندہ بے دام ہوں گے۔ ہم صحبت و ہم مجلس ہر ایک ہی خیال کرے گا کہ اس کی عنایت مجھ

پر سب سے زیادہ ہے۔ قرابت دار اس کے ممنون احسان اور ہمسائے اس کی تعریف میں رطب اللسان رہیں گے۔ نذرانوں اور تحفوں پر اس کی نظر نہ ہوگی۔ اپنی ذات کی وجہ سے کسی سے ناراض نہ ہوگا۔ کسی بات میں خدا کا نام پاک رکھ کر اس کے سامنے پیش کی جائے تو سو فیصدی یقین کرے گا۔ خدا کے حکموں میں سخت گیر اور نرمی سے سمجھانے والا ہوگا۔ سائل کی ہر حاجت کو نگاہ رکھے گا۔ اور حتی الامکان پورا کرے گا۔ فحش اور ہیودہ کلام پر پرہیزگار ہوگا۔ غرضیکہ خوش اخلاقی، خندہ روئی، دردمندی، رقیق القلبی، رافت و رحمت، کریم النفسی، عالی ہمتی، بلندوصلگی، خوش مزاجی، وعدہ و وفائی، عہد کی پختگی اور حباً للہ و بغضاً للہ کا مجسمہ ہوگا۔ علیم ظاہری و باطنی کا حامل ہونا اس کی پہلی شرط ہوگی۔ کیونکہ جاہل عابد کے تمام کام سنورنے کی بجائے زیادہ بگڑتے ہیں۔ تنہائی اور عزلت گزینی بھی علم ہی کے بعد موثر ہو سکتی ہے۔ جب تک چراغ علم و شریعت کی روشنی میں عبادت نہ ہو چندال کیفیت انگیز نہیں ہوتی۔ بعض درویش ظاہری علم سے گوبے برہ ہوتے ہیں مگر اتباع شریعت و اتباع شیخ عامل شریعت سے مولا کریم ان کو وہ علیم لدنی عطا فرما دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے ان کا چراغ طریقت کسی حالت میں بجلی گل نہیں ہوتا۔ اور ان کا نفس ان کی غلامی میں مغلوب و ساکن ہو جاتا ہے۔

تفکر اللہ تعالیٰ اپنے مومن اور سعادتمند بندوں کی تعریف میں فرماتے ہیں کہ وہ زمین و آسمان کی پیدائش میں نہ کرتے ہیں اور جب دیکھتے ہیں کہ سطح عالم کی ہر شے اپنے خالق کا پتہ دے رہی ہے۔ اپنے مستقر پر ہے اور اس کی قدرت و صنعت کی منظر ہے تو پکارا مٹھتے ہیں کہ ہمارے پروردگار تو نے جہان کی کوئی چیز بیکار نہیں پیدا فرمائی اور وہ اسی طرح اپنے معبود کی معرفت حاصل کر کے اپنے ایمانوں کو مضبوط کر کے جلائیے۔ تدبیر و تفکر ایمان کی جان اور عبادت کی روح ہے۔ اس لئے درویش کو لازم ہے کہ معرفت الہی میں کوہیت نہ یا وہ کلام میں لائے۔ کیونکہ تفکر ہی معرفت الہی کا زینہ ہے۔ تفکر کے معنی کسی کام یا امر یا شے یا عبادت یا کلام میں غور و تامل اور خوبصورت فکر کرنے کے ہیں۔ اور اذکار و اشتغال اور مراقبات کے بعد تفکر ہی کا مرتبہ ہے۔ یعنی جب آئینہ دل اذکار و اشتغال سے مصفا ہو جاتا ہے تو کاملین ہمیشہ تفکر میں مشغول ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس میں عجیب ترین نشانات و اسرار الہی کا ظہور ہوتا ہے۔ اس لئے مولا کریم نے اپنی کتاب میں عبرت و تدبیر اور تذکیر و تفکر کی دعوت و ترغیب فرمائی ہے۔ اور آنحضرت سرور کا منہ پر موجودات احمد مجتبیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فضیلت تفکر کو پُر زور ارشادات میں بڑے بڑے شدد و مد سے اس کی طرف متوجہ فرمایا ہے۔ اور کاملین تو اس کے ان الفاظ میں قائل ہیں کہ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ حَمْلِ الثَّقَلَيْنِ۔ کیونکہ اس سے توحید ذاتی و کمال وحدت حقیقی کا ظہور طور پر نمایاں ہو جاتا ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام پر جب یہ آیت نازل ہوئی۔ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاٰخِثِكَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيَاتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ۔ تو فرمایا خرابی ہو اس پر اس آیت کو پڑھے اور فکر نہ کرے۔ ایک حدیث شریف میں ہے اَعْطَوْا عَيْنَكُمْ حَقَّهَا۔ یعنی اپنی آنکھوں کو عبادت میں ان کا حصہ دو۔ کسی نے عرض کیا کہ آنکھوں کو عبادت میں کیا حصہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کلام الہی میں نظر و فکر کرنا۔ اور سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی نے دریافت کیا کہ اس وقت آپ کا کوئی ثانی بھی دنیا میں ہے۔ تو آپ نے فرمایا۔ ہاں وہ انسان میرا ثانی ہے جس کا ہوا اور سکوت فکر اور نظر عبرت ہو۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ تَفَكَّرْ سَاعَةً خَيْرٌ مِنْ عِبَادَةِ السَّاعَةِ۔ یعنی ایک ساعت کا فکر دو سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ سورہ روم میں ارشاد ہے۔

تَفَكَّرُوا فِي أَنفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللَّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا إِلَّا بِالْحَقِّ عَائِنًا كَمَا هُنَّ
 نے غور نہیں کیا اپنے دل میں کہ اللہ نے انہیں پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر ساتھ
 حقیقت و تدبیر کے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ جس کے کلام میں حکمت نہ ہو وہ لغو ہے۔ اور جس کا سکوت
 فکر نہ ہو وہ سہو ہے۔ اور جس کی نگاہ عبرت کے لئے نہ ہو وہ لعب و اوس ہے۔

حضرت ابو سلیمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں دنیا کے لئے فکر کرنا آخرت کی آڑ ہے اور اولیاء اللہ کے حق
 میں عذاب اور آخرت میں فکر کرنا صورت حکمت اور دلوں کو زندہ کرنا ہے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہل عقل ہمیشہ ذکر سے فکر کے عادی ہوا کرتے ہیں۔ اور فکر سے
 ذکر کے یہاں تک کہ ان کے دل گویا ہوجاتے ہیں اور اسرار و حکمت میں بوسلنے لگتے ہیں۔

حضرت سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے انشرف و اعلیٰ مجلس وہ ہے جو توحید
 کے میدان میں فکر کے ساتھ بیٹھ کر معرفت کی ہوا کھائے۔ اور جام محبت دریائے اتحاد سے نوش کرے اور اللہ تعالیٰ
 پر حسن ظن کے ساتھ نظر کرے۔ خوش حال ہے وہ جس کو رب العزت نے یہ نصیب فرمایا ہے۔

حضرت حجتہ الاسلام امام غزالی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ تفکر دو معرفتوں کو دل میں موجود کر کے تیسری معرفت کے
 حاصل کرنے کا نام ہے۔ مثلاً کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ بہ نسبت دنیا کے آخرت اختیار کرنا کیونکر بہتر ہے
 تو اس کے دو طریق ہیں۔ ایک یہ کہ کسی اپنے بزرگ سے سنے کہ بہ نسبت دنیا کے آخرت بہتر ہے۔ اور سنتے ہی
 اس کو سچا بھان کر بغیر اس کے کہ حقیقت امر پر اس کی بصیرت کچھ کارگر ہوئی ہو یقین کر لے۔ اور اس کے کہنے پر
 مرت آخرت کی بہتری کا قائل ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ پہلے اس بات کا علم ہو کہ پانڈار شے کا اختیار کرنا بہتر
 ہے اور پھر اس کا علم ہو کہ دنیا سے آخرت بہتر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس تیسری بات کو معلوم کرنا بغیر پہلی دو
 معرفتوں کے غیر ممکن ہے۔ پس دل میں پہلی دو معرفتوں کا موجود کرنا تیسری معرفت تک پہنچنے کے لئے تفکر کہلاتا ہے۔
 پھر فرمایا کہ اس تفکر کا فائدہ یہ ہے کہ علم بڑھتا جاتا ہے اور جو معرفت پہلے حاصل نہیں ہوتی وہ ہوجاتی ہے
 اور اس تیسری معرفت کا حاصل کرنا پانچ مدارج پر منقسم ہے۔

اقل تذکرہ : یعنی دل میں دو معرفتوں کا جمع کرنا۔

دوئم تفکرہ : یعنی ان دونوں معرفتوں سے معرفت مقصود کا طلب کرنا۔

سومئم تحصیل : یعنی معرفت مطلوبہ کا حاصل ہونا اور اس سے دل کا مستحکم ہونا

چہارم تبدیل : یعنی حصول نور معرفت سے دل کا حال بدلنا

پنجم نتیجہ : یعنی تبدیلی حال دل کے ساتھ دل کی طرح تمام اعضاء و جوارح بھی اس کی اتباع میں

بدلتے چلے جائیں۔

پھر ارشاد فرماتے ہیں کہ تفکر دو حال سے خالی نہ ہوگا یا تو خدا کی ذات و صفات و افعال سے متعلق ہوگا

یا انسان کی ان ہی باتوں سے۔ یعنی انسان کی ذات و صفات و افعال و اعمال سے پھر جو فکر کہ خدا سے متعلق ہے وہ

یا تو اس کی ذات اور اسماء الحسنیٰ میں ہوگا۔ یا اس کی صفات و افعال و ملک و ملکوت اور ارض و سما اور ان کے

درمیان کی اشیاء میں ہوگا۔ پس اس کی ذات میں فکر کرنا شرعاً ممنوع ہے۔ کیونکہ اس قدیم ذات میں عقل جزوی

انسانی سوائے حیرانی و سرگردانی کے کوئی نتیجہ نہیں نکال سکتی اور جو ذات کہ عقل و قیاس اور وہم و گمان و فہم و ادراک

سے بالاتر ہو اس میں فکر کرنا محض نادانی ہے۔ اس لئے سرکارِ دو جہاں مختار کون و مکان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ تَفَكَّرُوا فِي خَلْقِ اللَّهِ وَلَا تَفَكَّرُوا فِي ذَاتِ اللَّهِ یعنی تم اللہ کی مخلوقات میں

تفکر کرو اور اللہ کی ذات میں نہ کرو۔ پس چاہئے کہ ذات میں فکر نہ کیا جائے۔ کیونکہ ذات میں فکر سرگردانی

اور حضور علیہ السلام کی نافرمانی ہے۔ چنانچہ حضرت سیدنا و مولانا عبداللہ الغالب حضرت علی ابن ابی طالب

کرم اللہ وجہہ نے حضرات حسنین علیہما السلام کو نصیحت فرماتے وقت اسی مسئلہ میں کیا خوب تعلیم فرماتی تھی۔ یا

وَلَدِي فِكْرِكَ فَيْتُكَ مَيْكُفِيكَ کہ اے میرے بیٹے تیرا فکر تجھ میں تیرے لئے کافی ہے۔ اپنی شناخت

اور اپنے اندر فکر کہ کہ فَلَيْسَ شَيْءٌ خَارِجًا مِنْكَ کہ کوئی شے تجھ سے خارج نہیں۔ تیرا درد تیرے اندر

ہے۔ اس کو دیکھ اور تیرا دوا تجھ میں پوشیدہ ہے۔ اس کو جان اور تجھ کو گمان ہے کہ تو ایک چھوٹا سا جسم ہے

حالانکہ تیرے اندر ایک بہت بڑا جہان مستور ہے۔ اور تو وہ ام الكتاب ہے جس کو اپنے حروف سے سب

کچھ جان لینا کوئی لعید از قیاس بات نہیں۔ کیونکہ رب العزت نے انسان کے لئے ہی فرمایا ہے سَوْنِي الْفُسْكَ

اَفَلَا تُبْصِرُونَ - یعنی جو کچھ تم حاصل کرنا چاہتے ہو وہ تمہاری ہی ذات میں موجود ہے۔ کیا پس تم نہیں دیکھتے اور سرکارِ دو جہاں مالکِ این و آن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ عَرَفَ لَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ یعنی جس نے اپنے نفس و ذات کو پہچان لیا پس اس کو عرفانِ رب العزت حاصل ہو گیا۔ ایک دن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ آيَتِ اللّٰهِ فَقَالَ السَّبِيْعُ عَلَيْكَ السَّلَامُ فِي قُلُوْبِ عِبَادِي - یعنی عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنے بندوں کے دل میں ہے۔ دوسری حدیث میں ہے - قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَرْشُ اللّٰهِ تَعَالٰی یعنی بندوں کے دل خدا کے عرش ہیں اور وہ الرحمن علی العرش استوی۔ رحمن عرش پر مستوی ہے کے ماتحت جب یہ ثابت ہو گیا کہ ذاتِ اپنی صفات سے باہر نہیں اور انسان اعلیٰ ترین صفاتِ الہیہ میں سے ہے اور اس میں بمصداق وَ كُنْهَتْ فَيَدِيْهِ مِنْ دُرِّ حَيٍّ طُورٌ رُوحٌ قَدْسِيْ ہوا ہے۔ تو پھر انسان کہوں بے ٹھکانے بھٹکے۔ جو انسان تفکرِ صفات و مخلوق کا راستہ اختیار کرے کہ ذات کا سراغ لگائے گا وہ ضرور دلی مقصد پائے گا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

در فکرِ بکوششے در آویند تا خود کششے ز بند کہ بر نیز

خطراتِ قلب سے آگاہی | درویش جب ذمائمِ نفسانیہ سے پاک ہوئے کے لئے صبح و شام فکر و شغل میں مصروف رہ کر یادِ الہی میں ہر لمحہ کل انہماک رکھنے لگتا ہے۔ تو اس کے قلب کو مخلوقات میں سے کسی کے ساتھ اور کسی کی معیت میں آرام نہیں ملتا اور تمام تر محبوبات و مانوسات سے ترک پسند ہوتی ہے۔ اور ہر چیز سے مستغنی اور بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں اس پر خطرات کا ہجوم ہوتا ہے۔ اور ہر مخالف قوت اس کا راہ مارنے اور اس کو منزل سے گرنے کے درپے ہو جاتی ہے درویش جب تک ان خطرات سے واقف ہو کر آپ اپنی حفاظت کے درپے نہ ہو۔ اس کا اس منزل سے باسانی گزرنا مشکل ہوتا ہے۔ اور اس کو وہ خطرات قلب جو پیش آتے ہیں چھ ہیں۔

۱۔ خطرہ نفس - جس کا کام یہ ہے کہ وہ جائز و ناجائز خواہشات اور شہوات پر آمادہ کرتا ہے۔

۲۔ خطرہ شیطان - جس کا فعل یہ ہے کہ وہ اصول میں کفر و شرک پر آمادہ کرتا ہے اور مواعید الہی پر ریب

داشتباہ کی ترغیب دیتا ہے اور فروعات میں یہ فریب دے کر کہتا ہے کہ معمولی گناہ ہے۔ ذرہ سی

بات ہے اس کی حقیقت ہی کیا ہے۔ کر پڑ۔ پھر تو بہ کر لینا۔ بہت وقت ہے۔ وغیرہ

وغیرہ جیلوں سے معصیت کی طرے جاتا ہے۔

۳۔ خطرہ فرشتہ کا مطلب یہ ہے کہ بعض نیک امور اور طاعت الہی کی طرف آمادہ کرے۔ مگر

بعض حالتوں میں تمیز نہ ہونے سے درویش کا دوسوے میں پڑ جانا ممکن ہوتا ہے۔

۴۔ خطرہ روح - اس کا نشان تمام نیک امور اور اطاعت الہی کی جانب متوجہ کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے

اس کو مستحسن اور محمود کہا گیا ہے۔ بشرطیکہ اس میں خود اختیاری کا تخیل نہ ہو۔

۵۔ خطرہ عقل - کے کام دو گونہ ہیں۔ کبھی ان افعال کی جانب انسان کو راغب کرتی ہے۔ جو نفس

و شیطان چاہتے ہیں۔ اور کبھی ان افعال کی تائید کرتی ہے اور اختیار کرنے کا مشورہ دیتی ہے۔ جو ملائکہ و ارواح

کی کارفرمائی کے رہن منت ہیں۔ یعنی اس خطرہ میں نیک و بد دونوں خیالات کی جانب کا امکان ہوتا ہے

اور یہ خطرہ حکمت الہیہ کا اہم منظر ہے۔ جس سے مقصد یہ ہے کہ انسان خیر و شر کے میدان میں سوچ سمجھ

سے نتائج پر نظر ڈال کر اور عقل و خود سے کام لے کر قدم رکھے۔ کیونکہ اسی کی بنا پر جزا و سزا کا عمل ہوگا۔

۶۔ خطرہ یقین - یہ بہت بڑی چیز اور بہت بڑا راز ہے۔ جس کو روح الایمان کہا جاسکتا ہے۔ یہ خطرہ اولیاء

اصفیاء، شہداء، صلحاء اور ابدال و اقطاب و صدیقین کے ساتھ خاص ہے۔ اس کی تشریح کسی دوسرے

مقام پر آئے گی۔ انشاء اللہ۔

جب ارواح شوق و اشتیاق سے لطیف ہو جاتی ہیں۔ اور حقیقت

سے ٹکڑا کر ہمیشہ مشاہدہ کے درختوں سے معلق رہنے لگتی ہیں۔ تو پھر

یقین کا حصول اور درجات

ان کو حقیقتاً معلوم ہو جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پہلے جو مثال نقاب حال ہو گیا۔ اور

جو شنیدہ نقلی دیدن گئی ہے۔ اس وقت انہیں اس بات پر جو وثوق ہوتا ہے اسے یقین کہتے ہیں۔

۱۔ علم الیقین وہ علم ہے جو غور و فکر سے حاصل ہو اور اس پر استدلال کیا جاسکے۔

۲۔ عین الیقین وہ علم ہے جو بذریعہ کشف و بخشش و عطا حاصل ہو اور سب کچھ صرف محسوس ہی نہ کیا جائے۔ بلکہ آنکھ سے دیکھا جائے۔

۳۔ حق الیقین وہ علم ہے جو اپنی جامعیت اور انتہا میں لاثباتی ہو۔ یعنی یہ کہ وہ غور و فکر کا نتیجہ ہو۔ نہ صرف یہ کہ آنکھ سے نظر آئے بلکہ یہ کہ اس کی حقیقت بھی سمجھ میں آجائے۔ مشاہدہ حقیقی میں حب کوئی چیز حائل نہ رہے۔ تا آنکہ انسان بالکل مدہوش ہو جائے۔ اور اس کو اپنے تن بدن کا ہوش بھی نہ رہے۔ تو اسے وصال کہتے ہیں۔ اور یہاں ہی چہرہ حقائق سے تمام پردے اور حجابات اٹھ کر حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔

خرق عادات و کرامات | چونکہ امت مرحومہ کا مقصد زندگی دنیا میں دعوت الی الحق و النجیر ہے۔ امر معروف اور نہی عن المنکر ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ ہر مسلمان کا دھو و پہلے خود پاکیزگی حیات کی وجہ سے تمام عالم کے لئے کعبہ بنے اور اہل دنیا کی برائیوں اور کثافتوں کو دور کرنے کے لئے تیار ہوتے سے پہلے اپنی تمام برائیوں اور کثافتوں سے پاک و صاف ہو جائے ورنہ جو خود تار یک ہے وہ دوسروں کو روشنی کیونکر دے سکتا ہے۔ اور خود پستی میں بہانے والا دوسروں کو بلندی پر کس طرح لے جاسکتا ہے۔ یہی وہ پیر ہے جو ہر مایہ ناز ہستی کا پتہ دیتی ہے۔ اور اس کی قدوسیت کو ثابت کرتی ہے۔

میدان رشد و ہدایت میں آنے والی تمام تر ہستیاں دو طریق پر کام کیا کرتی ہیں۔ ایک کتاب اللہ سے دعوت الی الحق۔ دوم معجزانہ قوتوں کا ظہور الی الحق۔ پہلی صورت انبیاء علیہم السلام سے لے کر عام علمائے امت تک سب نے اختیار فرمائی ہے اور تبلیغ کی پہلی صورت بھی یہی ہے۔ دوسرے مدعی سے ظہور خوارق حب الطلب عوام الناس یا بلا طلب عند الضرورت۔ اگر خوارق عادات کا مدعی نبوت ہے تو اس کو معجزہ کہتے ہیں اور اگر قبل از اظہار دعوائے نبوت وہی ہستی کسی ضرورت کے تحت وہی کر کے دکھلا دے جو اظہار نبوت کے وقت اس سے ظہور میں آسکتا ہو تو اس کو اہل اس کہتے ہیں۔ اگر وہی کام کسی ولی سے ظاہر

ہو تو اس کو کرامت کہتے ہیں۔ اگر وہی کام کسی عام مومن صالح غیرولی سے ثابت ہو تو معاونت کہلاتا ہے۔ اور ایسا ہی کوئی کام اگر کافر، زندیق، مشرک اور مرتد سے ظاہر ہو تو اس کو استدراج کہا جاتا ہے جس کا فرق آگے بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

معلوم ہوا کہ صاحب ولایت سے ظہور خوارق عادات بالاتفاق جائز اور ضروری ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث اور آثار صحابہ کرام میں بڑی وضاحت و بہتات سے ملتا ہے۔ اور دنیا کے اس سیزدہ صد سالہ اسلامی دور میں لاکھوں افراد اپنی آنکھوں سے یہ مشاہدہ کر چکے ہیں۔ مگر مادہ پرستوں کی بھی کسی زمانہ میں کمی نہیں رہی اور منکرین بھی ہر زمانہ میں پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ جو اس وقت تک کسی بات کو خواہ وہ صد ہزار بار مشاہدہ ہی سے کیوں نہ گزر چکی ہو تسلیم نہیں کرتے۔ جب تک ان کی عقلی و نقلی تسکین کے سامان بروئے دلائل اچھی طرح ہتھیانہ کر دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ مادیت کا زمانہ ہے اور یورپ کے الحاد کی ہواؤں نے عقائد کے اشجار کو جڑ سے ہلا کر رکھ دیا ہے۔ لوگ ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پکھنا چاہتے ہیں۔ مگر ان کی اس بہبودہ روش سے خدا کے بندوں کو قطعاً گھبراتے کی ضرورت نہیں۔ گھبراتے وہ جن کے مذہب میں خامیاں ہوں اور وہ فطری طور پر عقل کا ساتھ نہ دے سکے۔ یا وہ جن کا دہرم توہمات کا پیکر ہو۔ اسلام وہ شے ہے کہ باطل نہ اس کے سامنے جم سکے اور نہ اس کو اس کے پیچھے جگہ مل سکے۔

مشاہدہ اور حقیقت سے برطرف ہو کر غور فرمائیے کہ اس امر کو سب تسلیم کرتے ہیں کہ خدائے قدوس قادر مطلق ہے۔ اور جو چاہے کر سکتا ہے۔ جہاں وہ ہر چیز کی تخلیق کا سبب پیدا کرتا ہے۔ وہاں اسے یہ قدرت بھی حاصل ہے کہ وہ کسی چیز کو بلا سبب پیدا فرمادے۔ اور اگر اس نظریہ سے انکار کیا جائے تو اس کا صاف مطلب یہ ہو گا کہ خدا کو قادر مطلق تسلیم نہیں کیا گیا۔ یہ اور بات ہے۔ اس کی سنت و عادت یہی ہے کہ وہ ہر چیز کو سبب کے ساتھ پیدا فرماتا ہے۔ ایک ہوتی ہے قدرت اور ایک ہوتا ہے قانون۔ قدرت یہ ہے کہ بادشاہ کو اختیار ہے کہ کسی آدمی کو مجرم سمجھ کر تختہ دار لٹکا دے۔ مگر قانون یہ ہے کہ اس پر باضابطہ مقدمہ چلے۔ ثبوت ہم پہنچایا جائے۔ گواہ لئے جائیں پھر پھانسی دیا جائے۔ مگر مارشل لا کا زمانہ شاہد ہے کہ دونوں صورتیں عمل میں آتی رہی ہیں۔ قدرت

اور عادت یا قدرت اور قانون دونوں کے کرشمے دیکھے گئے ہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہم خدا کی اس عادت پر تو ایمان لائیں کہ ہر فعل کا ایک سبب ہوتا ہے۔ لیکن اس کی قدرت پر ایمان نہ لائیں کہ وہ قادر مطلق ہے۔ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور بلا سبب بھی کسی شے کا پیدا کر دینا اس کے لئے غیر ممکن نہیں۔ لہذا جو لوگ معجزات و کرامات کو علامات قانون قدرت بتا کر ان کی حیثیت و حقیقت سے انکار کر دیتے ہیں وہ قدرت و عادت کے فرق کو نہیں سمجھ سکتے۔ کیونکہ اگر سمجھتے تو انکار نہ کرتے۔ یہ پتھر پر خلاب عادت ضرور ہیں اور ہوتی ہیں۔ مگر خلاب قدرت نہیں ہوتی۔

دریائے نیل کا پھٹ جانا۔ عصائے موسیٰ کا اثر باننا۔ دربار سلیمان علیہ السلام میں کسی ولی اللہ کا آنکھ جھپکنے تحت بلقیس لانا۔ حضرت زکریا کا حضرت مریم کے پاس تازہ پھل دیکھنا۔ اصحاب کعبہ کا غار میں تین سو سال تک سونا اور زندہ رہنا۔ جرنج راہب اور یوسف علیہ السلام کی گواہی میں بچے کا بولنا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساریہ کو مدینہ سے نہاوند کے پہاڑوں میں پکارتا، دریائے نیل کا حضرت عمرو ابن العاص کے زمانہ میں حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کے خط پر جاری ہونا وغیرہ خلاب عادت تو ہے مگر خلاب قدرت ہرگز نہیں۔ کیا یہ ممکن نہیں، اور خدائے قدوس یہ نہیں کر سکتا کہ وہ اپنی قدرت یا خاص عادت سے کام لے کر اپنے مقربین کی تصدیق کے لئے انکے ہاتھ سے خلاب عادت اور خلاب قانون قدرت، علامات، افعال، معجزات یا کرامات کا صدور کر دے۔ کر سکتا ہے اور ضرور کر سکتا ہے۔

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں۔ چونکہ اخبار و حکایات میں کثرت سے کرامات کا بحد تواتر ذکر آچکا ہے۔ لہذا اولیاء اللہ کے لئے ان کرامات کا ظہور ایک ایسا علم قوی ہو گیا ہے کہ جس سے شکوک و اوہام دور ہو گئے ہیں۔ اور کوئی شخص سلیم القلب جس نے اس گروہ کے حال کا مشاہدہ اور ان کے اقوال کا مطالعہ کیا ہے۔ جاہلوں اور گمراہوں کے بے سرو پا دوسووں میں نہیں آسکتا۔ ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے بیشتر وہ اولیاء اللہ ہیں جن کی کثرت سے کرامات ظاہر ہوئی ہیں۔ اور ہر ایک زمانہ میں جو رسول تشریف لائے ہیں ان کے متبعین میں سے بھی ایسے اولیاء اللہ ہوتے رہے ہیں جن سے کرامات اور خوارق عادات افعال کا ظہور ہوتا رہا ہے سمجھنا چاہئے کہ گویا اولیاء اللہ کی کرامات انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا تتمہ ہیں۔ لیکن آج جو شخص کرامات شریعت محمدیہ کا علم نہیں اگر اس کے ہاتھ پر بھی خوارق عادات و افعال کا ظہور ہو تو اہل شرع کے نزدیک وہ شخص بے دین و ذلیل ہے۔ جو کچھ اس سے ظاہر ہو گا وہ مکر و اسد راج ہو گا۔

معجزہ کرامت اور استدراج کا فرق

تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی لکھتے ہیں کہ جب کسی انسان سے کسی خوارق عادات فعل کا ظہور ہو تو یہ صورت دو حال سے خالی نہ ہوگی یا تو اس کے ساتھ دعویٰ ہوگا یا نہ ہوگا۔ اور اگر دعویٰ ہوگا تو وہ کئی اقسام پر مشتمل ہوگا۔ یا خدائی دعویٰ ہوگا۔ یا نبوت کا یا ولایت کا یا جادو کا۔ یہ مدعی بھی بڑے غضب کے انسان ہوتے ہیں۔ جب اپنی خود پسندی اور ہٹ پرکائی جاتی تو خدائی کے دعویٰ تک سے نہیں چوکتے جیسے کہ فرعون خدائی کا مدعی بھی ہوا اور اس سے خرق عادت کا بھی ظہور ہوتا رہا۔ لیکن غلط دعویٰ دیر پا نہیں ہوا کرتے۔ دنیا بھر کو معلوم ہے کہ فرعون کا کیا انجام ہوا۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں جادو گروں نے کس طرح منہ کی کھائی۔ اور رسوا اور ذلیل ہوئے۔ خداوند عالم سب پر غالب ہے۔ اور اس کے خاص و مقبول بندے اور سچے بزرگ بھی ہمیشہ کامیاب اور فائز المرام رہتے ہیں۔

معجزہ وہ خوارق عادت فعل ہے جو نبی کی طرف سے ظہور میں آئے اور مقابل کو جواب سے عاجز کر دے۔ کرامت وہ ہے جس کا ظہور اولیائے کرام کی طرف سے ہو اور لا جواب ہو۔

استدراج وہ ہے جو جادو گروں اور کاهنوں کا شیوہ ہے جس پر مغالطہ دیا جاسکتا ہے۔

بعض لوگ کرامات کے بطلان میں یہ چیز دلیل پکڑتے ہیں کہ آخر کرامت اگر بزرگی و تقدس کی دلیل ہے تو جادو گروں اور فاسقوں کی طرف سے خارق عادت فعل کا ظہور کیوں ہوتا ہے۔ یہ معترفین کا مغالطہ ہے۔ اور وہ نہیں سمجھ سکے کہ ہر انسان بحیثیت خلیفۃ اللہ ہونے کے اپنے آپ میں شرافت انسانیہ کا جوہر اور خلافت الہیہ کی طاقتیں رکھتا ہے اور کوئی بڑا ہو یا اچھا اگر سعی سے کام لے اور محنت کرے تو اتنی ترقی کر سکتا ہے جس سے خوارق عادت کا ظہور ممکن ہو۔ کیونکہ ہر انسان میں نائب ربانی اور خلیفۃ اللہ ہونے کی حیثیت سے جو قوت و صلاحیت و دلچسپی ہو۔ وہ عام ہے۔ اور اس میں تنیک و بدعتیت کا کوئی امتیاز نہیں اور ایک حد تک سب ادنیٰ اور اعلیٰ چھٹی ہے وہ عام ہے۔ اور اس میں تنیک و بدعتیت کا کوئی امتیاز نہیں اور ایک حد تک سب ادنیٰ اور اعلیٰ ترقی کر سکتے ہیں۔ سمر بزم، ہینا بزم اور جادو والوں کی افسوں کا ریاں آج اظہر من الشمس ہیں جو بعض اوقات ولایت کے مدعی بھی بننے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور ان سے خوارق عادت افعال کا صدور اور ظہور بھی ہوتا ہے۔ اور صفت ان میں اس لئے نہیں کہ وہ اللہ کے مقرب ہیں۔ یا ان کو ربو تقدیر کی جانب سے خاص طاقتیں ملی ہوئی ہیں بلکہ اس لئے کہ ان کی خلقت میں جو جو ہر پوشیدہ اور مضمحل تھے۔ انہیں انہوں نے اپنی محنت سے چمکایا اور ترقی دے دی۔

البتہ فرق آگے جا کر پڑتا ہے جہاں معلوم ہوتا ہے کہ مقبرین بارگاہ اولیاء اللہ کی ترقی غیر محدود اور لا انتہا ہے۔ ان کی طاقتوں کا کوئی بھی اندازہ و شمار نہیں۔ اس لئے کہ ان کی خلقی قوتیں اور صلاحیتوں میں آگے چل کر وہیب و عطا شامل ہو جاتی ہے۔ اور تجلیات ربانی کا پر تو انہیں منور کرنے لگتا ہے۔ جس سے قبولیت عام اور شہرت دوام پالیتے ہیں لیکن عام انسانوں کی خلقی طاقتیں اتنی ترقی نہیں کر سکتیں اور نہ سمرنیم وغیرہ محض قوت منصوبہ سے کام لینے والے کو وہ شہرت و دوام اور ترقی تمام حاصل ہو سکتی ہے۔ جو ان کے خوارق عادت فعل کو ابدیت بخش سکے اور کرامت ولایت کے مقابلے میں کھڑا کر سکے۔

کرامات کے اقسام | کرامات و خوارق عادات کے اقسام بہت زیادہ ہیں۔ یعنی دنیائے تصرف میں کوئی کام اور کوئی شے ایسی نہیں جس پر بوقت ضرورت ظہور کرامت و حسب قدرت عمل خرق عادت نہ ہو سکے مثلاً معدوم شے کا موجود کر دینا، موجود کا معدوم کر دینا، پوشیدہ کا ظاہر اور ظاہر کا پوشیدہ کرنا بعید مسافت کا تھوڑی مدت میں طے کرنا۔ امورات غیبیہ سے مطلع کرنا، ایک ہی وقت میں متعدد مقامات پر حاضر ہونا، مردوں کا زندہ کرنا اور زندوں کا مارنا، حیوانات اور درندوں سے اپنی مرضی کے ماتحت کام لینا۔ نباتات اور جمادات کا جلتا، ذور ان کی صدائے تسبیح سننا، بوقت حاجت بدول اسباب ظاہری کھانے پینے کی یا دیگر اشیاء کا پیدا کر لینا، ہوا اور پانی پر زمین خشک کی طرح چلنا، وحشیوں کو مسخر کر لینا یا ایک نگاہ سے ان کے اجسام میں بے پناہ قوت بھر دینا، اور صرف خیال سے کسی کی گردن اڑا دینا، وغیرہ وغیرہ۔ سب اولیاء اللہ کے نزدیک بحیثیت صاحب کرامت ہونے کے سہل ترین امورات سے ہیں۔ عرفاء و متقدمین نے لکھا ہے کہ جب حق سبحانہ تعالیٰ اپنے دوستوں میں بعض کو اپنی قدرت کاملہ کا منظر بناتے ہیں تو وہ جس طرح چاہتے ہیں جہاں میں تصرف فرماتے ہیں۔ درحقیقت وہ اثر تصرف حق تعالیٰ ہی کا ہوتا ہے۔ جو صاحب تصرف میں ظہور فرماتا ہے۔

ان اوصاف و عادات اور کرامات کی کو عیت سے قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور کتب سیر و تاریخ بھری پڑی ہیں۔ قرآن کریم کے فرمودہ واقعات سے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مابعد کے بزرگان دین کی اس قدر کرامات کتب تصوف و احادیث میں ملتی ہیں۔ جن کے بیان کرنے کے لئے قلم عاجز اور ایک دفتر بھی ناکافی ہے بلکہ یوں سمجھنا چاہئے کہ اسلام نے ہر مسلمان کا وجود ہی ایک مجسم کرامت بنایا ہے۔ اور جس قدر دنیا میں مسلمان پیدا

ہوئے ہیں اور قیامت تک ہوں گے۔ ان کی تعداد سے بھی کہیں زیادہ کرامات اولیاء امت کا طور ہو چکا ہے اور ہوتا رہے گا۔ ماشاء اللہ

کشف و مکاشفہ جس طرح انکار کرامت بے علمی و بے راہ روی ہے۔ اسی طرح انکار کشف بھی جہالت و گمراہی۔ بعض نام نہاد درویشی کے مدعی فی زمانہ مکاشفہ سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ کوئی چیز نہیں اور نہ اس کا ثبوت و طریقیت میں کوئی ثبوت ہے۔ بلکہ ان کی علمی یہاں تک بڑھ گئی ہے۔ کہ وہ مکاشفہ کو ایک فریب سمجھتے ہیں اور محض تخیلات اور زبلیات کا مجموعہ۔ بہتوں کا یہ خیال بھی ہے کہ واقعات و حالات حافضہ کے ماتحت لوگوں کے معاملات کا تذکرہ کرنا۔ کچھ جھوٹ اور کچھ سچ پر زبان کھولنا۔ بعض کا غلط اور بعض کا درست ہونا اور بنیویوں کی طرح باتیں بنانا کشف سے تعبیر کر لیا گیا ہے۔ درحقیقت کشف درویشی کے متعلقات سے کچھ نہیں۔ ان کی اس الوکھی منطق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ علم ظاہر سے واقف ہوتے ہیں اور نہ علم باطن سے نہ فقر کو جانیں نہ فقری کو۔ محض وظائف کا پڑھنا اور پیری مریدی کا لیٹدی کے طریق پر چلنا، اور لوگوں کو ان تمام اصولوں سے پھیرنا جو حقیقی درویشی سے متعلق ہیں۔ ان مسکار و بیکار مدعیوں کا شیوہ ہو گیا ہے۔ ان کی فقری کی ابتدا نہ کسی درویش سے ہوتی ہے۔ نہ خود واقفیت رکھتے ہیں نہ مسائل و منازل طریقیت کو سمجھیں نہ ورود سے تعلق رکھیں۔ اپنی کمزوریوں اور خامیوں پر پردہ پوشی کے لئے اطوار بزرگان دین ہی سے منکر ہو جاتے ہیں۔ تاکہ نہ پہلوں کے کمالات پر ہم کسی حال میں ایمان رکھیں نہ ہمارے بے علم و بے راہ و تقدس سے کوئی اٹھے۔ جب ان سے کوئی محمدی کہ فلاں بزرگ کو میں نے کشف میں گفتگو کرتے سنا ہے یا وہ کشف کے ذریعے لوگوں کو اطمینان و یقین بخشتے ہیں، تو یہ فریبی نام نہاد پیر یہ جواب دیتے ہیں کہ میاں یہ ابتدائی باتیں ہیں۔ بزرگان دین نے ان کو مشتبہ فرمایا۔ بلکہ حکم دیا ہے کہ کشف و کرامات کو ایسا چھپاؤ جیسے عورت حیض و نفاس کو چھپاتی ہے۔ اس لئے ہم کشف کے قائل ہی نہیں۔ اس تفصیلی گفتگو سے انکا مقصد وضاحت حقیقت نہیں ہوتا۔ بلکہ اپنی بے ماگی کی پردہ پوشی جس طرح مرزا نے قادیانی کی امت نے معجزات کے میدان میں اپنے مرزا آنجنائی کو کھوکھلا اور بے برہ پاکر اس کی غامی کو چھپانے کے لئے تمام انبیاء علیہم السلام کے معجزات سے انکار کر کے کہ یہ معجزانہ حیثیت فی نفسہ کوئی شے نہیں اور انبیاء کے معجزات اصل میں سحر و سحریم کی ہی ایک کیفیت ہوا کرتی ہے، مرزا کی بے بضاعتی پر پردہ داری کی ہے۔ ویسے ہی یہ فقری کا

پاٹ کرنے والوں کا حال ہے۔ اگر قرآن کریم، احادیث مبارکہ اور بزرگان دین کے کلمات سے یہ لوگ واقف ہوتے تو حقیقت کشف سے انکار نہ کرتے۔ ان کے انکار کو دیکھ کر بلاشبہ ایک مبتدی دھوکا کھا جاتا ہے کہ یہ سچ کہتے ہیں۔ حالانکہ ان کی یہ من گھڑت تقریباً ایک چھ صدھرائی کی منحوس آواز سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

کشف کیا ہے؟ **آؤ اہل اللہ سے پوچھیں اور ان کی تحریرات سے معلوم کریں کہ کشف کیا ہے؟** اور کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی درویش اس کے ماتحت گفتگو کرے اور اس کی کوئی حقیقت پیش کرنے کا مدعی ہو سکے۔

حضرت اکابر و ائمہ حقیقت و کشف اسرار و معرفت و واقف رموز خفی و علی سید غوث علی قلندر قادری اپنی کتاب تعلیم غوثیہ میں لکھتے ہیں کہ وہ اسرار الہی و رموز باطنی حبکو فقر و تصوت و علم باطن کہتے ہیں آج تک اولیاء اللہ کے ذرائع سے سینہ بسینہ چلے آ رہے ہیں اور تاقیام قیامت یہ فیضان حضور علیہ السلام کا جاری و ساری رہے گا۔ البتہ عوام الناس کو تو اندیشوں کے سامنے علم باطن کا اظہار موجب ہلاکت ہے۔ وقال علی المرتضیٰ و اشارۃ الی الصدر ان مہم العلوم ما جملة الودحدات لها حملتہ وقالی قلوب الابرار قیور الاسرار یعنی علی علیہ السلام نے اپنے سینہ کی جانب اشارہ کر کے فرمایا اگر کسی کو متحمل پاتا تو یہاں بہت سے علوم ہیں اور فرمایا اولیاء اللہ کے سینے اسرار الہی کی قریں ہیں۔ یعنی تمام لوگ ان علوم کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ان کے لئے سرمایہ عقل، فراخی حوصلہ اور بلندی ہمت درکار ہے۔ اور اس علم میں ایک شعبہ کشف ہے جس کی دو قریں ہیں: ایک کشف کوئی۔ دوسرا کشف ذاتی۔

۱۔ کشف کوئی وہ ہے کہ سالک کو احوال عالم سے روزانہ اطلاع اور عالم ملکوت کی فتح و کشائش نصیب ہو جاتی ہے جس میں اس پر کشف و کرامات کا ظہور ہونے لگتا ہے۔ مگر اولیاء اللہ کا یہ مقام ایک گزرگاہ ہے درویش کو یہاں ٹھہرنا اور کشف و کرامات پر دل لگانا رونا نہیں۔ کیونکہ اس میں راہ کی بندش کا احتمال ہوتا ہے۔

۲۔ کشف ذاتی وہ ہے کہ عارف کو ذات حق و حقیقت اشیا عالم کا انکشاف ہو۔

چنانچہ حضور علیہ السلام نے حدیث شریف میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارِنِیْ اِتِّ الِامِلَہِ کَمَا هِیَ۔ یعنی اے خدا مجھ کو حقیقت اشیا بلعینہ دکھا۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بخاری شریف میں نقل کیا ہے

اور جب خادم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید کو کشت کوئی منکشف ہوا تو ایک روز بخشش میں آ کر دربار رسالت میں عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر حکم ہو تو ہشتیوں اور دوزخیوں کو جدا جدا اور حال شہر و نشر بالتفصیل بیان کر دوں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ بس تیرا گھوڑا بہت گرم ہو گیا ہے۔ اس کو ذرا ٹھنڈا کرو۔ چنانچہ اس حدیث کو مولانا رومؒ نے مثنوی میں بالوضاحت اور قبلہ عالم شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سروردی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی کتاب آداب ارشاد المریدین میں منقول نقل فرمایا ہے۔

حضرت محمد بن علی حکیم تہذیبی فرماتے ہیں کہ اولیاء کامل کا درجہ اور کامل حال بے صفی اور بے نشانی میں کہتے ہیں یعنی بے نشانی کشف ذاتی کی طرف اشارہ ہے کہ بہت بڑا مقام اور بلند درجہ ہے جس کے مرتبہ کی حقیقت بیان کرنے سے قلم عاجز ہے۔

حضرت خواجہ مشکط الشیخ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت عزیزیان فرماتے ہیں کہ گروہ فقراء کے نزدیک از روئے کشف زمین ایک دسترخوان کی طرح ہے اور ہم کہتے ہیں کہ ایک ناخن کے برابر ہے جس کی کوئی پیر قائب نہیں۔

حضرت قطب ربانی غوث صمدانی، شام شاہ سید شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ
كَظَرْتُ إِلَى بِلَادِ اللَّهِ جَمْعًا تَحْرَدُ لَدَيْهِ عَلَى حِكْمِ الْإِصْبَالِ

یعنی از روئے کشف میری یہ کیفیت ہے کہ میں تمام ممالک الہیہ کو بہک نگاہ اس طرح مطالعہ کرتا ہوں جس طرح مانتہ کی پتھیلی پر رانی کا دانہ۔ جیسے اس کی کوئی حقیقت پوشیدہ نہیں رہتی ویسے ہی مجھ پر ممالک الہیہ سے کچھ پوشیدہ نہیں۔

حضرت شیخ صلاح الدین قونی سے سوال کیا گیا کہ عادت کی کیا تعریف ہے؟ فرمایا وہ جو تمہارے دل کی باتیں کہے اور تم خاموش بیٹھے سنتے رہو۔

حضرت شیخ ابو عبد اللہ محمد بن ابراہیم قرطبی فرماتے ہیں کہ عارف عالم وہ ہے کہ جو تیرے دل کی باتیں کرے اور تیرے انجام سے مطلع ہو۔

حضرت شیخ صدر الدین رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب فلک میں اپنے شیخ کے کشف کی کیفیت لکھتے ہیں کہ ہمارے

شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی خاص نظر تھی کہ جب چاہتے کہ کسی کے حال سے واقف ہو جائیں تو اس کی طرف دیکھ کر اس کے آخرت اور دنیوی حالات کی خبر دے دیا کرتے۔ جس کو مخاطب تسلیم کرتا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے پہلی دفعہ تجرید کے قدم پر حج کا ارادہ کیا تو اثنائے سفر میں مجھ کو ایک حبش لڑکی ملی جو برقعہ پہنہ ہوئے تھی میری طرف تیز تیز نظر سے دیکھ کر کہنے لگی۔ اے جوان تم کہاں سے آئے ہو؟ میں نے کہا عجم سے کہنے لگی آج تم نے مجھے بڑا پریشان کیا اور سچ میں ڈالا۔ میں نے کہا کیوں۔ اس نے کہا۔ اس وقت میں ملک حبشہ میں تھی۔ مجھ کو مشاہدہ و کشف ہوا کہ خداوند عالم نے تیرے دل پر تجلی کی ہے۔ اور تجھ کو اس قدر دیا ہے کہ اور کسی کو جنہیں میں جانتی ہوں نہیں دیا۔ اس لئے میں نے چاہا کہ تم کو آنکھوں سے دیکھوں اور سمجھاؤں۔ یہ واقعہ کس قدر کشف ہے پناہ کی دلیل ہے۔ جس سے نااہل انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر رضی اللہ عنہ نے ایک اور اصغرناہ عورت کا ذکر فرمایا ہے کہ حضور و عطا فرما رہے تھے کہ جوش میں آسکے علمے کا ایک پیچ کھل گیا۔ حاضرین نے مطابقت کیلئے اپنی ٹوپیاں اور دستاویں اتار کر منبر کے پاس پھینک دیں۔ جب آپ فارغ ہوئے۔ تو فرمایا کہ سب اپنی اپنی ٹوپیاں اور دستاویں لے لو۔ جب سب لے چکے تو ایک پٹی باقی رہ گئی وہ حضور نے فرمایا مجھے دے دو۔ اور لیکر اپنے کندھے پر رکھی تو غائب ہو گئی۔ پوچھا گیا کہ یہ کیا قصہ تھا۔ فرمایا ہماری ایک ہمیشہ اصغرناہ میں ہے۔ جب اس کو یہ حال متکشف ہوا تو اس نے بھی اپنی پٹی پھینک دی تھی۔ اب وہ ہاتھ بڑھا کر لے گئی ہے۔

بعض مفسرین نے زبیرایت دُخِیْتُکُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدْخِرُوْنَ فِیْ بُيُوتِکُمْ۔ جو حضرت مسیح علیہ السلام کی شان کے متعلق ہے۔ کشف کے متعلق بحث کی ہے کہ لوگوں کا کھانا وغیرہ جمع کرنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اذہر دئے کشف بیان فرما دیا کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے خواب کی تعبیر فرماتے ہوئے جو لَا تَقْصُصْ رُؤْیَا لَہِ عَلٰی اٰخَوْتِکَ فِیْکَیْنِ ذٰلِکَ کَیْنِ اَفْرَیَا تَہَا۔ جو خواب کا جزو نہیں تھا۔ بلکہ وہ بصورت کشف ہی فرمایا تھا جس میں خواب بیان کرنے پر بعد کے نتیجہ کا ذکر ہے۔

صاحب عرائس البیان نے اسی قصہ یوسف علیہ السلام کے ماتحت سورہ یوسف کی آیت وَاخْفَاہُ اِنَّہٗ یَاْمُلُکَ

للمذهب وانتم عنده غافلون کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ان واقعات میں جو کچھ حضرت یعقوب علیہ السلام نے دیکھا اس میں ان کی نظر باطنی سابقہ تقدیر پر واقع ہوئی یعنی یہ کشف تھا جو حضرت یعقوب علیہ السلام نے ظاہر فرمایا۔ اور وہ بات بیٹوں کو قبل از وقت بیان فرمادی۔ جو انہوں نے واپس آکر کہنی مٹی۔ گویا یہ فرمایا کہ تم واپس آکر یہی کہو گے کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔ حالانکہ تم میرے علم سے غافل ہو۔ میں تم کو اس بات کا پتہ دے رہا ہوں جو تم واپس آ کر کہنے والے ہو۔ اور علم و فراست نبوت میں خطا کا احتمال خطا ہے اور بعض مفسرین نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو از روئے کشف یوسف علیہ السلام کے آخری عمر تک کے واقعات معلوم تھے۔ اور ایسا ہی آیت یابقی لا تدخلون من باب واحد وادخلون من ابواب متفرقة کے ماتحت بھی ذکر کیا گیا ہے کہ یہ بھی انکشافی حقیقت تھی تاکہ دو۔ دو ہو کر داخل ہونے سے بنیامین اکیلا رہ جائیگا تو اس کو یوسف علیہ السلام مل سکیں گے اور علیحدگی میں راز و نیاز ہو جائیں گے۔ کیونکہ زندہ ہیں جس کی پوری پوری تصدیق یہ آیت کرتی ہے۔ قَالَ ابوهن انی لاحد ریح یوسف لولا ان تکفروا عن۔ یعنی ان کے باپ (یعقوب علیہ السلام) نے کہا میں تو ضرور یوسف کی خوشبو پاتا ہوں۔ اگرچہ تم مجھے بہکا ہوا کہو۔ یا میرے اس قول کا احتمال جو اس سے تعبیر کرو۔ اس کی تفسیر میں اکثر مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ کشف نبوت تھا اور قاضی شہار الدین پانی پتی اور مولوی تراز اب علی کا کوئی رحمہما اللہ نے لکھا ہے کہ کشف قلبی سوائے صفات حق تعالیٰ کے دیگر امور دنیا میں ایک نقص ہے۔ جو کوئی شریعت کی راہ پر ظاہر و باطن کے خطرات و عجب و غرور و دیا و غیرہ سے پاک ہو کر قائم و مستقیم ہو وہ کشف اولیٰ ہے اس شخص سے جس کا قدم طریقہ سنت نبوی علیہ السلام سے ہٹا ہوا ہو۔ پس جو شخص کشف سے انکار کرتا ہے وہ بھل و سبک ہی راہ رو ہے۔ ساتھ ہی وہ لکھتے ہیں کہ کشف اختیاری چیز نہیں ہے۔ بلکہ بفضل باری تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔ قاضی شہار الدین پانی پتی یہ بھی لکھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کے خلیفہ دوم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ساریہ واقعہ یعنی ساریہ کو مرنیہ منورہ سے دیکھ کر آواز دینا اور ساریہ کو شام کے پہاڑوں میں سنا جانا یہ کشف نہیں تو کیا ہے مولانا محمد علی منہوی کہتے ہیں کہ کیا ایسا جاہل جو کشف سے انکار کرتا ہے نہیں جانتا کہ جب خسرو پرویز کے آدمی نے مستی اللہ علیہ وسلم کی گرفتاری کے لئے آتے ہیں اور خسرو پرویز کا پیغام سناتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں حضور علیہ السلام ان کو فرماتے ہیں کہ تم کس خسرو پرویز کا پیغام دیتے ہو، جو شاہ ایران ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ آپ نے

فرمایا وہ آج رات اپنے بیٹے شیردہ کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ جس پر وہ حیران و ششدر رہ جاتے ہیں۔
 کیا سراقہ بن مالک بن جشم کا قصہ یاد نہیں۔ جو ہجرت کے وقت حضور کے قتل کے ارادہ پر مدینہ کی راہ کو نکلتا ہے اور
 حضور علیہ السلام و صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جھانکتا ہے۔ اور حضور کو لکھتا ہے کہ اب آپ کو میری تلوار سے کون بچا بیگا۔
 آپ اس کی جانب انوار الہی سے بھیگی ہوئی ایک نگاہ فرماتے ہیں۔ اور وہ گھوڑے سمیت زمین میں دھنس جاتا ہے
 غرضیکہ پھر ایمان لاتا ہے۔ حضور اس کو تخت کسریٰ کے سر ہونے پر اس کے ہاتھوں میں نوشیرواں کے پوتے کے طمانی
 کڑے پہنے ہوئے دیکھنے کی خوشخبری فرماتے ہیں۔ اور وہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ کتب حدیث میں اس قصہ کی مفصل
 کیفیت موجود ہے۔

منجملہ ان واقعات کشف کے لکھو گھا واقعات بزرگان عظام سے ظور پذیر ہوئے ہیں۔ جن میں سے ایک یہ واقعہ
 بھی ہے جس کو مولانا رومؒ نے حضرت بایزید سیطامی علیہ الرحمۃ کی نسبت ذکر کیا ہے۔ جس کا تعلق حضرت ابوالحسن خرقانی
 رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اور پیدائش و ظور سے ہے۔ جو حضرت بایزید سیطامی علیہ الرحمۃ کی وفات کے بھی کم و بیش
 ۴۹ سال کے بعد ظور پذیر ہوا۔ جس کی نسبت پورے زور سے آپ لکھتے ہیں کہ یہ رمل و نجوم نہیں بلکہ کشف عرفان ہے
 جس چیز کو تمام بزرگان عظام امت محمدیہ علیہ السلام نے ہمیشہ سے تسلیم کیا ہے۔ اور کتابوں میں ان الفاظ میں درج فرمایا
 ہے۔ کہ کشف اولیاء کا نشان صدیقوں کا عرفان اور مگر اہول کا ایمان ہے۔ اس کو اگر آج بعض نام نہاد جھوٹی
 نقیر کی مدعی جھٹلاتے کی بے سود سعی کریں۔ تو یہ پرلے درجے کی نرمی ڈھٹائی ہی نہیں بلکہ تمام بزرگان امت سے
 ظاہری مخالفت اور قلبی منافقت کا بھی موجب ہوگا۔ جن پر شرع و فطر کا تمام تر مدار ہے۔ اگر یہ کشف کوئی چیز نہیں
 تو انکار کس کا ہو رہا ہے۔ اور بزرگان دین نے کس چیز کو پوشیدہ فرمانے کی تعلیم دی ہے۔ اور بقول ان معترضین کے
 یہ فرمایا ہے کہ کشف و کرامت کو ایسے چھپاؤ جیسے عورت حیض و نفاس کو چھپاتی ہے۔ اس مثال سے اپنی کمزوری
 یہ تو پردہ پوشی کر لی۔ مگر یہ نہیں سمجھ سکے کہ اس مثال کا مطلب کیا ہے۔ اگر یوں سمجھ لیتے کہ نابالغہ عورت کو جب حیض
 آجائے تو وہ بالغ اور خاوند کی قربت کے قابل سمجھی جاتی ہے۔ اور اگر اپنی علامت بلوغ کی تشہیر کرے تو زندگی کے
 دور جدید میں نادان اور جلد باز متصور ہوگی۔ کیونکہ محض حیض و نفاس نہ اس کی زندگی کا انتہائی مقصد ہے۔ اور
 نہ وہ اس سے دنیا میں منتہی ثابت ہو سکتی ہے۔

پس تہی طرح نابالغہ کا حیض اس کے بلوغ کی دلیل ہے اور وہ مقتضی ہے کہ اب یہ اولاد پیدا کرے یا کسی کے
 کام آ سکے اسی طرح درویش بھی اپنی ریاضت سے جب اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اس پر خالق و مخلوق، زمین و آسمان
 مشرق و مغرب، شمال و جنوب اور قیود و قلوب کی مختلف کیفیات قریبی، بعیدی، گذشتہ، حاضریہ و مستقبلہ کا
 انکشاف ہونے لگے۔ تو وہ بھی اس لائن میں بالغ تصور کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ انکشافی کیفیات کو
 ذکر کرے یا تو کفر لازم آئیگا۔ یا مشرک فی الکفر کہلائے گا۔ بلکہ اس کو اس کے اظہار سے روکنے کا صرف یہ مطلب ہے
 کہ اگر سائنکین و حاضریہ کے لئے ہر خاص و عام کے ساتھ یہی صورت اختیار کر لیگا کہ ان کے آنے جانے میں ہر
 وقت ان کے حالات پر نگاہ رکھے اور بیان کرتا رہے تو یہ وطیرہ و شغل اس کی اگلی منازل میں خارج ہوگا۔ جو
 اس کا مقصود حقیقی ہے۔ کیونکہ محض کشف پر انحصار درویشی اس کا مقصد و حید نہیں۔ اگر کہیں عند الضرورت اظہار کشف
 کرے تو یہ ایک خدمت دین و ملت ہوگی۔ عیب و نقص نہ ہوگا۔ ذرا اس حدیث پر غور فرمائیے کہ ایک جنگ
 گرفتار شدہ دو مراہق (قریب بلوغ) کا فریبچے دربار رسالت میں حاضر کئے جاتے ہیں۔ جن کو حضورؐ نے فرمایا کہ
 تم جو مانہ ادا کرو تو آزادی کی ہوا کھاؤ۔ میں تمہارا قتل معاف کرتا ہوں۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے پال ادا کیا
 جو مانہ کے لئے کوئی رقم یا مال و زر نہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم کو رہائی دے دی جائے تو وعدہ کرتے ہو
 گھر سے جا کر بھیج دو گے۔ انہوں نے پھر عرض کیا کہ ہمارے پاس گھر میں بھی کوئی شے ادائیگی کے لئے موجود
 نہیں۔ جس کی بنا پر ہم یہ وعدہ کر کے چلے جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹ کہتے
 چلتے وقت تمہاری ماں نے سونے کے دو کڑے تم کو دکھا کر تمہارے سامنے مکان کے قتل کرنے میں اس غرض
 دفن نہیں کئے تھے کہ اگر میں مر گئی اور تم جنگ سے میری موت کے بعد واپس آئے تو یہ نکال کر اپنے مصرت
 لے آنا۔ یہ سن کر دونوں لڑکے مشرت باسلام ہو گئے اور عرض کرنے لگے کہ ان کا پتہ سوائے ہمارے اور
 ہماری کے تیسرے کسی کو نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے آپؐ کا تعلق کسی اہل ہستی کے ساتھ ہے جو ہر ظاہر و باطن
 بھیدوں سے واقف ہے اور اسی نے آپؐ کو ان علوم و اسرار سے نوازا رکھا ہے۔

ایسا ہی حضرت ابولعبیدہ صحابی کا جنگ تبوک سے اطلاع لانے اور حضور علیہ السلام کا بغیر اس کے
 کئے کے خود تمام حالات من و عن بیان فرمادینے کا واقعہ مشہور ہے۔ مقتولین بدر کے متعلق حضورؐ کی نشان دہی

کمال یہاں سے ابوجہل کی لاش اٹھ گئی اور یہاں سے فلاں فلاں کی کس قدر کھلی انکشافی کیفیت پر دال ہے۔
انکار و ہٹ دھرمی کا تو علاج ہی نہیں، ورنہ ہزاروں ثبوت پیش کئے جاسکتے ہیں۔ جن سے اخراجات سراسر جہالت ہوگی
مصنفت کتاب مسالک السالکین لکھتے ہیں کہ کشف تلویں و تکوین کی حضوری اور کسی شے کو اپنی باطنی قوت سے
معلوم کرنے کا نام ہے۔ اگر کشف و کرامت کا ظہور درویش سے نہ ہوتا تو شاید درویش کو قیامت تک کوئی معلوم
بھی نہ کر سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ کشف و کرامت درویش کے دوپہیں جن کی بنا پر تمام جہان سے وہ بلند پرواز اور
بلند مرتبہ ہوتا ہے۔ اور ان ہی کی بنا پر اس کی شناخت ہوتی ہے۔ تاکہ خلق خدا اس سے نفع اٹھا سکے۔

حضرت قبلہ عالم شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین عمر سحروردی رضی اللہ عنہ اپنی کتاب عوارف المعارف میں
فرماتے ہیں کہ محاضرات ارباب تلویں کے لئے ہے اور مشاہدہ ارباب تمکین کے لئے اور مکاشفہ دونوں کے
درمیان ہے۔ یہاں تک کہ وہ مستقر ہو پس مشاہدہ و محاضرات اہل علم کے لئے اور مکاشفہ اہل عین کیلئے ہے۔
حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ لاہوری اپنی کتاب کشف المحجوب میں فرماتے ہیں کہ مکاشفہ بصید
کے تجربے کے حضور پر دل میں کسی وارد کے آنے کے وقت بولا جاتا ہے۔ اور اس کا نشان عظمت کے سمجھنے میں ہمیشہ کی
جیلنی ہے

کشف، الہام اور وحی کی حقیقت

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ۔

کشف عالم غیب کی کسی چیز سے پردہ اٹھا کر دکھلا دینے کا نام کشف ہے۔ کشف سے پہلے جو چیز مستور تھی اب وہ
مکشوف یعنی ظاہر اور آشکارا ہو گئی ہے۔

قائمی محمد علی تھانویؒ کشف اصطلاحات الفتون صفحہ ۱۲۵ میں لکھتے ہیں:-

”الکشف عند اہل السلوک ہوا مکاشفہ و مکاشفہ رفع حجاب را گوئند کہ روح جہانی است کہ ادراک آل بحواس
ظاہری نتوان کرد الخ“

اس کے بعد فرماتے ہیں کہ حجابات کا مرتفع ہونا قلب کی صفائی اور نورانیت پر موقوف ہے۔ جس قدر

قلب صاف اور منور ہوگا اسی قدر حجابات مرتفع ہوں گے۔ جاننا چاہئے کہ حجابات کا مرتفع ہونا قلب کی نورانیت پر موقوف نہیں ہے مگر لازم نہیں۔

الہام کسی خیر اور اچھی بات کا بلا نظر و فکر اور بلا کسی سبب ظاہری کے من جانب اللہ قلب میں القا ہونے کا نام الہام ہے۔ جو علم بطریق حواس حاصل ہو وہ ادراک حسی ہے اور جو علم بغیر حواس اور طور عقل من جانب اللہ بلا کسی سبب کے دل میں ڈالا جائے وہ الہام ہے۔ الہام محض مہریت ربانی ہے اور فراست ایمانی جس کا حدیث میں ذکر آیا ہے من وجہ کسب ہے۔ اور من وجہ وہیب ہے۔ کشف اگرچہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے الہام عام ہے۔ لیکن کشف کا زیادہ تعلق امور حسیہ سے ہے اور الہام کا تعلق امور قلبیہ سے ہے۔

وحی بطریق الہام ہو یا بطریق کلام ہو۔ لیکن اصطلاح شریعت میں وحی اس کلام الہی کو کہتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ فرشتہ نبی کو بھیجا ہو اور اس کو وحی نبوت بھی کہتے ہیں جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور اگر بذریعہ القاء فی القلب ہو تو اس کو وحی الہام کہتے ہیں جو اولیاء پر ہوتی ہے اور اگر بذریعہ خواب ہو تو اصطلاح شریعت میں اس کو رویائے صالحہ کہتے ہیں جو عام مومنین اور صالحین کو ہوتا ہے۔ کشف الہام اور رویائے صالحہ یہ اللہ وحی کا اظہار ہو سکتا ہے مگر عرف شرع میں جب لفظ وحی کا بولا جاتا ہے تو اس سے وحی نبوت ہی مراد ہوتی ہے۔ یہ الہام ہے کہ جیسا قرآن کریم میں باعتبار لغت کے شیطانی وسوسوں پر بھی وحی کا اطلاق آیا ہے کَمَا قَالَ تَعَالَىٰ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَكَايُفُؤُونَ إِلَىٰ أُولِيَائِهِمْ زُكْرًا ۚ وَإِذْ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَاطِئِينَ ۚ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا۔ لیکن عرف میں شیطانی وسوسوں پر وحی کا اطلاق نہیں ہوتا۔

وحی اور الہام میں فرق وحی نبوت قطعی ہوتی ہے اور معصوم عن الخطا ہوتی ہے اور اہمیت پر اس کا اتباع لازم ہوتا ہے اور نبی پر اس کی تبلیغ فرض ہوتی ہے۔ اور الہام طبعی ہوتا ہے اور معصوم عن الخطا

لہ کما فی امیاء العلوم ص ۱۱۰ جلد ۳

نہیں ہوتا۔ کیونکہ حضرات انبیاء معصومین عن الخطا ہیں اور اولیاء معصوم نہیں۔ اسی وجہ سے امام دوسروں پر حجبت نہیں اور نہ امام سے کوئی حکم شرعی ثابت ہو سکتا ہے۔ حتیٰ کہ استجاب بھی امام سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ نیز علم احکام شرعیہ بذریعہ وحی انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے اور غیر انبیاء پر جو امام ہوتا ہے وہ از قسم بشارت یا از قسم تفہیم ہوتا ہے احکام پر مشتمل نہیں ہوتا جیسے حضرت مریمؑ کو جو وحی امام ہوئی وہ از قسم بشارت تھی نہ کہ از قسم احکام اور بغض مرتبہ وحی امام کسی حکم شرعی کی تفہیم اور افہام کے لئے ہوتی ہے۔

یونہی روئے صالحہ کو امام سے ہے وہی نسبت امام کو وحی نبوت سے ہے۔ یعنی جس طرح روئے صالحہ امام سے درجہ میں کمتر ہے اسی طرح امام درجہ کا ابہام اور انتہاء ہوتا ہے اور امام اس سے زیادہ واضح ہے۔ اسی طرح امام بھی باعتبار وحی کے حقیقی اور مبہم ہوتا ہے اور وحی صاف اور واضح ہوتی ہے۔

اور جس طرح روئے صالحہ میں مراتب اور درجات ہیں تو شخص جس درجہ صالح اور جس درجہ صادق ہے اسی درجہ اس کا روئے صالحہ اور صادق ہوگا۔ اسی طرح امام میں بھی مراتب ہیں جس درجہ کا ایمان اور جس درجہ کی ولایت ہوگی اسی درجہ کا امام ہوگا۔ حدیث میں ہے کہ اگر میری امت میں کوئی محدث من اللہ ہے تو وہ عمر ہے۔ سو جانا چاہئے کہ یہ تحدیث من اللہ امام کا ایک خاص مرتبہ ہے جو خاص اولیاء کو حاصل ہوتا ہے۔ جو ان کی زبان سے نکلتا ہے۔ وہ حق ہوتا ہے اور صدق اور وحی خداوندی اس کی تصدیق کرتی ہے۔ بلکہ حق جل شانہ کی مشیت یہ ہوتی ہے کہ حق کا طور اور صدور اسی محدث من اللہ کی زبان سے ہو سکا قال تعالیٰ فی قصۃ موسیٰ علیہ السلام حقیق علی الا قول علی اللہ الا الحق یہ تحدیث الہی مرتبہ فاروقیہ ہے اس کے اوپر مرتبہ صدیقیت ہے اور اس کے اوپر مرتبہ نبوت و رسالت ہے۔

اگر واردات قلبیہ کسی امر خیر اور امر آخرت یعنی حق جل شانہ کی اظہار کی طرف داعی ہوں تو وحی رحمانی ہے اور اگر دنیاوی شہوتوں اور

وحی رحمانی اور وحی شیطانی میں فرق

نفسانی لذتوں کی طرف داعی ہوں تو وہ وحی شیطانی ہے۔ کذا فی خواص المحکم ص ۱۵۷ و مدارج السالکین ص ۲۱۰ ج ۱

حضرات صوفیہ کرام کا مطلب جس طرح حق جل شانہ نے وحی کو معنی لغوی کے اعتبار سے منقسم قرار دے کر اس کے تحت میں وحی نبوت اور امام اور شیطانی و وسوسوں کو داخل فرمایا اور امام کو معنی لغوی

کے اعتبار سے امام بنو اور امام تقویٰ کی طرف تقسیم فرمایا۔ فالہمہا فجورہا وتقوہا اور لفظ ارسال معنی لغوی کے

اعتبار سے شیطان ہی کے لئے آیا ہے۔ اِنَّا اَرْسَلْنَا الشَّيْطَانِ عَلَى الْكَافِرِينَ

اسی طرح حضرات صوفیہ نے نبوت کو بمعنی لغوی سے کر مقسم بنایا یعنی خدا تعالیٰ سے اطلاع پانا اور دوسروں کو اطلاع دینا۔ اس معنی لغوی کو مقسم بنایا اور حضرات انبیاء کی نبوت اور وحی شریعت اور اولیاء کی ولایت اور الہام معرفت کو نبوت بمعنی لغوی کے تحت میں داخل فرمایا اور نبوت کے لئے چونکہ تشریح احکام ضروری ہے ولایت میں کوئی حکم شرعی نہیں ہوتا۔ اس لئے حضرات صوفیہ نے نبوت و رسالت کا نام نبوت تشریعیہ رکھا اور ولایت کا نام نبوت غیر تشریعی رکھا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ شریعت میں نبوت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نبوت تشریعیہ اور ایک نبوت غیر تشریعی۔ بلکہ نبوت بمعنی لغوی دو قسمیں ہیں۔ ایک اصطلاحی نبوت جس کے لئے تشریع احکام لازم ہے اور نبوت بمعنی لغوی کی دوسری قسم ولایت اور الہام ہے جس سے صرف حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا ہے۔ مگر اس سے کوئی حکم شرعی ثابت نہیں ہوتا حتیٰ کہ کشف اور الہام سے مستحب کا درجہ بھی ثابت نہیں ہوتا اور حضرات صوفیہ نے نہایت واضح طور پر اس کی تصریح کر دی ہے کہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبوت کا دروازہ بالکل بند ہو چکا ہے اور جس قسم کی وحی حضرات انبیاء پر اتنی مہتی وہ بالکل مسدود ہو گئی۔ اب نہ یہ منصب باقی ہے اور نہ کسی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ اپنے اوپر نبی اور رسول کا لفظ اطلاق کرے۔ نبوت بالکل ختم ہو گئی ہے۔ اولیاء کے لئے نبوت میں سے صرف وحی الہام باقی ہے۔ اور حفظ قرآن کے لئے یہ قرآن باقی ہے۔ حدیث میں ہے من حفظ القرآن فقد درجت النبوة بین جنبیه جس نے قرآن کو حفظ کر لیا تو اس کے دونوں پہلوؤں کے درمیان نبوت داخل کر دی گئی۔ اور علما اور خواص امت کو منصب رسالت میں یہ حصہ ملا کہ وہ احکام شریعت کی تبلیغ کریں اور فقہاء اور مجتہدین کو منصب رسالت سے یہ حصہ ملا کہ کتاب و سنت اور شریعت کی روشنی میں اجتہاد و استنباط کریں اور غیر منصوص امور کا حکم اصول شریعت کے ماتحت رہ کر خدا داد نور فہم اور نور تقویٰ سے قرآن اور حدیث سے نکال کر امت کو فتویٰ دیں۔ اس طرح مجتہدین کو تشریع احکام کا ایک حصہ عطا ہوا اور یہ بھی تصریح فرمائی کہ جو شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ دعوے کرے کہ مجھ پر اللہ کے احکام اور یہ ادا امر اور نواہی نازل ہوئے ہیں اور مدعی شریعت ہے اور گردن زدنی۔

حضرات انبیاء کرام کی وحی اور الہام کی حجیت میں تو کیا کلام ہو سکتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام الہام کا حکم شرعی کا تو خواب بھی حجیت قطعیت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے محض خواب کی بناء پر

بیٹے کے ذبح کا ارادہ فرمایا جس کی حق جل شانہ نے قرآن کریم میں مدح اور توصیف فرمائی۔

النبیۃ اولیاء اللہ کے الہام میں کلام ہے کہ اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

الہام کا حکم یہ ہے کہ اگر الہام کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور قواعد شریعت کے خلاف نہ ہو تو اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ واجب نہیں۔ اور جو الہام کتاب و سنت و شریعت کے خلاف ہو اس پر عمل کرنا بالاجماع جائز نہیں۔ جو الہام قرآن و شریعت کے خلاف ہو وہ الہام رحمانی نہیں بلکہ وہ الہام شیطانی ہے۔ الہام کے صدق و کذب کا معیار ہی کتاب و سنت کی موافقت اور مخالفت ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت فائق اعظمؓ کبھی اپنے الہام پر عمل نہ فرماتے تھے۔ جب تک کہ کتاب و سنت سے اس کی تصدیق و تائید نہ ہو جاتے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ احیاء العلوم میں لکھتے ہیں کہ ابوسلیمان دارانیؒ یہ فرمایا کرتے تھے کہ الہام پر اس وقت تک عمل نہ کرو جب تک آثار سے اس کی تصدیق نہ ہو جائے۔

حضرت غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فتوح الغیب میں فرماتے ہیں کہ الہام اور کشف پر عمل کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ وہ قرآن اور حدیث اور اجماع اور قیاس صحیح کے مخالف نہ ہو۔

قاضی ثناء اللہ صاحبؒ ارشاد الطالبین میں فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا الہام علیم ظنی کا موجب ہے۔ اگر کسی ولی کا کشف اور الہام کسی حدیث کے خلاف ہو اگرچہ وہ حدیث خبرا حاد میں سے ہو بلکہ اگر ایسے قیاس صحیح کے بھی خلاف ہو کہ جو شرائط قیاس کو جامع ہو تو اس جگہ بمقابلہ کشف و الہام قیاس کو ترجیح دینی چاہئے اور یہ مسئلہ سلف اور خلف میں متفق علیہ ہے۔ مکتوبات میں حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں:-

”اے عزیز جان لے (خدا تجھے سمجھ عطا کرے اور سیدھے راستے کی ہدایت کرے) کہ طریق سلوک کے

منزوی امور میں صحیح عقیدہ رکھنا ہے جو علمائے سنت نے قرآن و حدیث اور آثار سلف سے اخذ کیا ہے

اور قرآن و حدیث کو انہی معانی پر عمول کرنا بھی ہے۔ جو علمائے اہل سنت و الجماعت نے

قرآن و حدیث سے سمجھے ہیں۔ اور اگر بالفرض محال ان اہل سنت کے سمجھے ہوئے معانی کے خلاف

کشف و الہام کے ذریعے کوئی بات ظاہر ہو تو اس کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ مثلاً وہ آئین اور حدیثیں

جن کے ظاہری پیلوؤں سے وحدۃ الوجود سمجھ میں آتی ہے یا اسی طرح باری تعالیٰ کا ذاتی لحاظ سے ہر جگہ ساری
 دساری ہوتا اور ذاتی قرب و معیت معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ علمائے حق نے ان آیات و احادیث سے یہ معنی
 نہیں سمجھے ہیں تو اگر راہ و سلوک کے دوران میں یہ باتیں منکشف ہوں اور خدا کے سوا کسی کو موجود نہ پائے یا خدا
 کو بالذات محیط سمجھے اور بالذات قریب پائے تو اگرچہ وہ سالک بوجہ سکر کی حالت کے غلبہ کے اس وقت
 معذور ہے لیکن اسے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے التجا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس چکر سے نکال کر اہل
 حق علماء کی درست راستے کے موافق امور اس پر ظاہر فرمادے اور ان سچے عقیدوں کے خلاف بال برابر
 بھی ظاہر نہ ہونے دے۔ غرض اہل حق کے سمجھے ہوئے معانی کو اپنے کشف کا معیار بنانا چاہئے۔ اور اس
 کے علاوہ اور کسی چیز کو اپنے الہام کی کسوٹی نہیں بنانا چاہئے۔ کیونکہ جو معانی اہل حق کے سمجھے ہوئے معانی
 کے خلاف ہیں وہ درجہ اعتبار سے گرے ہوئے ہیں۔ اس لئے کہ (یوں تو) ہر متبذع اور گمراہ اپنے پیشوا
 کے معتقدات کو قرآن و حدیث سمجھتا ہے اور اپنی ناقص اور پوچھ سمجھ کے مطابق قرآن و حدیث سے حقیقت
 کے خلاف معانی سمجھتا ہے (اور قرآن سے بہت سے گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہت راہ پاتے ہیں) اور یہ جو
 میں نے کہا کہ اہل حق کے سمجھے ہوئے معانی معتبر ہیں اور اس کے خلاف معتبر نہیں یہ اس بنا پر ہے کہ انہوں
 نے ان معانی کو صحابہؓ اور سلف صالحینؒ سے اخذ کیا ہے۔ اور ان کے ستارہ ہدایت سے نور حاصل کیا
 ہے۔ اسی لئے ابدی نجات اور دائمی فلاح ان کے لئے مخصوص ہو گئی (یہ لوگ ہیں اللہ کی جماعت اور سن لو کہ)
 اللہ کی جماعت ہی فلاح پانے والی ہے۔

اگر بعض علماء باوجود صحیح عقائد جاننے کے جزئیات اور فرعیات میں حق کو چھپائیں اور اعمال میں تقصیر کریں تو
 اس سے مطلقاً تمام علماء کا انکار کرنا اور سب کو ملامت کرنا کھلی بے انصافی اور ہٹ دھرمی ہے۔ بلکہ یہ پھر
 (دوسرے الفاظ میں) اکثر ضروریات دین سے انکار کر دینا ہے۔ کیونکہ ضروریات دین کے روایت کرنے والے
 اور ان میں کھوٹے کمرے کی تمیز کرنے والے یہی علماء ہیں کہ اگر ان کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاسکتے
 اور اگر ان کی طرف سے حق و باطل کی تمیز نہ کی جاتی تو ہم بھٹک جاتے۔ یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے اپنی آخری
 کوشش تک دین کا بلبل بانا کرنے کے لئے صرف کر دی ہے۔ اور انسانوں کے بہت سے گروہوں کو

سید سے راستے پر چلایا ہے۔ پس جس نے ان کا اتباع کیا اس نے نجات و فلاح پائی اور جس نے ان کی مخالفت کی وہ خود بھی گمراہ ہوا اور دوسروں کے لئے بھی گمراہی کا ذریعہ بنا،

وجد، تواجد اور وجود | قلب پر ایسی سرت و شادمانی یا رنج و ملال کی کیفیت طاری ہونے کو کہتے ہیں۔ جو بندہ کی حالت کو متغیر کر دے۔ یہ صورت کسی پر اثر و با معنی شہر، موثر فقرے اور تلاوت کلام الہی

وغیرہ سے پیش آتی ہے۔ اور اس کا نزول اللہ جل شانہ کی طرف سے ہوتا ہے۔ پھر اس کے دو مقام ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ وجد ہو مشاہدہ سے خالی ہو وہ قطعاً کذب و دروغ ہوتا ہے۔ دوسرا وہ جو بالمشاہدہ ہو اور یہ ان واجدین کی حقیقت ہے جن کی ارواح نہایت پاکیزہ اور لطیف ہوتی ہیں۔ ان کا کلام مردہ دلائل کو زندہ اور عقل کو زیادہ کرتا ہے۔ اودان کا وجد تمیز کو اٹھا دیتا ہے۔ مکانات متعدد کو مکان واحد اور اعیان مختلفہ کو عین واحد کر دیتا ہے۔ بزرگانِ طریقت نے فرمایا ہے کہ وجد کی ابتدا حجابات کا اٹھ جانا، تجلیات حق کا مشاہدہ کرنا۔ فہم کا حاضر ہونا، اسرار غیب کا ملاحظہ اور کم گشتگی و تنہائی کو پسند کرنا ہے۔

وجد کی شرط | یہ ہے کہ اس کے سبب سے اوصاف بشریت منقطع ہو جائیں اور جن وجد سے بشریت کا فقدان حاصل نہ ہو حقیقت میں وہ وجد وجد نہیں ہے۔ پھر صحیح وجد کے دو مقام ہیں، ۱۔ مقام ناظر

۲۔ مقام منظور الیہ

مقام ناظر سے مراد مقام شاہدہ ہے۔ جیسا کہ اوپر ضمناً ذکر ہوا۔

مقام منظور الیہ سے مراد مقام غیب ہے۔ حق تعالیٰ اول وجد میں اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ کیونکہ تواجد استیجابِ عبدیت کو لازم کرتا ہے۔

وجود کے معنی | وجود کے تین معنی ہیں۔ اول وجود علم لدنی (علم لدنی کا پانا) جیسے علم شواہد قطع ہو جائیں اور کاشفہ حاصل ہو جائے۔ دوم وجود حق (صحیح پالینا) جس سے پھر انقطاع نہ ہو سکے۔

سوم وجود برتر۔ جب بندے کو کاشفہ جمال حاصل ہوتا ہے تو اس کے دل میں سکر پیدا ہو جاتا ہے۔ اس کی روح میں خوشی پیدا ہوتی ہے اور تیر ظاہر ہوتا ہے۔

صحو۔ ترتیب افعال اور تہذیب اقوال کی جانب رجوع کرنا ہے اور یہ لغیر تجلیات حق حاصل نہیں ہونا جب صاحبِ وجود

غیر حق کی جانب مشغول ہوتا ہے پھر اسے حیرت طاری ہو جاتی ہے۔ مگر اس مقام میں حیرت شبہ نہیں ہے۔ بلکہ حیرت مشاہدہ عزت و کمال ہے اور صاحبِ جب ذاتِ حق کی طرف مشغول ہوتا ہے تو پھر اس پر کسی امر کا ورود نہیں ہوتا۔ کیونکہ صومق ماسات جمیعت لوائح و بود اور منازلِ حیات سے ہے۔ یعنی صحوان کے لئے ہے جن کو غیب کے حقائق کا انکشاف ہوتا ہے۔

تلوین دل کی حالت کے تغیرات کا نام ہے۔ اہل دل کبھی مضطرب و بقیار ہو جاتے ہیں۔ کبھی ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری ہو جاتا ہے۔ کبھی ان پر خوف کا جذبہ طاری ہوتا ہے۔ کبھی وہ مسرور و شادماں ہوتے ہیں۔ یعنی جب قلب اپنی حدود کو عبور کر کے صفات کی جانب متحرک ہوتا ہے تو اس وقت فقیر پر یہ حالتیں طاری ہوتی ہیں۔ اس لئے کہ جیسے صفات گونا گوں ہیں ان کی یہ گونا گونی قلب فقیر پر بھی وہی اپنی گونا گوں کیفیات پیدا کر دیتی ہے اور یہی تلوین ہے۔ گویا دوسرے الفاظ میں تلوین اہل حال کی ایک صفت ہے۔ بندہ جب تک اثنائے راہ میں ہے۔ برابر ایک حال سے دوسرے حال میں ترقی اور ایک وصف سے دوسرے وصف کی جانب منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اسی لئے صاحبِ تلوین کہلاتا ہے۔

تمکین فقیر تجلی صفات سے گزر کر جب تجلی ذات تک پہنچ جاتا ہے تو چونکہ ذات میں صفات کی طرح کوئی تغیر نہیں ہوتا۔ اہل تمکین لئے یہاں پر بھی اس کی حالت یکساں رہتی ہے۔ اور اس غیر مبدل کیفیت کا نام تمکین ہے۔

قبض و لبسط قبض و لبسط دو کیفیتیں ہیں جن کے لئے خاص وقت اور خاص کوائف اور موسم لازم ہیں۔ قبض و لبسط نہ اس موسم و وقت سے پہلے ظہور پذیر ہوتی ہیں اور نہ اس کے بعد۔ یوں سمجھئے کہ جیسے شرط بغیر مشروط کے

اور علت بغیر معلول کے نہیں ہوتی۔ مثلاً دھواں و ماں ہوگا جہاں آگ ہوگی۔ ایسے ہی قبض و لبسط کا بھی ایک خاص وقت اور مقام ہے۔ جب تک درویش و ماں تک رسائی نہیں حاصل کر لیتا تب تک قبض و لبسط کا اس سے کوئی معاملہ نہیں ہوتا۔ یعنی ان دونوں کا وقت اور موسم بارش و حضرت شیخ الشیوخ محبت خاص کے اوائل حال میں ہوتا ہے۔ گویا درویش جب صاحبِ نفسِ لوامہ ہو جاتا ہے تو آہستہ آہستہ اس میں قبض و لبسط کا ظہور ہوتا ہے۔ اس واسطے کہ وہ رتبہ ایمان سے ایقان و حال محبت خاص کو ترقی کرتا ہے۔ سو کبھی حق تعالیٰ اس کو قبض کرتا ہے اور کبھی لبسط کرتا ہے۔ اور نفس جب تک لوامہ رہتا ہے کبھی غالب رہتا ہے کبھی مغلوب۔ اس لئے اس کے اعتبار سے قبض و لبسط کا سلسلہ بھی جاری سمجھا گیا ہے۔ پھر جب صاحبِ نفسِ لوامہ حجابِ ظلماتی سے نکلیگا قبض و لبسط کے تصرف سے بھی باہر ہو جائیگا۔

مشاہدہ مراقبہ کے ضمن میں پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ فقیر حبس ہر چیز اور ہر کار سے فارغ ہو کر صرف اللہ تعالیٰ کی جانب متوجہ ہو جاتا ہے اور اس کی جانب ظاہر سے آنکھیں بند کر کے بیٹھ جاتا ہے تو اس کو مراقبہ یا راکب کہتے ہیں۔ اور جب اسی عمل سے آقائے حقیقی کے حضور میں حاضر ہو کر چشم باطن کھول دیتا ہے تو اس وقت اسے ہو کچھ نظر آئے وہ شہود یا مشاہدہ کہلاتا ہے۔

مشاہدہ کا یہ مطلب نہیں کہ نظر کرنے والا حق سبحانہ تعالیٰ کو جس چشم سے دیکھ سکے۔ بلکہ جب ارواح و اشیاء پر یہ نہایت انوار کا پردہ پڑتا ہے تو سب کچھ ایسے نیست و نابود ہوتے ہیں کہ گویا کبھی تھے ہی نہیں۔ اور ان کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہتا یا یوں سمجھئے کہ جب دل کا حضور ذکر کی حقیقت کے ساتھ ہو جو کہ حوت و آواز سے پاک ہے تو ذکر کے دوام کی وجہ سے ایسے درجہ پر ترقی ہوتی ہے کہ کسی اور چیز کی اس میں گنجائش ہی نہیں رہتی۔ اس حال میں دل کو مشاہدہ اور خداوندِ عالم کو مشاہدہ کہتے ہیں۔ حضرت شیخ جاگیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مشاہدہ کی حقیقت یوں ہے مَسَّ شَاهِدَ الْحَقِّ عَنَّا وَ حَبْلٌ فِي سِرِّهِ نَسْقَطُ الْكُفْنَ مِنْ قَلْبِهِ کہ جو حق عز و جل کا مشاہدہ باطن میں کر لیتا ہے اس کے دل سے موجودات گر جاتے ہیں۔ شیخ عقیف الدین سیلی فرماتے ہیں کہ مشاہدہ کی کیفیت ایسی ہے کہ دیکھی جانے والی چیز اور دیکھنے والا ایک ہو جاتے ہیں۔

فنا و بقاء جمہور اہل تصوف کے نزدیک فنا یہ ہے کہ سالک کو سوائے ذات باری تعالیٰ کے نہ کسی چیز کا شعور باقی رہے اور نہ کوئی چیز نظر آئے۔ بلکہ اس کو ہر طرف انوار الہیہ ہی دکھائی دیں۔ اس فنا میں جو حالتیں طاری ہوتی ہیں جو کیفیت حاصل ہوتے ہیں اور جو مشاہدات بروئے کار آتے ہیں ان کی لذتوں کو کچھ سالک ہی کا دل محسوس کر سکتا ہے۔ فنا کے تین درجے ہیں۔ جو عوام میں زبان زد ہیں۔ مثلاً فنا فی الشیخ، فنا فی الرسول، فنا فی اللہ۔ ہر درجہ اور ہر منزل انوار تجلیات کی جلوہ گاہ ہے اور ہر مرحلہ پر حجاب اٹھتے اور مقامات کھلتے چلے جاتے ہیں۔

پھر ان درجات کے علاوہ فنا کے اقسام بھی تین ہیں۔ جو اہل اللہ نے یوں ذکر فرمائے ہیں:-

۱۔ فنا وجودی ۲۔ فنا عدلی ۳۔ فنا الفناء

۱۔ فنا وجودی وہ ہے کہ کل اشیاء کا وجود عارف کی نظر میں نیست و نابود ہو جائے اور خدا کا نہ ہر فرد میں ذاتِ خدا جلوہ گر ہو۔ لا الہ الا اللہ کے یہی معنی ہیں۔ لیکن اس میں شرک و خفی کا اشتباہ ہے کہ ناظر و منظور، مستثنیٰ و مستثنیٰ آمنہ ہوں مگر وہ ہے اور اس کو توحید و جود بھی کہتے ہیں۔ جہاں ظاہر کی نفی کے ساتھ عارف کو اپنی نفی بھی لازم ہے۔

۲۔ فنا حدی وہ ہے کہ وجود اشیا کی بجائے وجود حق کا ادراک جو عارف کو حاصل ہوا ہے وہ بھی فنا ہو جائے۔ اور ایک ذات خارج از شے و لاشے اور اورائے وجود و عدم جلوہ گر ہو۔ اس وقت وحدہ لا شریک لہ کے معنی منکشف ہوتے ہیں۔ لیکن اس میں شرک اخفی ہے۔ کیونکہ ابھی وقوت و ادراک باقی ہے جو مستلزم دوئی ہے۔

۳۔ فنا الفنا۔ یعنی فنا بر اتم وہ ہے کہ وقوت و شعور، حس و ادراک، وجود و عدم، عین و غیر وغیرہ، خودی و خدائی یاد و وجود، ذکر و فکر، بہت و نہیت کا کچھ اثر باقی نہ رہے۔

نیز اس منزل میں یہ ضروری نہیں کہ جو اطوار و احوال فنا ایک درویش پر وارد ہوں۔ دوسرے پر بھی وہی منکشف ہوں۔ کیونکہ اس معرفت کے بحر ناپید اکائیں ہر دم نیامد و جہد ہوتا رہتا ہے۔ اور ہر آن نئی نئی امواج اٹھتی رہتی ہیں۔ لہذا عارف کا طریق کار اور استعداد و کافرق یہاں بھی اختلاف پیدا کر دے گا۔ مگر باوجود اس اختلافات کے ہر ایک کا علم و انکشاف اور عرفان و ادراک بجائے خود صحیح و درست ہو گا۔ جس میں شک و شبہ اور اقراض و محبت کی قطعاً گنجائش نہ ہوگی۔ جیسا کہ خواجہ علاؤ الدین عطارؒ فرماتے ہیں کہ جس کا عشق زیادہ ہے، اس کا اپنے آپ سے غائب ہونا بہت ہو گا۔ اور معشوق سے حضوری زیادہ ہوگی۔ جب ملک اور ملکوت طالب پر پوشیدہ ہو جائیں۔ تب فنا وارد ہوتی ہے۔ اور جب سالک کی اپنی ہستی بھی اس پر پوشیدہ ہو جائے فنا پر فنا پا جائے گا۔

خواجہ عبید اللہ فرماتے ہیں کہ دل کا خالی ہونا اس پر موقوف ہے کہ ذات کی تجلی احدیت کے وصف کے ساتھ ہو اور اس مطلب کا حصول یوں ہو سکتا ہے کہ پہلے تو اللہ اور اس کے رسول علیہ السلام اور جو کچھ وہ خدا کے پاس سے لائے ہیں اور جو کچھ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوا ہے، خداوند عالم جل مجدہ اور اس کے رسول علیہ السلام کی مرضی کے مطابق ان سب پر ایمان لایا جائے اور پھر اس کے اسباب یعنی ریاضات و مجاہدات کہ جن سے شریعت نے منع نہیں کیا استعمال میں لانا اور ذکر کا ہمیشہ کرنا بشرط اعتقاد و مذکورہ عجز و انکساری کے ساتھ جس میں ریاء نہ ہو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت پر پورا خضوع ہو۔ لیکن اس نسبت کے حاصل کرنے میں اس سے بڑھ کر کوئی توی سبب نہیں کہ پورے صدق و خالص کے ساتھ ایسی جماعت کی صحبت و مجلس اپنے وقت کیلئے لازم پکڑے کہ جن کا باطن اس تجلی کا مظہر ہو گیا ہو۔ اور اس تجلی کے غلبہ سے غیر کا وجود ان کے سامنے سے ہٹ گیا ہو۔ خیر کے شہود سے پورے طور پر آنا اور حقیقی فنا میں اپنے اور غیر کے شعور کی مزاحمت سے

پاک ہو چکے ہوں۔ کیونکہ وہی لوگ انعاماتِ الہیہ کے ماتحت بے خودی و سرکے سے افتادہ حاصل کر کے دوسروں کے لئے سعادت حقیقیہ کا جس کو فنا و بقا کہتے ہیں واسطہ بن سکتے ہیں۔

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں کہ ذات کے شہود میں ہلاک اور غرق ہو جانا۔ یہاں تک کہ غیر کے وجود کا شعور تک نہ رہے بلکہ اس مقام میں اگر ترقی واقع ہو تو تجلیاتِ اسماء کے ذوق سے بھی شعور معدوم ہو جائے تو فانی کہلائے گا۔

اور بقا اسی فنا سے حاصل ہوتی ہے جس کا انقطاع ناممکن اور زوال و فنا قطعی معدوم ہوتے ہیں۔ جو حضرات اس درجہ کو حاصل کر لیتے ہیں ان کی حیثیت ہی کچھ اور ہو جاتی ہے۔ وہ عالم علم لدنی اور واقفِ اسرارِ الہی بن جاتے ہیں جس سے ایک عجیب قسم کا پُرکیت رعب قلب پر طاری ہوا کرتا ہے۔ اس حال میں سو سو سوال و جواب ہوا کرتے ہیں۔ مگر اس حال کی میعاد کبھی آنکھ کا جھپکا را اور کبھی بہت دیر پا ہوتی ہے چنانچہ حضرت امام الاولیاء بایزید بسطامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ چاندرات تھی اور سارے جہان پر ایک سکون و سکوت طاری تھا کہ مجھے ایک ایسی حضوری ہوئی جس کے سامنے ساری کائنات ایک ذرہ معلوم ہوتی تھی۔ پھر میرے دل سے ایک شورا اٹھا اور مجھ پر عجیب رعب کے ساتھ ایک پُرکیت حالت طاری ہو گئی میں نے اسی حال میں بعد ذوق بارگاہِ ایزدی میں گزارش کی کہ الہی ایسی عالیشان باعظمت بارگاہِ خالی اور پوشیدہ کیوں ہے حکم ہوا کہ ہر نااہل کو اس بارگاہ میں داخل نہیں ہے پھر میں نے یقین کی آنکھوں سے نور کا جلوہ دیکھا۔ جس کی وجہ سے میں محسوس کرتا تھا کہ نہ میری آنکھیں ہیں اور نہ کان نہ میری ہستی ہے نہ وجود نہایت طہانیت و سکون کا عالم تھا۔ میری تمام ظاہری وجودی صفات معدوم اور تمام کسی علوم فراموش ہو گئے اور میں نے معلوم کیا کہ میں ایک پرندہ ہوں اور صفاتِ الہیہ کی فضا میں پرواز کر رہا ہوں اور میں نے چشمِ زدن میں چار ہزار دایاں طے کی ہیں۔ اسی طرح حضرت خواجہ ابوالحسنین نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے پُر سکون وقت میں ایک تجلی دیکھی جو محسوسات سے پے غیب تک پھیلی ہوئی تھی اور میں اس کو اتنا عرصہ دیکھتا رہا کہ میں اس میں گم ہو گیا۔ علیٰ ہذا ان کے اس وصف بقا میں کوئی ایک فانی شے بھی ان کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔ کیونکہ فنا و بقا دو متضاد چیزیں اور متخالف اوصاف ہیں۔

یہ فنا و بقا وہ نہیں جو عوام الناس کے نزدیک عام معانی و مفہوم میں لی جاتی ہیں بلکہ یہ مقام روحانیت ہیں وہ وصف ہیں جو الفاظ کے حدود و اربعہ میں نہیں آ سکتے۔ کیونکہ یہاں علم کا کام نہیں مشاہدہ کی کار فرمائی ہے۔ اور اگر

الفاظ میں لاکر سمجھنے کی سعی بھی کی جائے تو عوام کی عقل کے ٹھوکر کھا جانے کا اندیشہ ہے۔ مثلاً ابلیس اور منصور نے ایک ہی قسم کا جرم کیا۔ ابلیس نے آنا کہا تو لعنت پڑی اور منصور کی زبان پر یہی لفظ آیا تو اسے درجہ قرب عطا کر دیا گیا۔ فرعون نے دعویٰ خدائی کیا تو ذیل و رسوا ہو کر سارے جہان میں بدنامی کی موت مرا اور ایک بزرگ من خدام من خدام من خدا کہتا ہے تو وہ مقبول بارگاہ کہلاتا ہے۔ بات یہ ہے کہ حسن نیت و حسن ارادہ پر ہی حسن عمل کا حکم لگایا جاسکتا ہے۔ ابلیس کا مطلب اس لفظ سے بنا و بقا تھا۔ اس لئے اس عطا کردہ نعمت چھین لی گئی۔ اور اس کا منصب مسلوب ہو گیا۔ لیکن حضرت منصور کا مطلب فنا تھا کہ وہ خودی بخدا کے بغیر باقی رہے۔ اس لئے اس کو مجلس وصال کی شرکت کا فخر حاصل ہو گیا۔ گویا یہ اس کی ذات واحد میں فنا اور ابلیس اپنے آپ میں بقا کا مدعی بنا غرضیکہ یہ فنا و بقا کے مقامات عالیہ کا ایک وہ روحانی مسئلہ ہے جس کے سمجھنے کے لئے بے انتہا بلند اہلیت بھی ہونی ضروری ہے۔ ہر کیفیت چشم باطن کشادہ رکھنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ بندے تجلیات کے میدان میں بقا و قابلیت و استعداد ہوتے ہیں۔ اور یہ تجلیات بھی موصد و ظرف کے مطابق ہوتی ہیں۔ یعنی کسی پر کوئی صفت متجلی ہوتی ہے اور کسی پر کوئی صفت تجلی فرماتا ہے۔

محواثبات | محو نام ہے صفات عادی کے ادا ہو جانے کا اور اثبات نام ہے احکام عبادت کے قائم ہو جانے کا پس جس نے اپنے احوال سے صفات بد کو دور کر دیا اور ان کی بجائے افعال و احوال حمیدہ پر قائم ہو گیا۔ وہ صاحب محواثبات ہے۔

فتاوت فی اللہ کے اسرار | الغرض فنا ایک وہ مقام بلند ہے جس پر ممکن انسان ایک پیکر روح رہ جاتا ہے اور جب وہ فنا فی اللہ ہو جاتا ہے تو تدریجی طور پر اس کی قوتیں بڑھتی اور شیخ کی قوتیں اس کو ایک حد تک حاصل ہو جاتی ہیں اور اس کے بعد کچھ درمیانی مراحل طے کرنے کے بعد رجن کا ذکر یہاں کتاب کی طوالت کی وجہ سے نہیں کیا گیا، وہ فنا فی الرسول کے رفیع تر مقام میں داخل ہوتا ہے۔ جہاں اس میں تدریجی طور پر ایک حد تک نبوی اخلاق و رسولی محاسن پیدا ہوتے چلے جاتے ہیں۔ طاقتیں بڑھ جاتی ہیں اور روحانی قوی ہو کر منزل بمنزل راہ طے کرتا ہوتا وہ فنا فی اللہ کے مقام بلند اور قصور رفیع میں پہنچ جاتا ہے۔ ذات احدیت غیر محو طاقتوں کی حامل ہے۔ اس میں انسان جتنی ترقی کرتا ہے اتنی ہی اس کی قوتوں میں زیادتی ہوتی جاتی ہے۔ اور

زیادتی ایسی ہوتی ہے جس کی کوئی انتہائی نہیں رہتی۔ ذات احدیت کے اختیارات لامتناہیہ کا یہ ایک معمولی کرشمہ ہے کہ ایک لفظ کن میں سب کچھ کر سکتی ہے اور بندہ بھی جب فنا فی اللہ کی حقیقت میں اتر جاتا ہے تو اس میں بھی اس کی عنایات بے غایات سے کن فیکونی قوتیں ودیعت ہو جاتی ہیں۔ بندہ بھی اس وقت ایک لفظ کن سے جو چاہے بارادہ الہی کر سکتا ہے اور اس کی زبان سے جو نکل جائے اسی وقت ہو جاتا ہے اور یہ دعویٰ و درجہ کوئی بجا و عن الحدیث نہیں ہیں پر تاوانفت حاکمان علم ظاہری کافر و مشرک بنانے والی مشین کو متحرک کر سکیں بلکہ یہ ایک حقیقت ہے جس کی نسبت حدیث شریف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں جب بندہ کو محبوب بنا لیتا ہوں تو وہ میری آنکھ سے دیکھتا ہے۔ میرے کانوں سے سنتا اور میری زبان سے بولتا ہے۔ پھر جب سب کچھ اس کا ہو گیا تو اب کن کہنے والا بھی وہی ہو گا اور آواز بھی اسی کی ہو گی صرف خلق بندے کا ہوتا ہے۔ جیسے کہ مولانا رومؒ فرماتے ہیں۔ شعر

گفتہ او گفتہ اللہ بود
گر چہ از حلقوم عبد اللہ بود

چنانچہ شیخ عبدالکریم جلی اپنی کتاب انسان کامل کے باب ۱۳ میں تحریر فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر تجلی فرماتا ہے تو بندہ اس کے نور میں فنا ہو جاتا ہے۔ پس اگر پکارنے والا کوئی شخص اس حالت میں اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے تو یہ بندہ فنا فی اللہ کا جواب دیتا ہے اور من کلمۃ اللہ کان اللہ لہ کا نقشہ چم جاتا ہے۔ اور اگر بندہ ترقی کر کے بمقام بقا واصل ہو تو اللہ تعالیٰ اس بندے کے پکارنے والے کو جواب فرماتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی بزرگ کو یا شیخ فلاں کہ پکارے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے جواب میں لبیک فرمائیں گے۔ سمجھنے کے لئے یہ ایک مثال کفایت کرتی ہے کہ لوہے کو اگر آگ میں ڈالا جائے تو آگ کی تمام صفات اس پر دار ہو جاتی ہیں اور وہ اعمال کے لحاظ سے جلانے پھونکنے اور روشن ہونے میں اگر اپنے آپ کو آگ کہہ کہ اس حرف کن کا مدعی ہو جائے تو کیا استحالہ لازم آتا ہے۔ وہ جلا بھی سکتا ہے اور روشن بھی کر سکتا ہے۔ اللہ کریم جل مجدہ کی رحمت و عنایت تو بہت بے پناہ اور بڑی چیر ہے۔ اور پھر اس بے انتہا پر ہی موقوف نہیں۔ بعض اوقات یہ طاقتیں فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول کی منزلوں میں بھی اولیا و واصفیاء کو حاصل ہو جاتی ہیں۔ وَخَالِکَ

نُصَلُّ اللہ یُؤْتِیْہِ مَن یَّشَاءُ

عوام و ناواقف نہ سمجھیں مگر واقف اسرار خوب جانتے اور سمجھتے ہیں کہ جس طرح فنا فی الشیخ اور فنا فی الرسول ہو کر انسان شیخ اور رسول نہیں بن جاتا اسی طرح فنا فی اللہ ہو کر بھی اس میں خواہ کتنی ہی قوتیں اور قدتیں پیدا ہو جائیں اور وہ لفظ کن میں سب کچھ کر سکے مگر خدا نہیں بن جاتا۔ رہتا پھر بھی بندہ ہی ہے۔ بلکہ یہاں پہنچ کر اس کی مسکینی و انکساری اور عاجزی و عبودیت و تقویٰ و خشیت میں بے انتہا اضافہ ہو جاتا ہے اور سب طاقتیں حاصل ہونے کے باوجود بندہ تسلیم و رضا ہی کہلا سکتا ہے۔ مخلوق کے ہر قسم کے جوہر استعداد رہتا ہے مگر قوت کا مظاہرہ نہیں کرتا اور شیت اپنی دی میں اسکا وکیل ہوتا بھی شاذ ہی ہوتا ہے۔ کیونکہ اس مقام پر اس کے لئے سب سے بڑی صفت عبودیت و راضی برضا ہونا ہوتا ہے۔ اور بقول شاعر ”زندہ ہے جو زندہ سے سروکار نہ کھیگا“ اس وقت یہ بندہ گوفانی ہوتا ہے۔ مگر جس میں فنا ہوا ہے وہ باقی ہے۔ اس لئے یہ فانی بھی فانی نہیں رہتا۔ اور اس درجہ پر پہنچ کر فی الحقیقت الٰہی کا مرتبہ اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ اس کی یہ قوتیں ظاہری جسمانی موت و انتقال کے بعد بھی قائم رہتی ہیں۔ اور وہ زیر علی بھی پڑے ہوئے سب کچھ کر سکتا ہے۔ کیونکہ اَلَا اِنَّ اَوَّلِیَّاءَ اللّٰهِ لَا یَمُوتُوْنَ وَلٰکِنْ یُنْقَلِبُوْنَ مِنْ کَاِبٍ اِلٰی کَاِبٍ۔ حدیث شریف میں وارد ہے کہ اولیاء اللہ مرتے نہیں بلکہ وہ ایک گھر کو چھوڑ کر دوسرے گھر میں آ جاتے ہیں۔ جو صورت نقل مکانی ہوتی ہے۔

اوراد و وظائف

ہونکہ ہمارے اس محض جسم کو ٹٹولنے، دیکھنے، ان کی سُننے اور ان کو سونگھنے تک محدود ہیں اور جس ذات کی ہمیں تلاش ہے وہ مجرد اور ہمارے ہر خیال سے اتنی بلند و بڑ ہے کہ ایک بیچ مایہ انسان اس کے اتصال کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے اس مسئلے پر غور کرنا اور سمجھنا صرف تصوف کا موضوع ہے۔ تصوف قال نہیں حال ہے اور وہ انسان کے اندر ایک ایسی کیفیت پیدا کرنے کا خواہشمند ہے۔ جس سے انسان کا دل خداوند عالم جل و علا شانہ کو خود اپنی نظروں سے دیکھے اور اس کی قدرت کو اپنے سامنے متحکم پائے۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل کے جواب میں اس حقیقت کی جانب بدیں الفاظ اشارہ فرمایا تھا کہ عبادت اس طرح کرنا گویا خدا کو تم دیکھ رہے ہو۔ یا اگر یہ کیفیت طاری نہیں تو یوں سمجھو کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے۔

تصوف اور صوفی کی تعلیم ہر متلاشی انسان کو اس قابل بنادیتی ہے کہ وہ اپنے مولا کریم و رب رحیم کو دیکھ سکے۔ مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیونکر۔ اس کا جواب ایک اور صحیح یہ ہے کہ تصوف کے نزدیک خدا شناسی کا راستہ بندہ کی خود اپنی ذات سے شروع ہوتا ہے۔ اور جب بندہ اپنے آپ پر دھیان کرتا ہے۔ اور سوچتا ہے۔ کہ میں کون ہوں اور کیا ہوں۔ کہاں سے آیا اور کہاں جاؤں گا۔ تو گویا اس نے اپنے آپ کو پائے کا رستہ اختیار کر لیا ہے جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا۔ اس لئے خدا کو پہچان لیا اور مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ کا یہی مہنوم ہے۔ یعنی مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ بِالْفَنَاءِ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهُ بِالْبَقَاءِ

اپنے آپ کو پانے اور پہچاننے کے لئے صوفیاء کرام ذکر و اذکار و اعمال و اشتغال تجویز فرماتے ہیں۔ ریاضتیں مجاہدے اور مراقبے بتاتے ہیں۔ چہ و نفس کشی اور تصور کرنے سکھاتے ہیں۔ اور کبھی ارادتمند پر خود اپنی توجہ ڈال کر باطنی قوتوں کو بیدار کرنے کی جو بھی صورتیں ہو سکتی ہیں، ان کی مشقیں کرواتے ہیں تاکہ ان طریقوں سے متلاشی کا نفس باطنی بیدار ہو جائے کیونکہ شریعت میں جو حیثیت عبادت و احکام کی ہے بعینہ وہی حیثیت طریقت و تصوف

میں جذب و سلوک کی ہے، جو حقیقت عمل ہماری فتنہ میں حنفیت، شافعییت، مالکییت، حنبلیت کی ہے، ویسے ہی سہروردی، نقشبندی، قادری، چشتی طریقوں کے درویش نفس باطنی کے تصفیہ اور ترقی کے لئے اپنے اپنے اوراد و وظائف بتاتے ہیں۔ اور جیسے ہمارے یہ فقہی مسائل مذاہب اسلام کے قانون کی تفسیر ہیں۔ ایسے ہی تصوف کے یہ طریقے بھی اسلام کی اصل بنیاد احسان کے ذرائع اور وسائل ہیں جن سے انسان میں اپنے معبود برحق کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور وہ اس مقام بلند پر اپنے مشاہدہ کی کمند پھینکتا ہے۔ جہاں ذاکر، ذکر اور فار کو نایک ہو جاتے ہیں۔

گویا مقامات احسان و عرفان کی ابتدا یوں ہے کہ آدمی کے دل میں ایک پُر درد و پُر زور انگ پیدا ہوتی ہے۔ اور وہ ایمان و یقین حاصل کرنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بعض اوقات اس کو اپنے پرانے اصولوں اور وراثت میں ملے ہوئے عقیدوں پر بھی شک ہونے لگتا ہے۔ اور وہ چاہتا ہے کہ ایمان و یقین اس کے قلب حق طلب سے یوں پھوٹیں جس طرح چشمے سے پانی پھوٹتا ہے۔ آہستہ آہستہ اوراد و وظائف کے عمل سے اس کے دل سے تمام اوہام و شکوک کی ظلمت چھٹی اور بے اطمینانی کی تاریکی دور ہوتی جاتی ہے۔ شیخ کامل کی توجہ سے وہ آگے بڑھتا ہے اور تقویٰ و زہد کے مدارج طے کر کے ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے جہاں اس کا دل تمام نفسانی آرزوؤں اور خواہشوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور اسے وجدانی ذوق کی لذت نصیب ہوتی ہے۔ غریبہ ایسے بے شمار منازل و مقام ہیں جن کے طے کرنے اور اپنے نفس کے تصفیہ و ترقی یافتہ بنانے کے لئے سالک کو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ اور اس کا واحد ذریعہ وہی اوراد و وظائف، وہی اعمال و اشغال، وہی چلتے اور مراقبے ہیں جن کو پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اور کچھ کس بحث کے ضمن میں کیا جائے گا۔ کیونکہ اسی غرض و غایت کے پیش نظر فقیر کے متوسلین میں سے بعض احباب نے اختتام کتاب ہذا پر یہ التجا کی کہ سلسلہ عالیہ سہروردیہ کے بعض وظائف و اوراد اور ختم خواجگان سہروردیہ رحمہ اللہ تعالیٰ و دعائے متوسلہ و غیر ہم آخر کتاب میں ضم کر دیئے جائیں۔ تاکہ طالبین کو تلاش و تردود نہ ہو۔ لہذا حسب استدعا احباب بعض اوراد و وظائف کو ذکر کر دیا جاتا ہے۔

کریم توفیق عمل عطا فرمائے۔
یاد رہے کہ ان تذکار و اشغال کے علاوہ جو کتاب نمایاں مذکور ہو چکے ہیں، مہندی کو حسب ضرورت

خطائے کا حامل بننا چاہئے جو اس کو گمراہی کے گڑھے میں نہ پھینک دیں کیونکہ بعض لوگوں کو دیکھ گیا ہے کہ وہ بغیر کسی کامل کی اجازت کے خود ساختہ وظائف پر عمل کر کے ایسے خطرات نفسانیہ و دنیویہ و دنیویہ شیطانیہ میں گھر گئے ہیں کہ پھر ان کو شیطانی تصرف سے بچ نکلنے کی راہ ہی نہیں ملی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور بزرگان دین کے فرمودہ طریقوں پر عمل کرنے سے بھٹکنے کا کوئی خوف نہیں ہوتا اور کامیابی کی منزل سامنے ہوتی ہے۔ اگر خدا نخواستہ بتدی کی کمی استفادہ سے اس کو اپنی طلب میں حیلہ کامیابی نہ بھی ہو تو نامراد بھی نہیں رہیگا۔ کسی بزرگ سے کسی حاجتمند نے کسی عرض کے لئے کوئی وظیفہ پوچھا تو انہوں نے جو مناسب حال خیال کیا فرما دیا۔ وہ طالب کچھ عرصہ کے بعد پھر آیا اور عرض کرنے لگا کہ حضرت مجھے آپ کے فرمودہ وظیفہ سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہنچا، اور نہ ہی مطلب پورا ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا: میاں مسنون طریق پر ذکر الہی کرتا اور اس کو اپنی طلب و حیل متعنت کا وسیلہ بنانا ایسا ہے جیسے گیلی مٹی، یعنی پانی میں مٹی ہوئی مٹی کا غولہ بنا کر اگر کسی جگہ پھینکا جائے تو پہلی بات یہ ہے کہ وہ جہاں پھینکا جائے وہاں چپٹ جاتا ہے اور اسی جگہ نہیں جاتا اور اگر خدا نخواستہ وہ نہ چپٹے اور گر بھی جائے تو دیوار پر اپنا نشان ضرور چھوڑ آتا ہے۔ تو جہاں اور پوری احتیاط و ہمتی سے اکل حلال و صدق مقال اور تقویٰ و تضرع کے ساتھ پھر کر، مولا کریم کامیاب فرمائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور سائل کامیاب ہو گیا۔

پس فقیہان وہ وظائف درج کتاب ہذا کرتے ہیں جو درویشان سرور دیہ کا معمول رہے ہیں۔ اور جن پر عمل پیرا ہونے سے بفضلہ تعالیٰ عبادت کی کبھی ناکام و خاسر نہیں رہے گا۔ مگر استقامت قلبی و وقت ارادی کی ضرورت ہے۔

۱۔ تلاوت کلام اللہ یہ سب سے بہتر اور نہایت ضروری وظیفہ ہے۔ جس قدر ممکن ہو پابندی سے تلاوت کرنا اور اُتْلُ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ پر شدت سے عامل ہونا چاہئے اور تلاوت کلام الہی کا سب سے بہتر وقت فجر کا ہے۔ کیونکہ اسی وقت کے لئے ارشاد ہوا ہے اِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا یعنی بوقت فجر تلاوت کلام اللہ مشہود بنائی گئی ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ میں خداوند تعالیٰ اہل و علائق سے ہم کلام ہونے کا شرف حاصل کروں تو وہ قرآن کریم پڑھے۔

قرآن کریم کا پڑھنا عوام میں مختلف طریقوں سے رائج ہے۔ مگر صحیح طریق وہ ہے جو حفظ کر کے اور ترجمہ سمجھ کر نہایت غور و فکر سے پڑھا جائے اور اس بات پر انتہائی سوچ بچار کو کام میں لایا جائے کہ ہمارے حکیم مطلق نے کیا تعلیم فرمائی ہے

فی زمانہ تراجم کی اس قدر بھرمار ہے کہ صحیح عقائد کے ترجمے کا پتہ ہی نہیں چلتا۔ جتنی بدعتیہ کی کے ماتحت ترجمہ ہوتا ہے اس کو رنگینوں اور خوبصورتی میں چھاپا جاتا ہے تاکہ اس حسن طباعت کے جلوے میں یہ بدعتیہ کی کی زہرا پنا پورا اثر کر سکے۔ مگر مسلمان ہیں کہ ان کے نزدیک عقیدے کی پاکیزگی کوئی ضروری شے ہی نہیں رہی۔ ہر بدعتیہ کے ترجمے کو پڑھتے اور ہر بے راہرو کے علم و عمل کو اپنانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ عمل سے زیادہ نازک مقام عقیدہ کا ہوتا ہے۔ اور اگر عقیدہ صحیح نہ ہو تو قرآن پڑھنے کو عیسائی، یہودی، آریہ اور سکھ معترضین نے بھی پڑھا ہوتا ہے جو مسلمان یا حق پرست کہلانے کے مستحق نہیں ہوتے۔ اس لئے خود قرآن کریم سمجھنے کے لئے ترجمہ منتخب کرنا چاہئے جس میں مرادی معنوں اور تاویلوں کا دخل نہ ہو۔ ورنہ ایمان کا ضائع ہو جاتا کوئی لعید نہ ہو گا۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ فقیر کی دانست میں اکثر تراجم ان ہی نقائص کے حامل ہیں اور حقیقت کے قریب ترجمہ حضرت اعلیٰ حضرت قبلہ فاضل بریلوی (مولانا احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ) کا ہے جو تلاوت کے وقت پیش نظر رکھنا چاہئے۔

۲۔ لطائفِ ستہ | درویش کو چاہیئے کہ جب اوراد و اذکار سے فراغت فرمائے اور قدم اس کے آگے جادۂ افکار کی جانب بڑھائے تو ثابت قدم رہ کر عزم مستحکم رکھے اور فقیر کو لطائفِ ستہ کے متعلق اپنے پیرومرشد رحمۃ اللہ علیہ سے جو ارشاد ہوا ہے پوری طرح معلوم کر کے اپنے دل میں جگہ دے۔

بزرگوں نے فرمایا ہے کہ انسان کو حق تعالیٰ نے اپنی حقیقت کا نمونہ بنایا ہے۔ اور اس کے اندر لطائفِ ستہ پیدا فرمائے ہیں اور اسے اپنی جمالی و جلالی صفتوں سے نوازا کر سرفراز و ممتاز فرمایا۔ اور تمام نیکیوں اور سعادتوں کا منبع گردانا اور اپنے نور سے اسے منور کیا۔

اول لطیفۂ نفس ہے۔ یہ اس کو نصیب ہوتا ہے جو ذوق و شوق سے خداوند قدوس کو یاد کرے۔ وہ کون مبارک درخت ہے کہ اس میں یہ پھل آئے اور کون وہ درویش ہے جو ذکرِ خدا میں رات کو دن بنائے۔ اور کون فقیر ہے جس کا وقت اس کی فکر میں ہی صرف ہو۔ نور ذات وہ نور ہے کہ اس کا بیان مشکل اور اس کی کیفیتیں بغیر نشان کے محال۔ اُن بزرگانِ دین نے راسخ العقیدہ مریدوں کی تعلیم کے لئے چند علامتیں مقرر فرمائی ہیں اگر ان علامتوں کو معمول بنائے تو مطلوب و مقصود سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔

لطیفۂ نفسی کا بیان | اسم اللہ کو تیرہ سے کہ اسے لطیفۂ نفسی اور قلبِ نیلو فرماتے ہیں اس طریق پر ملاحظہ کرے۔ کہ

دستور کے اور قبلہ رہ کر سر کو مراقبہ میں جھکا کر ذات پر نظر رکھتے ہوئے نام پاک اللہ ذات سے ذرا اوپر دل سے ذکر کرے اور زبان بند رکھے اور اندرونی آواز سے مشغول ہو اور جیسا کہ استاد شاگرد کو تعلیم دیتا ہے۔ سالک خود بھی ساتھ اللہ کرے۔ اور یہ مراقبہ اس طریق پر ہو کہ فرش زمین سے عرش تک سوائے ذات اللہ کے اور کچھ اس کے خیال میں نہ آئے بیان تک کہ فیوض الہی اسے ڈھانپ لیں۔ اور ذات پاک اللہ جلالتہ میں جذب کر دیں۔ اور نور حق کے سوا اس کے لئے اور کچھ نہ ہو۔ اور اسی حالت میں تجلیات غیبی اور ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا ظہور ہو۔ چنانچہ فرمایا گیا ہے۔

نہیست غیر از یک صم در پردہ دیر و حرم کے بود آتش دورنگ از اختلات سنگا

بیت :- بفکر نیستی ہرگز نمی افتد مغروران اگر یہ صورت مقرر را باشد گریاں یا

دوم لطیفہ قلبی | سلسلہ عالیہ قادریہ سہروردیہ کے بزرگان رحمہم اللہ نے اس کے متعلق یوں ارشاد فرمایا ہے۔ کہ قلب بائیں ہلو میں ایک مخروطی اور اندھے کی شکل کی ایک چیز ہے۔ جسے قلب صنوبری کہتے ہیں۔

اور وہ بائیں پستان کے نیچے ہے۔ سالک کو چاہئے کہ صبح اور دوپہر دن میں اور شام کو علیحدہ ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ کر زبان کو تالو سے لگا کر لفظ اللہ ہو کہ باری تعالیٰ کی ذات اور صفات پر حاوی ہے۔ سر نیچے کر کے قلب صنوبری پر ضرب دے۔ اور اتنی ہی دیر تک یہ وظیفہ جاری رکھے۔ کہ لفظ اللہ دل سے سنا جاسکے۔ بلکہ آہستہ آہستہ جیسا کہ جانور کو تعلیم کرتے ہیں زبان سے بغیر کہے ہوئے دل سے انشاء اللہ تعالیٰ کے۔ عنایت الہی اور توجہات مشرکہ ارشاد پناہی سے دل سے آواز پیدا ہوگی۔ جو دو طرح سے ہوتی ہے۔

ایک یہ کہ جسے دل کہتے ہیں۔ اس کی حرکت سے آواز پیدا ہو۔ دوسرے یہ کہ قلب سے مل کر تمام بدن سے آواز برآمد ہو اور یہ طریقہ اعلیٰ و ارفع ہے۔ رنگ قلب سرخ رنگ ہے۔ اور تجلیات الہی جو آگ کی مانند ہیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اور ان کے حاصل ہونے سے سالک اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو جاتا ہے۔ اور اس کے تمام گناہ اور لغزشیں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں۔ دل کا نور اسی شغل سے اس قدر ضیا پاش ہو جاتا ہے کہ تاریک رات میں بھی چہرے نظر آنے لگتی ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی زیارات سے مشرف ہوتا رہتا ہے۔ اور جذبات و عنایات الہی سے الہا پر ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم اسے اس درجہ پر فائز فرما دیتے ہیں جس سے طالب اس شغل سے بلند ترین درجہ پر پہنچ کر خود کو ڈھونڈتا ہے۔ مگر نہیں پاسکتا۔ اور کوئی نشان اپنا اسے نظر نہیں آتا۔

پس قلبِ صنوبری اس چیز کا منظر ہے کہ قلبِ محمدی سے آمینۃ یعنی ملا ہوا ہے۔ اور آپ کے نور سے منور ہے اور قلبِ محمدی قلبِ بیرنگ کا منظر ہے۔ جس نے نشانِ اسکی بے نشانی سے لیا ہے۔ اور اس طرح اسکی نسبتِ مرتبہ بیرنگی ہے۔ اور یہ وحدت کا طور ہے۔ اگر نقشِ اللہ کا دل پر قائم اور درست نہ ہو تو چاہئے کہ لفظ اللہ کا غلط لکھ کر نظر کے سامنے رکھے اور اس طرح اس کی طرف نظر جمائے۔ یہاں تک کہ اس کا مشاہدہ ہو۔ اور جب نقشِ اللہ بغیر لکھا دیکھے ہوئے نظر کے سامنے آجائے تو اپنی نظر کو ہٹا کر دل کی طرف لے جائے اور اللہ کی ذات کا مشاہدہ اس پر کرے انشاء اللہ کامل استعدادِ مرشد کی برکت اور رب العزت کی عنایت سے اللہ کا نشانِ دل پر درست ہو جائیگا۔ اور آنکھیں اور دل مراقبہ میں اسے بعینہ دیکھ سکیں گے۔

سورۃ لطیفہ روحی | اور ویش پر جب لطیفہ قلبی کی حقیقت کا محقق کھل جائے اور وہ تجلیاتِ خداوندی کی کیفیت پا لے اور انوار کا مشاہدہ کر لے اور اللہ کی رحمت اسے آغوش میں لے لے تو پھر اسے لطیفہ روحی کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ یہ لطیفہ حامل انوار الہی اور نامختم ہونے والی تجلیات کی بنا ہے۔ اس طریقہ سے سالک کو چاہئے کہ اپنی توجہ روح کی جگہ پر متوجہ کر دے جو کہ دائیں طرف قلب کے سامنے داہنی پستان کے نیچے ہے لفظ اللہ کو اندرونی آواز سے روح کو تلقین کرے۔ اور یہ اس طرح ہو کہ زبان کو مطلق اس کی خیر نہ ہو۔ اور اتنا کھوجائے کہ عالمِ اجسام سے عالمِ ملکوت اور سیر الی اللہ و سیر فی اللہ من وعن ظاہر ہو۔ اور عالمِ مثال اور عالمِ جبروت نظر آئیں اور روح کو کہ بزرنگ ہے ملاحظہ کرے۔ اس لئے کہ ذاتِ باری کا رنگ عارف کے مشاہد میں سیاہ رنگ ہے اور روح کا رنگ سبز ہے۔ اور بزرنگ کو سیاہ رنگ سے نسبتِ تامہ ہے۔ اس لئے کہ ذاتِ اور روح کے رنگ میں بہت کم فرق نظر آتا ہے۔ اور اس لئے بھی کہ روح احدیت کا منظر ہے۔ پس جو کچھ منظر میں ہے وہی سب کچھ منظر سے ظاہر ہو گا۔ پس جب سالک روح کو اس رنگ میں دیکھے تو یقین کرے کہ ذاتِ باری کا عکس روح پر پڑے گا۔ اس درجہ سے پہلے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ ظاہر نظر آتا ہے وہ عین منظر ہے اور اس واسطے تجلیات اس پر اس طرح وارد ہوں گی کہ اسے بنیادیں دیں گی۔ اور نقشِ غیبت اور دہائی دل سے باہر ہو جائے گا۔ اس لئے نظر کو اس لطیفہ میں جمائے اور روز و شب اس یکتا کی یاد میں گمارے اور ان تجلیاتِ رنگا رنگ کا منتظر رہے۔

رباعی :- اے بیل جانِ مست زیاد تو مرا ولے نامہ غم بست زیاد تو مرا
لذات جہاں راہمہ از پائے فگند دوستی کہ دید دست زیاد تو مرا

چہارم لطیفہ سہری | درویش جب لطیفہ روحی سے کامل طور پر مستفیض ہو جائے اور اس طرح جان جائے جیسا کہ جاننے کا حق ہے تو اسے لطیفہ سہری کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہ لطیفہ دونوں چھائیوں کے درمیان واقع ہے۔ سالک کو چاہئے کہ وقت مراقبہ لفظ اللہ کو سینہ پر کہ لطیفہ سہری کی جگہ ہے اس طرح کہ جیسے جانوں کو سکھایا جاتا ہے۔ اس طرح لفظ اللہ کو کہ بے کیفیت ذات کی تعبیر ہے یاد کر لے۔ لیکن زبان کو بغیر ملائے ہوئے محض اندرونی آواز کے ساتھ اس طرح ذکر میں مشغول ہو کہ فکر اور تصور میں ڈوب جائے۔ اور ہر چیز سمجھنے اس کی یاد کے محو ہو جائے۔ اور اللہ کے بھید میں مل جائے۔ اور رنگ لطیفہ سہری کہ سبز ہے مائل بہ رنگ سبز و سفید نظر آئے۔ یہ تجلیات کے رنگ ظاہر ہونے کے بعد اس لطیفہ کا رنگ سفید تجلیات میں وارد ہو گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے عشق کی آگ ہر غیر خواہش کو ٹا کر کٹ اور کاٹے کو جلا دے گی۔ اور شجر مراد سے صدرائے (انی انا اللہ) کے میں خود خدا ہوں پیدا ہوگی۔ خداوند عز و جل سلامتی کی وادی سے نمودار ہوں گے اور طالب کا دل موسیٰ کی مانند آواز فاخلع تعلیٰ یعنی جوتا اتار کر آئیے سنے گا۔ اور کفر و ایمان سے علیحدہ ہو کر دیدار مطلوب پا کر شاعر

کفر و ایمان در رہش پویاں وحدہ لا شریک لہ گویاں

پنجم لطیفہ مخفی | پنجم لطیفہ مخفی کہلاتا ہے۔ طالب کو جب اللہ تعالیٰ یہ توفیق بخشے کہ وہ ہر چار رابطات پر ہوا انسان کے جسم سے تعلق رکھتے ہیں عامل ہو جائے تو لطیفہ مخفی کی طرف رجوع کرے۔ دو لطیفہ سہری سے تعلق رکھتے ہیں ایک مخفی دوسرے اخفی درویش پر ظاہر کئے جاتے ہیں۔ لطیفہ مخفی کا مرکز و مکان دونوں (حاجبین) ہنر و کے درمیان ہے اور اس کو قلبِ عبرت اور قلبِ انوار بھی کہتے ہیں۔ طالب کو چاہئے کہ لفظ ہو کو دونوں ابروؤں کے درمیان سے اندرونی آواز کے ساتھ نیچے لے جائے۔ جہاں کہ لطیفہ سہری و نفسی ہے۔ اور دہان و زبان کو اس کی مطلق خبر نہ ہو اور حاجبین کے درمیان سے بائیں طرف کھینچے اور لطیفہ سہری کے درمیان لے جا کر لطیفہ نفسی پر پہنچائے۔ یعنی ہو کو پیشانی کے اوپر سے تمام قوت سے نیچے کی طرف لائے اور دوسری مرتبہ لفظ ہو کو دونوں حاجبین کے درمیان لمبا کر کے نیچے سے اوپر کو لے جائے اور اسی طرح دیر تک یہ عمل دوہراتا رہے۔ اور

بے کیفیت ذاتِ مطلق کی تفتیش کرے۔ اور نورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاجبین کے درمیان تلاش کرے۔ اور نورِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ذاتِ اللہ کی مدد اور فیض چاہے۔ تیز چاہئے کہ یہ بھی سعی کرے۔ کہ دونوں کانوں سے ہو کی آواز متواتر باہر آئے اور یہ آواز آوازِ ذاتِ خدا ہوگی۔ اور اس آواز کی تفصیل یوں ظاہر کی جاتی ہے کہ اس لطیفہ کا رنگ برنگ نور ہے اور نور کی تجلیات نورانی بجلی کی مانند اور طور کے شعلوں کی طرح جس جگہ دونوں حاجب ملتے ہیں سے باہر آتی ہیں اور مشغول کو اس کی سہتی سے باہر کر دیتی ہیں۔ سالک کو چاہئے کہ نورِ حقانی اور نورِ وحدت کی جانب کہ لطیفہ خفی میں بے انداز ہے متوجہ ہو اور نور و نور ہو جائے۔ کیونکہ حقیقتاً یہ نور خداوند تعالیٰ کا نور ہوتا ہے جو (چھ) طرقوں سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے اور اس طرح تصور کرے کہ اپنے جسم کو خود نور سمجھتے ہوئے اس نور میں داخل ہو جائے۔

چنانچہ اس آواز ہو میں مستغرق ہو کر اپنے آپ میں اپنے سے غیر کا نشان تک نہ پائے۔ اور محویت میں محو ہو جائے اور خداوند تعالیٰ کے فضل و کرم سے انوار اور نشانات بہت سے بہت بغیر علحدہ ہوئے یا ملے ہوئے ملتے ہوئے چلے جائیں۔ اور سالک کو ذاتِ واحد میں محو ہو جانے دیں۔ جب یہ لطیفہ مکمل طور پر کھل جائے تو بے شمار عجائبات اور ان گنت غرائبِ طالب کو حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن تعلق مراقبہ و مشاہدہ اور ہمیشگی فکر و ذکر قائم رکھنا چاہئے۔ کیونکہ کثرتِ ذکر و فکر سے نتائج میں بھی کثرت پیدا ہوتی ہے۔ اور یہی کثرتِ اذکار و اشغال اللہ تعالیٰ سے قریب تر کر دیتی ہے۔ طالب کو بہت سا وقت اسی شغل میں مشغول رہنا بہتر ہوتا ہے۔

ششم لطیفہ اخفی | ہے۔ جب طالب پر حقیقتِ لطیفہ خفی پوری طرح کھل جائے تو لطیفہ دوم کہ تیسرے تعلق رکھتا ہے کی جانب متوجہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کا ظاہر ہونا نہایت ضروری ہے اور اس کو لطیفہ اخفی اور جمع الجمع بھی کہتے ہیں۔ اولیاء اللہ اس کا مکان و نشان اقم الدماغ بیان فرماتے ہیں۔ قلبِ احمر اور قلبِ مدور بھی اسی کے نام ہیں۔ میرے شیخ حضرت قیدہ رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے اس طرح فرمایا کہ ہر طالب کو جو لطیفہ اخفی کا طالب ہو انوارِ داسر اقم الدماغ سے ڈھونڈنے چاہئیں۔ اور اس کے ڈھونڈنے کا یہ طریقہ ہے کہ جب لطیفہ قلبی اور وہ انوارِ داسر جو اس میں پوشیدہ ہیں تجھ پر منکشف ہوں اور اللہ اللہ کی آواز ہو کہ ذات کو پہنچاتی ہے قلب کے اندر سے ظاہر ہوا اور حقیقتِ لطیفہ روحی اور اس کے آثار و اطوار اللہ اللہ کی آواز روح کے

مکان کے اندر سے ظاہر ہو اور کیفیات لطیفہ فنی مکمل طور سے تجھ پر اظہار کریں۔ اور اللہ اللہ کی ندا لطیفہ تہری سے ہو بدو ہو اور لطیفہ تہری بطور بنیان معلوم و روشن ہو جائے تو طالب کے مشایخ شان یہ ہے کہ یہ آواز کہ جو ان لطیفوں سے آتی ہے سب کو جمع کر کے اور ہو کی صورت میں لا کر اقم الدماغ کے اندر سے کہ قلب احمر اور قلب بیرنگ اور قلب مدور بھی کہلاتا ہے۔ اور گیارہواں دروازہ بھی اسی کو کہتے ہیں۔ باہر لاتے ہوئے عرش مجید پر لے جائے اور یہ تصور کہ عرش سے تحت الثریٰ تک ہو یعنی ذات اللہ ہی ہے ہونا چاہئے۔ اور یہ بھی کہ ہوئے تمام موجودات عالم کو گھیرے میں لیا ہوا ہے۔ **هُوَ الْأَوَّلُ وَالْآخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ حَاطٌ** اور اپنی ذات و صفات کو اللہ تعالیٰ کی ذات میں فانی کر دے۔ اور اپنے آپ کو (لَا شَيْءَ) یعنی کچھ نہ سمجھتے ہوئے ذات باری کو باقی اور موجود جانے اور اس کو لطیفہ اخفی کے سامنے دیکھے کیونکہ خداوند عالم اسی میں ہے۔ اگرچہ اس کا کوئی مکان نہیں لیکن کوئی جگہ اس سے خالی بھی نہیں۔ اور اولیاء اللہ بالیقین اس کو اسی جگہ میں طلب کرتے اور پاتے ہیں۔ اس شغل کے بعد جو کچھ معلوم ہو اور سمجھ کے احاطہ میں آ سکے قلم و زبان اس کے بیان کرنے سے قاصر ہوں گی۔ پوشیدہ راز اور انوار و تجلیات سالک پر اس طور سے وارد ہوتی ہیں۔ کہ ان کا تحریر میں آنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد سالک کو معلوم ہونا چاہئے کہ انسان کے بدن میں گیارہ سوراخ ہیں۔ جن کی حقیقت سمجھنا نہایت ضروری ہے :-

۱۔ ۲۔ ۳ و ۴۔ ۵ و ۶۔ ۷ و ۸۔ ۹ و ۱۰۔ ۱۱۔

قلب

دہن

ناک کے دو سوراخ

دو چشم کے

دو سوراخ کانوں کے

دو سوراخ خنجرین

دریچہ ام الدماغ

ہے۔ جو اللہ کے مناظر سے ایک منظر ہے اور اسی دریچہ سے خداوند عالم و قدوس مومن کے قلب کو جو کہ اصل باب الہ ہے دیکھتا ہے۔ اس حدیث قدسی کے موافق "لَا يَسْغِي اِدْنِي وَلَا مَسَامِي وَلَا كُنْ لِيَسْغِي قَلْبِ عَبْدِي اَلْمُؤْمِنِ" یعنی میرے زمین و آسمان میری وسعت سے تنگ اور عاجز ہیں۔ مگر مومن بندے کا دل کہیں اس میں سما جاتا ہوں اور قیام فرماتا ہوں اور پھر بھی وہ فراخ رہتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے :- **اِنَّ فِي قَلْبِ بَنِي اٰدَمَ مَضْغَةً اِذَا اَصْلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَاِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ** تحقیق بنی آدم کے دل میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست ہو تو تمام جسم درست اور اگر خراب ہو تو تمام جسم خراب ہو جاتا ہے۔ نیز فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **اِنَّ فِي جَسَدِ بَنِي اٰدَمَ قَلْبٌ وَفِي قَلْبِ**

رُوحٌ وَفِي الرُّوحِ نَفْسٌ وَفِي النَفْسِ سِرٌّ وَفِي السِّرِّ خَفِيٌّ وَفِي الْخَفِيِّ اخْفَى وَفِي الْاَخْفَى اَنَا - تحقیق
 فرزند آدم کے جسم میں دل ہے اور دل میں روح اور روح میں نفس اور نفس میں سیر اور سیر میں خفی اور خفی میں اخفی
 ہے اور اخفی میں ہیں ہوں - اور بعض اولیاء اللہ نے لطیفہ اخفی کو اس طرح فرمایا ہے - کہ طالب سرفراز
 کھڑے ہو کر دائیں پاؤں کے ناخن سے سر کی چوٹی تک اللہ کا پہلا الف ملاحظہ کرے اور اپنی ذات کو اس کی ذات
 تصور کرتے ہوئے اس طرح سمجھے کہ حق مجھ میں ظاہر ہے - اور میں اس میں - یعنی اس کے واسطے گو یا کہ خود میں ظاہر ہوں
 اور میں اس میں ہوں اور وہ مجھ میں ہے - چنانچہ صحیح حدیث میں ہے - لَا يَزَالُ عَبْدِي يَتَقَرَّبُ إِلَيَّ بِالنَّوَافِلِ
 حَتَّىٰ أَجِبْتَهُ فَإِذَا أَجَبْتُهُ كُنْتُ سَمْعَهُ وَبَصَرَهُ وَوَيْدَاهُ وَرَجْلَاهُ - لِيَسْمَعَ بِي وَيُبْصِرَ
 بِي وَيَمْلِكْ بِي وَيَكْبِتْ بِي - یعنی ہمیشہ میرا بندہ زیادہ بندگی اور عبادت سے میری نزدیکی اور قرب حاصل کرتا
 چاہتا ہے - تاکہ میں اس کا دست ہو جاؤں - پس میں اس کے کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں - اور وہ
 مجھ سے سنتا ہے اور دیکھتا ہے اور مجھ سے پکڑتا اور چلتا ہے -

معلوم ہونا چاہئے کہ جب میرے بندے کو میرا قرب حاصل ہو جاتا ہے تو وہ وہ نہیں رہتا - بلکہ ذات بن جاتا
 ہے - یا ذات کے اتنا نزدیک ہو جاتا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں رہتا -

عین آئین عین ما آب است و آب
 از زمین و از بیار و اکتساب
 زید و بالا پیش و پس آب است آب
 تو منی من عین تو بے ارتباب

خواہ بالا دار مرگال خواہ زیر تیغ چشم
 خواہ در مسجد نشین و خواہ در بیتخانہ بخش
 کشتہ شو ہر جا کہ خواہی لذت لبیل کیے است
 گردے پُر درد داری ہر دور و راہل کیے است

در ویش پر حیب ان چھ لطیفوں کی حقیقت جیسی کہ وہ ہے کھل جائے اور
 احوال و اعمال ہر ایک لطیفے کے کما حقہ علیحدہ علیحدہ اس پر عیاں
 حقیقت سلطان الاذکار

جائیں تو اس کو سلطان الاذکار کی طرف متوجہ ہوتا چاہئے - کہ اسے صوتِ سرمدی صوتِ ذاتِ مطلق و صوب
 آن حد بھی کہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ انسان کے دونوں کانوں سے لفظ ہو کی آواز نہ سہم باہر آئے اور اس کو

کی کوئی حد و حصر نہیں اور نہ کوئی اس کی انتہا ہے۔ جب یہ آواز دونوں کانوں میں پختگی پر پہنچ جاتی ہے تو تمام بدن بلکہ ہر بال کے سر سے یہی صدا آتی ہے اور ہر عضو سے بھی یہی جاری ہوتی ہے۔ اور تمام گھر کیلئے جنگل اسکی آواز سے بھر جاتے ہیں۔ چنانچہ موسم سرما میں اگر پانی کا پالہ بھی ٹوٹے تو پانی کے ہر قطرہ سے دھواں ظاہر ہو۔ اسی طرح انسان کے ہر ایک جڑ سے بلکہ ہر ایک بال سے آواز ہو پیدا ہو جائے اور اس آواز کے نچتہ ہونے پر ناقوس، کوس، داسیا کی آواز بھی مغلوب ہو جائیگی اور یہ آواز سب پر غالب ہوگی۔ اور سالک ہوش سے بے ہوش ہو جائے گا۔ اور مطلقاً اسے ہوش نہ ہوگی۔ لیکن جب اسے باہوش کرنے کے لئے جھنجھوٹا جائے اور اس آواز کی مختلف صدائیں ہیں۔ اور اسی آواز پر سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں اکتالیس روز یا زیادہ قیام فرماتے رہے۔ اور یہی آواز جبریل علیہ السلام کی آواز کے مشابہہ تھی۔ اور کبھی کبھی اس آواز کی تشبیہ زبور اور شہد کی مکھی کی آواز سے بھی دیتے ہیں۔ چنانچہ لہ صوت کصوت الزفاہر والذباب یعنی اس کی آواز زبور اور مکس کی آواز کی مانند ہوتی ہے۔ اور کبھی چکنی کے چلنے کی آواز کی مانند کبھی ایسے پیسے دیک میں جوش آ رہا ہو۔ لہ صوت الرجاء لہ صوت المرحلة۔ اور کبھی اس آواز کو آواز برس اور گھنٹی کی آواز سے بھی تشبیہ دیتے ہیں۔ یعنی یوں ارشاد ہوا ہے کہ "یا قتی مثل صلصلة الجرس" اور بشیاء حدیثیں اسی آواز کے اثبات میں خداوند تعالیٰ سے منسوب ہیں۔ اور حق تعالیٰ فرماتے ہیں نَحْنُ أَقْرَبُ إِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرْدِ۔ وَهُوَ مَعَكُمْ اِنْ مَّا كُنْتُمْ۔ ہم بندے کے لئے اس کی شاہرگ سے زیادہ نزدیک ہیں۔ اور تم جہاں ہو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ پس ان آیات مبارکہ سے اللہ پاک کا انسان کے ساتھ قریب تر ہونا ہمیشہ کے لئے ثابت ہے۔ اور یہ آواز سردی بھی ہمیشگی پر ہے۔ جیسے کہ حق تعالیٰ بندے کی شاہرگ سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ دونوں کانوں میں یہ آواز بھی نزدیک تر ہے۔ اور جس طرح حق سبحانہ تعالیٰ بندے کے ساتھ ہے۔ جہاں بھی ہو۔ اسی طرح یہ آواز بھی جہاں بھی وہ ہو اس کے کان میں پہنچتی ہے۔ لیکن یہ امر لازمی ہے کہ دامن جانب کی طرف رغبت ہو۔ اور بائیں جانب کی آواز کو پست کر دے اگرچہ بائیں جانب کی آواز ہمیشہ موجب فلاح و صلاح ہے۔ پس اسے طالب بہت سی اشیاء انسان سے جدا نہ ہونے والی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ کان کی آواز ہے۔ اور بہت سی بے رنگیاں نازاں ہونے والی جسم کے ساتھ ہیں جو باقی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک اس بے رنگ کی طرف راہ ہدایت ہے۔

وقتِ شامہ و باصرہ سامعہ و لامسہ و فحامہ یا مدرکہ یہ پانچوں حواس باطنی اور ان کی بے رنگی اس ذاتِ واحد بے رنگ کی طرف راستہ دکھاتی ہیں۔ لیکن یہ سب شیخ کی توجہ پر منحصر ہے۔ اور بعض مشائخ سلوک اپنے مریدوں کو اپنی آواز سے سناتے ہیں۔

لیکن طریقہ قادریہ فاضلیہ میں یہ طریقِ قرب اچھا نہیں سمجھا گیا۔ بلکہ اُن اہل اللہ طریق بعدد انفس المنحلوقات کے طریق پر بیان کیا گیا ہے۔ یعنی تحقیق اللہ کی طرف جانے کے بے شمار راستے ہیں۔ اس فقیر کو یہ معلوم کرایا گیا ہے اور منکشف ہوا ہے کہ جب وہ مولیٰ کریم اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو راہ دکھانی چاہتا ہے اس کے واسطے سبب پیدا فرمادیتا ہے۔ اور اس سبب میں اپنے آپ کو بے شمار قسم کی تجلیات و شبنونات عجیبہ سے جلوہ دکھاتا ہے۔ اور اپنے آپ میں محو کر دیتا ہے۔ اور خود بخود ہی ذات میں جذب کرتا ہے اگر اس کی طرف سے یہ جذب نہ ہو تو کسی بھی قسم کے سالک کو اس کی طرف راستہ نہ ملے۔ اگرچہ اس کی عمر عمر فوج کے برابر ہو اور خزانہ قاروں بھی صرف کر دے۔

تو دروگم شو وصال این است و بس
تو مباحش اصلا کمال این است و بس

۴۔ کلماتِ طیبات | ان سے مراد وہ چھ کلماتِ طیبات ہیں جو مسلمانوں میں معروف ہیں۔ جن کے ہر روز پڑھنے سے عامل شش جہات کی آفات و بلیات سے محفوظ رہتا ہے۔ پھر ان میں اول کلمہ توحید اس قاعدے کے ماتحت اپنا معمول بنانے سے جو قاعدہ پیچھے ذکر ہوا ہے، ایک قاری کے دل کو نور اور آنکھوں کو سرور بخشتا ہے۔ بلکہ اصفیاء و اولیاء کے نزدیک معرفتِ الہی کا ذینہ ہے۔ کلماتِ طیبات حق سبحانہ تعالیٰ کی جانب عروج کرتے ہیں اور عمل صالح انہیں بلند کرتا ہے۔ قاری کو چاہئے۔ کہ ان چھ کلموں کو ملاحظہ معانی کے ساتھ نہایت ذوق و خوش الحانی اور خشوع و خضوع سے صحیح تلفظ میں ادا کرے تاکہ ان کی برکات سے کما حقہ مستفید و مستفیض ہو سکے۔

۵۔ درود شریف | درود شریف کا ورد کرنا نص قرآنی سے ثابت ہے۔ جس کو تمام علماء و صلحاء امت نے وجوب کا درجہ دیا ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ درود شریف کے ورد کے بغیر کسی

وظیفہ کی اجابت کسی دعا کی قبولیت اور کسی امر صالح میں برکت نہیں ہوتی۔ بلکہ باطنی کثود کار بغیر درود شریف ایک امر محال ہے۔ اولیاء کرام و بزرگان انام کا تجربہ شاہد ہے کہ جس قدر درود شریف میں کثرت کی جائے۔ اتنی ہی جلد کثود کار و مطلب برآزی ہوتی ہے۔ فقیر کے سلسلہ سہروردیہ میں معمول و مختار درود شریف ہزارہ ہے۔ جو بزرگان سلسلہ سے باہر ازت مؤکد طور پر ارادتمندوں کو پڑھایا جاتا ہے۔

۶۔ اسماء الحسنیٰ | یعنی رب العزت جل و علا شانہ کے ننانوے اسماء مبارکہ کی تلاوت ہر روز بلکہ ہر نماز کے بعد ایک ایک بار یا صبح کے وقت تین بار کرنے سے بہت زیادہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ اور نفس و شیطان کی تسخیر اور ظاہری و باطنی آفات و بلیات سے مامون و مصئون رہنے کے لئے اس کو اہل اللہ نے سپر (دھال) فرمایا ہے۔ اس ذات فقیر کامل سند کے ساتھ مع اعداد بحساب ابجد و صفات بخدائی و جمالی اسماء مبارکہ ذیل میں درج کرتا ہے۔ مولا کریم سب کو ذکر و تسکیر کی توفیق رفیق فرمائے۔ مگر ان تمام اسماء الحسنیٰ کی تلاوت جیسا کہ اوپر ذکر ہوا ہے ہر روز کر لینا تو موجب صد ہزار خیر و برکت ہے۔ مگر کسی اسم مبارک کو بطور عمل چپہ کشی میں پڑھنا اور اس سے غرض کچھ دنیوی اغراض رکھنا اجازت عامل کے بغیر نہ پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ خود بخود بخیر و بغیر کسی معین طریق کے چپہ کشی کرنا بعض اوقات دیوانہ بنا دیتا ہے۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ رب العزت جل و علا شانہ کے اسماء مبارکہ میں ہی تاثیر ہے کہ اپنے عامل کو پاگل بنا دے۔ بلکہ خود عامل ہی کی بے ڈھنگی تعظیم اور چپہ کشی اس کو اس حد تک پہنچا دیتی ہے۔ جو عموماً پاکیزگی میں بد پرہیزی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

والله الاسماء الحسنی فادعوه بها وذر والذین یجدن فی اسماءه

نسمی	الله	الرحمن	الرحیم	هو	الله	الذی	لااله	الا	هو
معبود	بہت بخشنے والا	بہت رحم والا	شہنشاہ	بزرگ تر	سلامت رکھنے والا	امن دینے والا	نعمان	غالب	زبردست
متکبر	پیدا کرنے والا	سب پر اکتدہ	صورت گر	گناہ بخشنے والا	سب پر غالب	بہت دینے والا	روزی دینے والا	کھولنے والا	جاننے والا
قدیر	تنگ کرنے والا	فراخ کرنے والا	بلند کرنے والا	عزت دینے والا	خوار کرنے والا	سننے والا	دیکھنے والا	حکم کرنے والا	انصاف کرنے والا
لطیف	باریک بین	خبردار	بردار	بخشش کا مالک	قدر دان	بلند مرتبہ	سب سے بڑا	نگاہ رکھنے والا	وقت دینے والا
حبیب	حاب والا	بزرگ قدر	کرم کرنے والا	قبول کرنے والا	بہت دینے والا	استوار کار	دوست رکھنے والا	بزرگ	اکٹانے والا
شہید	حاضر	ثابت	کار ساز	قوت والا	مستقیم	دوست	گھیرنے والا	ابتدا بخشنے والا	انتہی والا
محیی	جلائے والا	مانے والا	قائم	قائم رہنے والا	پانے والا	بزرگی والا	یکتا	بے پرواہ	قدرت والا
مستدر	تندرہ ہر کرنے والا	تگے والا	پیچھے والا	پہلا	پچھلا	واضح	نیچال سے پوشیدہ	بہت اعلیٰ	نیو کار
تواب	توبہ قبول کرنے والا	صاحب تقام	معاف کرنے والا	ہریان	دو جہان کا مالک	صاحب بڑی بخشش و کرم کا	ذوالجلال والا کوام	انصاف کرنے والا	جمع کرنے والا
مختی	بے پرواہ	بے پرواہ کرنے والا	باز رکھنے والا	ضرر دینے والا	نفع دینے والا	روشن	راہ دکھانے والا	بہت دینے والا	اجد فائزے والا
مستدر	جہان کا رہنما	بردار	بردار	بردار	بردار	بردار	بردار	بردار	بردار

والسلام علی محمد بن الذی امرنا طریقتہ الوظیفۃ الاسماء الحسنی
فالحمد لله الذی هدانا لهذا

یَا اللّٰهُ - یہ اسم مبارک ذاتی ہے۔ جس کے ۶۶ عدد ہیں۔ مقبول بارگاہ الہی ہونے کے لئے اس اسم مبارک کا ایک ہزار بار صاحب ایمان ہونے کے لئے بعد ہر نماز ایک سو بار، صاحب عرفان و کشف ہونے کے لئے گیارہ سو بار اور کسی ضروری حاجت برآری کے لئے تین ہزار تین سو تیر بار پڑھنا اور ہر روز اتنا پڑھنا اکتالیس دن تک مقصود کو پورا فرماتا ہے۔

یَا رَحْمٰن - یہ اسم مبارک جمالی ہے اور اس کے دو سو اٹھانوے عدد ہیں۔ جو شخص طلب رحمت الہی کے لئے اس کے اعداد کے برابر بعد نماز فجر پڑھے کامیاب ہوتا ہے۔ اور ہر نماز کے بعد اس کا بطور معمول وظیفہ کرنا قساوت قلبی اور نیان وعصیان اور طغیان عدوان سے بچاتا ہے۔

یَا رَحِیْمٌ - یہ اسم مبارک بھی اپنی تاثیر و خاصیت کے لحاظ سے جمالی ہے۔ اور اس کے دو سو اٹھاون عدد ہیں۔ اس کا ہر روز بعد نماز عصر یا عشا بطور وظیفہ پڑھنا خلق خدا میں مقبول بنا ہے اور افلاس و غربت سے محفوظ رکھتا ہے۔

یَا مَلِکٌ - اس اسم مبارک کی خاصیت بھی جمالی ہے اور نوے اعداد ہیں۔ اور نوے ہی بار بعد نماز ظہر پڑھنے سے دل کو منور کرتا اور عوام میں عزت و حرمت بخشا ہے۔ اگر کوئی شخص **یَا مَلِکٌ یَا قُدُّوْسٌ** دونوں اسماء کا ملا کر وظیفہ کرے، نفس کو تابع اور ظاہری املاک لازوال پائے۔

یَا قُدُّوْسٌ - بھی خاصیت میں جمالی اور تاثیر میں کمالی حقیقت رکھتا ہے۔ اس کے ایک سو ستر عدد ہیں اس کا ہر روز بعد نماز مغرب ایک ہزار گیارہ بار پڑھنا دنیا و اہل دنیا سے بے نیاز کرتا ہے۔ سفر میں عام بے تعداد پڑھنا سفر کے فتنوں سے بچاتا ہے اور مریض کے لئے روٹی کے ٹکڑے پر آیت **فَتَحَبَّلَیْ رَحْمَۃً لِّجَبَلٍ جَعَلْکَ ذَکَا وَخَرَّ مُوْسٰی صَوْعًا** کے ساتھ اکیس بار لکھ کر دنیا شقا بخشا ہے۔ اور اگر مریض چوتھے بخار کی باری کے دن اسی خشک روٹی کو کھا کر دودھ، سالن، میٹھا وغیرہ سے بچے نہ روٹی کے ساتھ کھائے اور نہ بعد کو تو بخار سے نجات پائے۔

یَا سَلَامٌ - اس اسم پاک کے ایک سو اکتیس عدد ہیں اور جمالی ہے۔ شفا و مریض کے لئے ایک ہزار اکیسویں اکتالیس بار پڑھ کر مریض کو دم کرنا بجا و مفید ہے اور ہر نماز کے بعد سات سو چھیالیس بار اس کا وظیفہ کرنا علم و

عمل اور پاکیزہ لذت کو زیادہ کرتا ہے۔

یَا مُؤْمِنُ۔ یہ اسم الہی بھی جمالی ہے۔ جس کے ایک سو تین عدد ہیں۔ ہر روز علی الصبح اٹھتے ہی تین بار پڑھنا خطرات سے بچاتا ہے۔ اور بطور وظیفہ گیارہ سو بار بعد نماز مغرب پڑھنے سے ظاہری و باطنی امور انتہا میں برکت بخشتا ہے۔ اور اس کا عامل کسی حال میں بھی مفلس اور تنگ نہ ہو گا۔ پھر اسم **یَا رَحِیمُ** کے ساتھ ملا کر پڑھنا تو بے پناہ خاصیت رکھتا ہے۔ جس کے لئے اجازت حاصل کرنا لازم ہے۔

یَا مُہِجِنُ۔ اس اسم مبارک کے ایک سو پچاس عدد ہیں۔ اور جمالی اسم میں سے ہے۔ ہر روز ایتیس بار پڑھنے سے غم نہیں آتا اور غسل کر کے ایک سو ستر بار پڑھا جائے تو انگشتان باطنی و ظاہری ہو جاتا ہے۔ **یَا عَزِیزُ**۔ یہ اسم شریف تاثیر میں جمالی اور اعداد پچاس کے رکھتا ہے۔ اس کو بعد نماز مغرب ایسی جگہ بیٹھ کر سات سو بار پڑھنا جہاں چھت نہ ہو اور آسمان دکھائی دیتا ہو دنیوی مصائب اور ہر قسم کے افلاس سے محفوظ رکھتا ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ جب ایک سو بار پڑھ لیں آسمان کی جانب منہ اٹھا کے بھونک ماریں اسی طرح بار بار کریں۔ اس اسم شریف کو آخر شب میں دو ہزار بار اگر باران رحمت کے لئے پڑھا جائے تو مہینہ بھر رہتا ہے۔ بعد نماز فجر اکتالیس بار اور بعد نماز عصر ایک سو چھیاون بار پڑھنا مخلوق میں عزیز اور غالب کرتا ہے۔

256

یَا جَبَّارُ۔ یہ اسم پاک جدالی ہے اور اس کے دو سو چھ عدد ہیں۔ پچیس دن ہر روز بعد نماز کے پچیس بار اگر پڑھا جائے تو ہر حاجت پوری ہوتی ہے۔

66

یَا مُتَکَبِّرُ۔ یہ اسم بھی اسمائے جلالیہ میں سے ہے۔ اس کے چھ سو بائیس عدد ہیں۔ عورت کی قربت کے وقت سے پہلے اگر اپنے پاکیزہ بستر پر بیٹھ کر صرف دس بار پڑھا جائے پھر قربت کی جائے۔ تو فرزند زینہ پیدا ہو۔ خواب میں ڈرنے والا سونے سے پہلے بہتر بار پڑھے تو یہ تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

یَا خَالِقُ۔ اس اسم شریف کو جمالی لکھا گیا ہے۔ اور اس کے سات سو اکتیس عدد ہیں۔ اس کو

بطور وظیفہ بعد نماز اشراق ہر روز ۳۳ سے سات سو تینتیس بار پڑھنا عبادت الہی میں ذوق پیدا کرتا

ہے۔ اور غفلت دور ہو جاتی ہے۔

یَا بَارِئُ - جمالی اسم ہے۔ اس کے دو سو تیراں عدد ہیں۔ عذاب قبر اور خطرات نفسانہ سے محفوظ رہنے کیلئے اس اسم شریف کا ہر روز غروب آفتاب کے وقت پچیس بار اور بوقت جمعہ فرضوں اور سنتوں کے درمیان خطبہ سے پہلے اکتیس بار پڑھنا کامیاب رکھتا ہے۔

یَا مَصْرُورُ - جمالی اسم ہے۔ اور اس کے تین سو چھتیس عدد ہیں۔ دینی دنیوی دشواریوں کے لئے اس کا کسی ایک معین وقت میں صرف ستاون بار پڑھنا ہر حاجت کو پورا کرتا ہے۔ اور بانچھ عورت کو اگر ہر روز بارش کے پانی پر دم کر کے اکتیس روز پلا یا جائے تو بفضلہ تعالیٰ اولاد ہو۔

یَا حَکَمُ - یہ اسم شریف تاثیر میں جمالی ہے اور اس کے اٹھتر اعداد ہیں۔ اس کا بے تعداد اس قدر پڑھنا کہ پڑھنے والا پڑھتے پڑھتے بیہوش ہو جائے معرفت الہی کے اسرار کو کھولتا ہے۔ مگر وقت رات کا ہونا چاہئے۔ طلوع سے غروب آفتاب تک نہ پڑھنا چاہئے۔ ہر نماز کے بعد تین سو ساٹھ بار پڑھنا محتاجی سے بچاتا اور معدن اسرار بناتا ہے۔ پانی پر دم کر کے مریض کو پلانا و بانی امراض میں نہایت مفید ہے۔

یَا عَدَلُ - یہ اسم مبارک جمالی ہے۔ اس کے ایک سو چار عدد ہیں۔ حمبرات کی شام کو اس کا ایک سو چار بار پڑھنا اور روٹی کے چار ٹکڑوں پر اسی تعداد کے مطابق ایک ایک سو چار چار بار لکھ کر اسی شام کو کھانا تسخیر خلق کے لئے نہایت سریع الاثر ہے۔ اور ہر روز بعد نماز مغرب ایک ہزار بار پڑھنا آفات و بلیات سے بچاتا ہے۔

یَا طَیِّبُ - جمالی اسم شریف ہے۔ اس کے ایک سو اکتیس عدد ہیں۔ اس اسم شریف کا چینی کی لکائی میں تعویذ و دست مقلعات کے باہر اس کے تعداد و حروف کے برابر گلاب و زعفران سے لکھ کر اسے سیب زدہ کو پلانا اور اس پر چھڑکنا، ام الصبیان اور سُوکھا کے مریض بچوں کو دودھ میں گھول کر پلانا اور اسی دودھ کی بالمش کرنا بفضلہ تعالیٰ صحت بخشتا ہے۔ ہر روز بوقت تہجد اگر غسل کر کے گیارہ سو بار پڑھا جائے، پھر سر کو سجدہ میں رکھ کر دعا مانگی جائے تو ہر حاجت روا ہو۔ جوان لڑکی کے نکاح کی فکر میں اگر ایک سو اکتیس بار لکھ کر لڑکی کے گلے میں ڈال دیا جائے تو خدا کے فضل سے اتنے ہی دنوں کے اندر نکاح ہو جائے۔

یَا خَبِیرُ - جمالی اسم مبارک ہے۔ آٹھ سو بارہ اس کے اعداد ہیں۔ اس کا رات کو دو گانہ پڑھ کر اور اس

کے بعد انچاس مرتبہ درود شریف ہزارہ پڑھ کر کٹھن سو بار پڑھنا اصلاح نفس امارہ فرماتا ہے۔ اور اسی مصلیٰ پر بیٹھ کر یا خبیر الخیر فی بطور استخارہ پڑھنا گمشدہ چیز کا پتہ دیتا ہے۔ اس کا ہر وقت وظیفہ بعض غائبانہ ہستیوں سے ملاپ کا سبب بھی ہوتا ہے۔

یا حلیہ۔ اٹھاسی اعداد کا جمالی اسم شریف ہے۔ اس کا کلاب وزعفران سے بطور نقش بحباب ابجد لکھنا اور بارش کے پانی میں گھول کر پینا اٹھراہ والی عورت کو مفید ہے۔ کسی کھیتی کی مٹی پر ۸۸ بار دم کر کے کھیتی میں مٹی کو بکیر دینا کھیتی کو موذی جانوروں سے محفوظ فرماتا ہے۔

یا عظیم۔ یہ اسم مبارک بھی جمالی ہے۔ جس کے ایک ہزار میں عدد ہیں۔ اس کا ایک ہزار میں مرتبہ سات کنوؤں کے پانی کو ملا کر اس پر دم کرنا اور وبائی امراض کے مریض کو پانا خدا کے فضل سے شفا بخشتا ہے۔ **یا غفور**۔ اس اسم مبارک کی تاثیر بھی جمالی ہے۔ ایک ہزار دوسو چھیاسی اعداد ہیں۔ اس اسم کا تپ محرقہ کے مریض کو اس کی تعداد حروف کے برابر لکھ کر پانا صحت دلاتا ہے۔ جلالی جمالی پرہیز کے ساتھ اس کا بستی سے باہر تنہائی میں کسی عامل سے اجازت لے کر سو لاکھ پڑھنا اور شکہ کی راہ پر دم کر کے مریض فالج کو کھلانا نہایت زود اثر ہے۔

یا شکور۔ یہ جمالی اسم شریف ہے۔ اور اس کے پانچ سو چھپیس اعداد ہیں۔ تنگی، معاش، خلاصی، مقدمہ بریت، نعمت کے لئے صرف سات بار آسمان کی طرف منہ کر کے پڑھنا نجات و لا دیتا ہے۔ شب کو ری کے لئے اکتالیس بار سفید پیاز پر دم کرنا اور اس کا پانی سلانی سے لگا کر آنکھ میں متواتر ڈالنا شب کو ری کو دور کرتا ہے۔ ہر روز اس کا پانچ ہزار بار وقت تنجید پڑھنا بفضلہ تعالیٰ اضطراب قیامت سے بری کرتا اور درجات بلند فرماتا ہے۔

یا علی۔ جلالی اسم شریف ہے اس کے ایک سو دس عدد ہیں، بلندی مراتب، حصول برکات میں اس کا اثر نہایت بالا و بالا ہے۔ در دسر، وجع المفاصل، ہر قسم کے ورم کے لئے اس کا اکیس بار پڑھ کر تین حصول میں کرنا صحت بخشتا ہے۔

یا کبیر۔ یہ اسم مبارک جمالی ہے۔ اس کے دو سو بتیس اعداد ہیں۔ اس کی تلاوت ہر روز پانچ سو بار

انسان کو عالی قدر باقی ہے۔ بشرطیکہ جائے ملاوت ایک ہی ہو۔ یا کم از کم مصلیٰ ایک رکھا جائے۔ اور ایک ہی وقت بھی معین رہے۔ سمات امور کی انجام دہی کے لئے اس کا ٹکڑ کر گئے میں ڈالنا ہر مقام پر کامیابی بخشتا ہے۔

یا غفار۔ یہ جمالی اسم شریف ہے۔ اس کے ایک ہزار دو سو اسی عدد ہیں۔ مغفرت کا اس اسم پاک سے خاص تعلق ہے۔ اس اسم پاک کی بدولت ہر گنہگار اس کا وظیفہ کر نوالا گناہوں سے بخشا جاتا ہے۔ اور قیامت میں بھی اسیدوار مغفرت ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جمعہ کے روز فجر کی سنتوں اور فرضوں اور جمعہ کی سنتوں اور عصر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ایک ہزار اکتالیس بار اس اسم پاک کا وظیفہ کرے اس کے جملہ گناہوں کی معافی کا مرنے سے پہلے یقین ہو جائے۔

یا قهار۔ یہ جمالی اسم پاک ہے۔ اعداد اس کے تین سو چھ ہیں۔ مقہورئی اعدا کے لئے وظیفہ اس کا اکیس ہے۔ ہر روز بدھ اگر دو گانہ وضو کا ادا کر کے بوقت ظہر قبل نماز ظہر تین سو چھ بار پڑھا جائے تو دنیا کی محبت دل سے نکل جاتی ہے۔ اور خاتمہ بالخیر ہوتا ہے۔

یا وهاب۔ اس اسم مبارک کو بعض حضرات جمالی اور بعض جمالی لکھتے ہیں۔ صحیح یہی ہے کہ جمالی ہے۔ اور اس کے چودہ عدد ہیں۔ جو چودہ طبقوں کی نعمتوں کا حامل ہے۔ اس کا وظیفہ کرنے والا ناقہ میں نہیں رہ سکتا۔ بلکہ معلوم غیب سے روزی پاتا ہے۔

یا رزاق۔ جمالی اسم شریف ہے۔ اس کے تین سو آٹھ عدد ہیں۔ کشتائش رزق کے لئے اکثر لوگ اس کا وظیفہ کرتے ہیں اور اکثر بزرگ اس کی اجازت فرمایا کرتے ہیں۔ مفلسی کو دور کرنے کے لئے اس کا رات کو سوتے وقت تین سو تین سو بار اور صبح اٹھتے ہی دس دس بار پڑھ کر مکان کے چاروں کونوں میں پھونکتا اور قطب لالہ کو نے سے شروع کرنا دنیا و دین کی دولت سے مالدار کر دیتا ہے۔

یا فتاح۔ اس اسم پاک کو بھی جمالی لکھا گیا ہے۔ اس کے اعداد چار سو نو اسی ہیں۔ ہر نماز فجر کے بعد اکیس اکیس بار اول آخر درود شریف پڑھ کر اور اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ کر کھڑے ہو کر اس اسم کا ستر بار پڑھنا ہر مطلب و کثود کار کے لئے اکیس کا حکم رکھتا ہے۔

یا علیم۔ جمالی اسم شریف ہے اور ایک سو پچاس عدد ہیں۔ اس کا کسی راز کے معلوم کرنے کیلئے دو گانہ استخارہ پڑھ کر جائے نماز پر ہی داہنے پہلو لیٹ کر اکیسواکتالیس بار پڑھتے پڑھتے سو جانا راز کو کھول دیتا ہے۔

اور اس پر کثرت کرنا صاحبِ مکاشفہ بنا دیتا ہے۔

یا قَایِضُ۔ اس اسم مبارک کو جلالی بتایا جاتا ہے۔ اس کے نو سو تین اعداد ہیں حضرت ابوالخیر فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس روز تک اس اسم پاک کو ہر روز روتی کے چار ٹکڑوں پر لکھے اور پیاز اسن کے بغیر پکے ہوئے سالن سے کھائے یا کسی میٹھی چیز سے تناول کرے عذابِ قبر اور بھوک کی تنگی اور محتاجی سے امن میں رہے۔

یا جَابِیْطُ۔ یہ اسم بھی جلالی ہے۔ اور بہتر اعداد رکھتا ہے۔ اس اسم شریف کو بطور وظیفہ پڑھنا دین و دنیا میں سرفراز فرماتا ہے۔ فقیر نے ایک درویش سے سنا کہ یہ اسم شریف سات سو چھیاسی بار بعد نماز تہجد پڑھ کر اور سر سجڈ میں رکھ کر دعا مانگنا، ملنے والے کو اس حد تک مستغنی عن الخلق کر دیتا ہے کہ اس کو مخلوق سے کوئی حاجت نہیں رہتی اور شیشے میں لکھا کر اس اسم پاک کا تصور کرنا اور بوقت سحر تصور سمیت ایک ہزار بار پڑھنا قلب کو نور الہی سے بھر دیتا ہے۔

یا خَافِضُ۔ جمالی اسم شریف ہے جس کے ایک ہزار چار سو اسی اعداد ہیں۔ ہر دشمن کے شر سے محفوظ رہنے کے لئے اس کے اعداد ہی کے مطابق اس کا تین دن روزہ رکھ کر چوتھے روز ایک مقام معین پر بیٹھ کر پڑھنا کامیاب بناتا ہے۔

یا رَافِعُ۔ خاصیت میں جلالی اور اعداد میں تین سو کا ون، ایک خصوصی تعداد رکھتا ہے۔ تینوں زوال کے اوقات میں اس کا سو سو بار با وضو پاکیزہ جگہ پر قبلہ رخ آنکھیں بند کر کے کھڑے ہو کر پڑھنا مخلوق میں ممتاز اور خلایق سے بے نیاز کرتا ہے۔

یا مُعِزُّ۔ یہ اسم شریف جمالی ہے۔ اس کے ایک سو اترہ عدد ہیں۔ اس کا جمعرات کی شام کے بعد گیارہ سو بار کسی مکان کی چھت پر بیٹھ کر وظیفہ کرنا وہ ظاہری عزت و حرمت بخشتا ہے کہ سوائے خداوندِ عالم جل و علا شانہ کے کسی طرح کا خوف و ہراس نہیں رہتا۔

یا مُذِلُّ۔ اس اسم شریف کے سات سو اتر عدد ہیں اور تاثیر کے لحاظ سے جلالی ہے۔ ہر دشمن سے یخوت ہونے اور ہر شر سے محفوظ رہنے کیلئے ہر روز بعد نماز فجر اگر اکائیس بار پڑھ کر اور دشمن کا تصور دین پر رکھ کر پانچ جوتے مارے جائیں بلا مبالغہ کامیابی ہوتی ہے۔ یہ عمل کم از کم گیارہ روز کرنا چاہئے۔ اعداد کو مقہور کر دینا یہ ایک بہتال عمل ہے۔

یَا سَمِیعُ یہ قبولیت دعا کے لئے بعد نماز چاشت ایک ہزار اکاونے بار پڑھنا اکیر کا حکم رکھتا ہے مگر وہاں ہی پڑھنا چاہئے جہاں نفل پڑھے ہوں اور حاجت کو دل میں جگہ دی جائے تاثر میں جلالی ایک سو اسی اعداد ہیں۔
یَا اَکْبَرُ یہ اسم مبارک جمالی ہے۔ اور تین سو و عدد رکھتا ہے۔ مگر مفاجات سے مامون ہے نہ آنکھوں کی بینائی کو محفوظ رکھنے اور بے انتہا رحمت الہی کے حاصل کرنے کو اس اسم شریف کا عشاء و عصر فجر اور ظہر کی سنتوں اور فرضوں کے درمیان ہر روز ننانوے بار پڑھنا خاص طور پر سرفرازی بخشا ہے۔

یَا حَکِیْمُ جمالی اسم شریف ہے۔ اس کے نو سو اٹھانوے اعداد ہیں۔ یہ اسم شریف مریض کے لئے ہر مرض پر سات ہفتہ تک ہر روز اعداد کے مطابق بعد نماز فجر آبِ تازہ پر دم کر کے پلانے سے بفضلہ تعالیٰ صحت عطا کرتا ہے۔ اور سفر و حضر کے خطرات، طغیانی، آندھی، دشمن کے خوف کے لئے اسکا لکھ کر بصورت تعویذ یا زوپر باندھنا امن و سلامتی بخشتا ہے۔

یَا مُقِیَّتُ یہ اسم شریف جمالی ہے۔ پانچ سو پچاس اعداد ہیں۔ آسٹوب چشم و دیگر امراض چشم کے لئے گیارہ بار پڑھ کر دم کرنا اور دیگر امراض روحانی و جسمانی کے لئے سہالی کو رے آبخورے پر ایک سو اکیس بار دم کر کے اس میں پانی پینا اور غریبی دور کرنے کے لئے ہر روز سات سو بار ورد کرنا بفضلہ خدا کامیابی بخشتا ہے۔

یَا حَسِیْبُ جمالی اسم مبارک ہے اور اسی اعداد ہیں۔ ہر خوف و ہراس کے لئے ہمہا یہ کی اذیت دشمن کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے آٹھ روز بعد نماز فجر و بعد نماز مغرب ستر ستر بار پڑھنا نہایت فائدہ بخش ہے اور اگر حَسْبِی اللّٰهُ الحَسْبِیْ پڑھا جائے تو اور زیادہ امن و امان و برکات کا باعث ہو۔

یَا جَلِیلُ یہ اسم شریف بھی جمالی ہے اور اس کے تتر اعداد ہیں۔ اس اسم کا لکھ کر پاس رکھنا یا گھول کر پینا عزت و حرمت بخشتا ہے۔ انداگر پوری کا ڈر ہو تو اپنے مال پر دس بار پڑھ کر دم کر دینے سے بفضلہ تعالیٰ مال محفوظ رہے گا۔

یَا حَیْبُ جلالی اسم شریف ہے۔ اور پچپن اعداد ہیں۔ قبولیت دعا کے لئے اس کا کثرت سے وظیفہ کرنا اکیر کا حکم رکھتا ہے۔ دوسرے لئے تین بار دم کرنا اور بانی امراض کے لئے ایک سو اکیس بار زعفران و گلاب سے چینی کی رکابی میں لکھ کر پلانا موجب صحت ہے۔ لکھ کر بچے کے گلے میں ڈالنا آسیب و غیرہ سے

امان میں رکھتا ہے۔

یا کریم۔ یہ اہم مبارک جمالی ہے۔ دو سو ستتر اعداد میں۔ اس کا ورد اٹھتے بیٹھتے ہر وقت اور بستر پر سوتے وقت رات کو بے تعداد پڑھتے پڑھتے سو جانا رحمت الہی کا قرب دلاتا ہے اور اسکی توفیر و تعظیم کیلئے ملائکہ الہی دھا کرتے ہیں۔
یا رقیب۔ یہ جمالی اہم شریف ہے اسکے اعداد تین سو بارہ ہیں۔ ہر نماز کے بعد اس کا ایک سو سات بار پڑھنا اور مال و املاک و بیوی بچوں پر دم کرنا آفات و بلیات سے بچاتا ہے۔ اور پانی پر پھونک کر مرض کو سات دن پلانا نہایت مفید و موجب صحت و سلامتی ہے۔

یا واسع۔ اسماء الحسنی سے یہ اہم پاک جمالی ہے جس کے ایک سو سینتیس اعداد ہیں۔ کشادگی و ذوق کیلئے اسکو گیارہ ہزار بار روزانہ بعد نماز مغرب یا تہجد پڑھنا اکبر کا حکم رکھتا ہے۔ شتر بار پڑھ کر اگر عجب گزیرہ کو دم کیا جائے بفضلہ تعالیٰ فوراً آرام ہو۔ فقیر کے ایک دوست نے اسکو معمول بنایا تو خواب میں اسکو کسی بزرگ نے کیا کا ایک مختصر سا نسخہ فرما دیا جسکو وہ اپنی زندگی میں کرتے رہے۔ مگر یہ ایک عجیب بات تھی کہ انہوں نے اندازہ سمجھ دی جس غریب دوست کو بتایا۔ اسکو کوئی نفع نہیں پہنچا۔ شاید اس میں شرط اجازت پوشیدہ ہو۔
یا حکیم۔ جمالی اہم شریف ہے۔ اس کے اٹھتر اعداد ہیں۔ ہر مہم کے لئے صرف گیارہ بار کسی بزرگ کے مزار پر جا کر پڑھے۔ اور خاموش واپس چلا آئے۔ بفضلہ تعالیٰ کام پورا ہو جائیگا۔ اور بعد نماز ظہر ہر روز نوے بار اس کا ورد کرنا جہان میں سبکدوشی اور وقار بخشتا ہے۔

یا ودود۔ اس اہم پاک کو بھی جمالی فرماتے ہیں۔ اس کے اعداد اکیس ہیں۔ اس کی بکات و صفات اور فضائل بہت زیادہ ہیں۔ مولا کریم سے مودت کیلئے اس کی باقاعدہ تلاوت قرب بخشی ہے کسی محبت کے سلسلے میں اسکا پانچسو بار بعد نماز مغرب پڑھنا کامیاب فرماتا ہے۔ بشرطیکہ مطلوب کا تصور رکھ کر پڑھا جائے۔ اگر کسی کی اولاد نافرمان ہو تو بعد نماز جمعہ مسجد جامعہ میں ہی با وضو قبلہ رخ بیٹھ کر ایک ہزار اکیس بار پڑھنا اور کسی شیرینی پر دم کر کے نافرمان کو کھانا بفضلہ تعالیٰ صلاحیت پیدا فرماتا ہے۔ مال یا امر یا در ہے کہ جب ایک ہزار اکیس بار پڑھ چکے تو اسی مقام پر فوراً کھڑا ہو جائے اور دو رکعت نماز نفل برائے اعانت سوال لازم فی الذہن بھی ادا کرے۔
یا مجیب۔ اس اہم شریف کو جمالی لکھا گیا ہے۔ اور ستاون اعداد ہیں۔ اس کی خوبیاں اور تاثیروں سے

ایک بات یہ بھی ہے کہ جن کو کوہنہ (جذام) یا سرخ بادیا پھلیری اور جنبل وغیرہ جو وہ چاند کی تیرہ چودہ سپندرہ تاریخوں کے تین روزے رکھے اور ہر روز روزہ کی افطاری سے پہلے اس اہم شریف کو گیانہ ہزار بار پڑھ کر پانی اور زخم پر دم کرے۔ اور پھر اسی پانی سے ذرا سانمک ملا کر روزہ افطار کرے۔ خداوند عالم شفا بخشے گا۔ اور اگر کسی کو کسی سے مقابلہ پڑ جائے تو کامیابی اور قیام وقار کے لئے ہر نماز کے بعد صرف ستانوے بار یہ اسم مبارک پڑھنا سرخرو فرماتا ہے۔

یا با عِشَّ۔ یہ اسم الہی بھی جمالی ہے۔ اور ابجد کے لحاظ سے پانچ سو تہتر اعداد رکھتا ہے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ اس کی برکات بہت زیادہ ہیں۔ کام دینی ہو یا دنیوی آسمان کی طرف منہ کر کے صرف سات مرتبہ یہ اسم شریف پڑھنے سے بفضلہ تعالیٰ ہو جاتا ہے۔ البتہ شاہی درباروں میں بادقار ہونے کے لئے طلوع آفتاب کے وقت تفکرات سے نجات پانے کے لئے بعد نماز تہجد اور دل زندہ کرنے کو سوتے وقت پڑھنا چاہئے۔ نیز کشف قبور کے لئے اس اسم پاک کو اکیس ہزار بار قرپہ بیٹھ کر تلاوت کرنا اور اکتالیس دن کرنا صاحب کشف کر دیتا ہے۔ اور ایک سو ایک بار چینی کی رکابی پر نہ عفران سے لکھ کر مریض کو گیارہ یوم پانا خدا کے فضل سے شفا بخشتا ہے۔

یا شہید۔ جمالی اسم ہے۔ تین سو انیس اعداد ہیں۔ ہر نماز کے لئے اس کا تصور رکھ کر اور ایسی جگہ کھڑے ہو کر جہاں آسمان نظر آئے اور چھپت نہ ہو صرف اکیس بار پڑھ کر بھونک دینا اکیر کا حکم رکھتا ہے۔ اور نماز اولاد کے لئے اس کی پیشانی پر ہاتھ رکھ کر اور آسمان کی جانب نگاہ کر کے پڑھنا چاہئے۔ بفضلہ صالح ہو جائیگی۔

یا حَقَّ۔ یہ اسم پاک جلالی ہے۔ اور اس کے ایک سو آٹھ عدد ہیں۔ اور ایک سو آٹھ ہی درجات بخشا ہے۔ گمشدہ چیز کے لئے اس کو کسی کا غذ کے چاروں کونوں پر لکھ کر بیچ میں گمشدہ شے کا نام لکھے اور رات کو آسمان کی جانب کر کے وہ تعویذ کہیں رکھ دے۔ بفضلہ تعالیٰ مال گمشدہ مل جائے گا۔ اور کسی معاملہ میں حق و باطل کا مقابلہ ہو تو تین سو سات بار لکھ کر پلانے یا کسی دوسرے مناسب طریق پر استعمال کرانے سے حق حق اور باطل باطل ظاہر ہو جاتا ہے۔

یا وکیل۔ جمالی اسم مبارک ہے۔ اور اس کے چھیاسٹھ اعداد ہیں۔ اتفاقی حوادث مثلاً بارش تیر اندھی، بجلی

دیگرہ کا خوف ہو تو اس اسم پاک کا فوراً تلاوت کرنا امان بخش ہے۔ جنگل رات کی تاریکی قبرستان یا کسی دوسرے خوف کے مقام میں اسکا پڑھنا قلب کو فراخی اور استقامت عطا کر کے نڈر کر دیتا ہے۔ اور زندہ دشمن کی دشمنی سے محفوظ رہنے کے لئے بوقت عصر ہر روز صرف سات بار بعد نماز عصر پڑھنا حفاظت کی کلید ہے۔

یا قویٰ۔ یہ اسم شریف جلالی ہے جس کے ایک سو سولہ اعداد ہیں۔ شر دشمن سے امن و سلامتی مطلوب ہو تو اس اسم کو ایک سو سولہ بار چاندی کی پلیٹ میں یا جس پر چاندی کا پانی چڑھا ہوا ہو مشک و زعفران اور گلاب سے لکھے۔ پھر گلاب بھی میں دھو کر اس میں تھوڑا سا آٹا گیہوں کا گوندھے اور اس کی ایک ہزار ایک سو سولہ گولیاں بنا کر بہ نیت دفعہ دشمن ایک ایک گولی اٹھاتا جائے اور **یا قویٰ** پڑھ کر مرغ یا کسی جانور کے آگے ڈالتا جائے یعنی اس کو کھلا دے تو دشمن مقہور ہوگا۔ اور دشمنی چھوڑ دے گا۔

یا ممتین۔ جمالی اسم ہے۔ ستر عدد ہیں۔ اس کا ستر بار پڑھنا اور پڑھ کر مریض کو پانی پلانا بالخصوص چھوٹے بچوں کے لئے اکیر ہے۔

یا ولی۔ یہ اسم شریف بھی جمالی ہے۔ چھیالیس عدد رکھتا ہے۔ خانگی حالات کی درستی۔ میاں بیوی کے اتفاق اور مخلوق میں نیک نام ہونے کے لئے اس اسم کا کثرت سے تلاوت کو ناسر فرازی بخشا ہے۔ خاوند اگر نا اتفاق بیوی کے لئے اور بیوی بد سلوک خاوند کے لئے اگر کچھ روز بطور وظیفہ بہ نیت سلوک پڑھے تو کامیاب ہو۔

یا حمید۔ یہ اسم بھی جمالی ہے اور اسکے باسٹھ اعداد ہیں اخلاق کی درستی کیلئے پڑھنا اور بدگوئی سے حفاظت کیلئے لکھ کر پاس رکھنا اور فکر و غم سے آزاد ہونے کے لئے چینی کے پیالہ میں نو بار لکھ کر پینا انتہائی تاثیر رکھتا ہے۔

یا مخصی۔ یہ اسم مبارک جمالی ہے اور اس کے اکیسواٹھ تالیس اعداد ہیں۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص حجرات کو بعد نماز عشاء ایک ہزار ایک بار اس اسم شریف کی تلاوت کرے اللہ تعالیٰ اس کو عذاب قبر عذاب حشر اور خطرات بلطراط سے مامون فرما دیتا ہے۔ اور جو کوئی ہر روز بعد نماز فجر ایک سو ایک بار پڑھتا رہے گا۔ ہر روز کے آنے والے فتنوں اور آفات سے محفوظ ہوگا۔

یا مبدی۔ یہ اسم پاک بھی جمالی ہے۔ اور اس کے چھپن عدد ہیں۔ اس اسم مبارک کی تاثیر میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اگر کسی عورت کا حمل ساقط ہو جاتا ہو۔ یا وقت سے زیادہ وضع حمل میں تاخیر ہو جائے۔ یا حمل میں خوف

وغیرہ آنا ہو یا کوئی اور عارضہ حمل کے متعلق ہو تو اس عورت کا خاوند بعد نماز تہجد نوٹے بار اس اسم شریف کو پڑھے، اور انگشت سبابہ پر دم کر کے پیٹ کے گرد پھیرے بقیۃ اللہ تعالیٰ حمل ساقط نہ ہوگا۔ اور صحیح وقت پر بلا تکلیف بچہ پیدا ہوگا۔ نہ پڑھ سکنے کی حالت میں اس اسم شریف کا گلاب اور زعفران سے کسی چینی کی پیٹ میں با وضو لکھ کر مرضیہ کو چالیس دن میں پلانا ہی اثر رکھتا ہے۔

یَا مُعِیْدُ - یہ جمالی اسم پاک ہے اور اس کے ایک سو چوبیس اعداد ہیں۔ اس کو بعض بزرگان دین نے بطور گزنامہ کے پڑھنا تلقین فرمایا ہے۔ یعنی اگر کسی کا کوئی عزیز گم ہو جائے یا پتہ ہو اور وہ گھر نہ آئے تو گھر کا کوئی بزرگ اس اسم کو ستر ستر بار مکان رہائشی (جس میں رہتا ہو) کے چاروں کونوں میں پڑھے اور بعد یوں کہے۔ کہ الہی میرے فلاں بن فلاں (اسکا نام اور اسکی والدہ کا نام) لے کر کے کہ اس کو گھر واپس لا۔ تو بفضلہ تعالیٰ سات یوم ایسا کرنے سے وہ خود آجائے گا۔ یا اس کی خبر مل جائے گی۔

یَا مُحِی - یہ اسم مبارک جمالی ہے۔ اور اس کے اڑسٹھ عدد ہیں۔ رنج و مصیبت میں مبتلا ہونے والا اگر اس کی اس طرح تلاوت کرے کہ ایک صاف جگہ میں پانی پھیر کر خشک ہونے پر اس کے گرد حصار کی لکیر کھینچ کر اس کے اندر خود بیٹھ جائے اور اس اسم شریف کو اول آخر سات سات بار درود شریف ہزارہ پڑھ کر اس کے اعداد کے مطابق پڑھے تو ایک ہی دن کے ایسا کرنے سے مصیبت سے نجات پائے۔ وجہ المفاسل کے لئے اس کا ہر روز ستر بار فجر کو پڑھ کر گیارہ دن آٹھ کنوؤں کے پانی پر دم کر کے پینا کسیر کا حکم رکھتا ہے۔ اور بعض اولیاء اللہ نے دل کے زندہ کرنے کو بھی گیارہ سو بار ہر روز پڑھتا اور ہمیشہ پڑھتے رہنا فرمایا ہے۔

یَا مُہِیْتُ - یہ اسم الہی بھی جمالی ہے اس کے چار سو نوٹے اعداد ہیں۔ جادو کے اثر سے مامون و محفوظ رہنے کے لئے اس کی ہر روز بہتر بار تلاوت بعد نماز مغرب نہایت کا اثر رکھتی ہے۔ اور جس آدمی کو عبادت میں رغبت نہ ہو وہ رات کو سوتے وقت دل پر ہاتھ رکھ کر بے تعداد پڑھتا سو جائے۔ انشاء اللہ مستقی ہو جائیگا۔

یَا سَحِی - اسماء الحسنیٰ سے اس کو بھی جلال اسماء میں لکھا گیا ہے۔ اور اٹھارہ اعداد ہیں۔ دل کی زندگی بیماری سے شفا سفر سے قربت، اولاد سے سلوک، بیوی سے تالعداری کی تمنا پر اس کو اٹھارہ یوم، اٹھارہ سو بار ہر روز بعد نماز ظہر یا اشراق پڑھنا خدا کے فضل سے کامیابی بخشتا ہے۔ کسی دوسرے بیماری کے لئے اگر ستر بار پڑھ کر دعا کی

جلے تو وہ صحت پائے اور عمر اس کی دراز ہو۔

یَا قَبُورُ۔ یہ اسم شریف بھی جلالی ہے۔ اور اس کے ایک سو پچپن عدد ہیں۔ بعد نماز تہجد اس کا پانچ سو بار پڑھنا خدا کی مخلوق کے لئے تسخیر کا کام دیتا ہے۔ بشرطیکہ اول آخر بائیس بائیس بار درود شریف ابراہیمی پڑھا جائے زیادہ پڑھنے کے لئے بھی اجازت ہے۔ مگر درود شریف کی تعداد یہی رہے گی۔

یَا وَاحِدُ۔ جلالی اسم ہے اور صرف ۱۲ عدد ہیں۔ اگر کوئی شخص کسی حاجت کے لئے بطور وظیفہ ہر روز ایک لاکھ بار ۱۲ دن تک پڑھے تو مالدار ہو جائے۔ کھانا کھانے ہوئے ہر لقمہ کے ساتھ ساتھ اگر ایک ایک بار کھانے والا پڑھنا جلے تو کھانے کو مفید پانے کے علاوہ اپنے اندر نورانیت بھی محسوس کرے۔ جنگل میں تنہا بیٹھ کر پڑھنے والا غیب سے امداد پائے اور محتاج نہ رہے۔

یَا مَاجِدُ۔ یہ اسم مکرم جلالی ہے۔ اور اس کے اڑتالیس عدد ہیں۔ اس کو خلوت میں ہر روز سو لاکھ بار پڑھنے والا انوار الہی اور تجلیات نامتناہی پاتا ہے۔ اور مخلوق میں برگزیدہ اور مقبول ہو جاتا ہے۔

یَا وَاحِدُ۔ یہ اسم معظم بھی جلالی ہے۔ جس کے انیس عدد ہیں۔ پڑھنے والا اس کے وظیفے سے صاحب ہو جاتا ہے اور خلوت و تنہائی میں ۱۹ دن پڑھنے سے اس کو بیشمار اسرار کھلتے ہیں۔ اگر پانی پر دم کر کے کسی کو پیلا یا جائے تو شفا ہو۔

یَا أَحَدُ۔ جلالی اسم شریف ہے۔ اور اعداد تیراں ہیں۔ اس کو تیراں بار تلاوت کر کے جس کسی حاکم یا بڑے آدمی کے پاس جائیں وہ عزت و سرفرازی سے پیش آئے۔ اور اگر ایک سو ایک بار پڑھ کر سانپ کاٹے کو دم کیا جائے تو شفا ہو۔

یَا صَدُ۔ یہ اسم مبارک جلالی ہے اور اس کے ایک سو چوداں عدد ہیں۔ بعد نماز تہجد ہر کو سجدے میں رکھ کر اس کے اعداد کے مطابق پڑھنا انسان کو صاحبِ حال و قال بنا دیتا ہے۔ دنیا اس کی برکت قدم سے رخ حاصل کرتی اور اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ کوئی ظالم اس پر قابو نہیں پاسکتا۔ اور نہ ہی اس کا عامل و نہیں کسی کا محتاج رہتا ہے۔ قیدی اگر پڑھے رہائی پائے۔

یَا قَادِرُ۔ یہ اسم مکرم جلالی ہے۔ اس کے تین سو پانچ اعداد ہیں۔ ظلم کے شر سے محفوظ ہونے اور غربت و

سے بچنے کے لئے بید تافح ہے۔ اس کے پڑھنے کا طریق یہ ہے کہ عین مکان یا کمرے کے درمیان میں ننگے سر اور ننگے پاؤں آنکھیں بند کر کے اور کھڑا ہو کر تین سو پانچ بار اپنی حاجت کو خیال میں رکھ کر پڑھے۔ اور پڑھ سہجئے کے بعد سیدھا سجدے میں گر جائے اور بارگاہ باری تعالیٰ میں سات بار عرض کرے کہ اے قادر مطلق تجھ کو میری حاجت یاد ہے اور فارغ ہو جائے۔

یَا مُقْتَدِرُ۔ یہ جلالِ اہم مبارک ہے۔ اور سات سو چالیس اعداد ہیں۔ اس پر عمل کی مدامت کرنے والا ذکرِ الہی سے غافل نہیں رہتا۔ ہر روز درود شریف کچھ تعداد میں پڑھ کر سات سو چالیس بار اس کا پڑھنا ہر میدان میں کامیاب رکھتا ہے۔ **یَا مُقَدِّرُ**۔ یہ بھی اہم شریف جلالی ہے اور اس کے ایک سو چوبیس اعداد ہیں۔ اگر یہ کسی کو لکھ کر پلا یا جائے تو محبت کرے جنگ کے موقع پر پڑھا جائے کامیابی ہو۔ شیرینی پر پڑھ کر پیچھے کو کھلائیں تو حافظہ تیز ہو جائے۔

یَا مُوَحِّدُ۔ جلالی اسماء سے ہے۔ آٹھ سو چھیالیس اعداد ہیں۔ یاد الہی کے ساتھ دل بستگی اور غیر خیالِ اہل سے نجات پانے کیلئے گیارہ یا اکیس یا اکتالیس یوم اسکا اس کے اعداد کے مطابق بعد نماز عصر پڑھنا پورا پورا اثر دکھاتا ہے۔ اور نفس کی ایسی اصلاح ہوتی ہے کہ سرِ مؤخرات نہیں کرتا اور مطیع ہو جاتا ہے۔

یَا اَقِلُّ۔ تاثیر کے لحاظ سے یہ اہم پاک بھی جلالی ہے۔ اور سینتیس اعداد رکھتا ہے۔ بے اولاد اگر اسکو چالیس دن ملتے چھو بار سے رکھ کر ہر روز ایک ہزار ایک بار پڑھے اور ہر روز نو چھو بار دن پر دم کرتا جائے۔ حتیٰ کہ چالیس یوم گزر جائیں۔ پھر عورت کو بعد غسل حیض وہ چھو بار سے تین دن تک تین تین روزانہ کھاتا رہے اور چوتھے دن قربت کرے تو خدا کے فضل سے اولاد حاصل ہو۔ اور عورت حاملہ ہو جائے۔

یَا اَخْرُجْ۔ یہ جلالی اہم شریف ہے۔ اور آٹھ سو ایک عدد رکھتا ہے۔ مسافر کے لئے سفر کو جاتے وقت اور ملازم کے لئے مقام ملازمت پر جاتے ہوئے اور انسروں کا سامنا کرتے ہوئے اور تاجروں کے لئے دکان کے دروازے پر کس اہم کا اکتیس بار پڑھنا اور پھر مطلب کو رجوع کرنا یقینی طور پر کامیابی بخشتا ہے۔ اور جو شخص بہت ضعیف اور شیخ فانی ہو چکا ہو اور اعمال صالح میں کمی محسوس کرتا ہو تو اس اہم کو ہر روز با وضو بعد نماز عشاء یا قبل نماز فجر تین ہزار تین سو تین بار تلاوت کیا کرے۔ بعضہ تعالیٰ عاقبت بخیر ہو جائے گی۔

یا ظاہر۔ یہ بھی اسمائے جلالیہ سے ایک متبرک اسم ہے۔ جس کے اعداد ایک ہزار ایک سو چوبیس ہیں۔ اس کا بعد

نماز اشراق سو لاکھ کی تعداد میں وظیفہ کرنا تسخیرِ خلائق کے لئے اکیر ہے۔ دنیا کا ہر چھوٹا بڑا اس کے عامل سے برکت ڈھونڈے گا۔ اور غلامی کی خواہش کرے گا۔ اس کے ہر رات کو گیارہ بار پڑھ کر سرمہ کی سلائی پر دم کر کے سرمہ آنکھوں میں لگانے سے آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں۔ اور توندی نہیں ہوتی۔ آندھی وغیرہ کا یا دوائی امراض کا ڈھ ہو تو مکان کے دروازے یا دیوار پر لکھنے سے بے فائدہ نہ رہے۔ بعد نماز ظہر یا پنجو بار اس کا پڑھنا اور بدن پر دم کرنا ہر قسم کی بیماری سے صحت بخشتا ہے۔ اگر کسی جگہ سے کنواں کھودا جائے اور پانی نہ نکلے تو اس اسم شریف کو ہر روز بعد نماز اشراق سو لاکھ بار پڑھ کر کسی پانی پر دم کر کے اس کنویں کے خشک گوشے میں اکٹالیس رویم ڈالتے ہیں۔ خدا کے فضل سے پانی جوش مار کر نکلے گا اور نہایت شیریں و بار دہو گا۔

یا باطن۔ یہ اسم مبارک جمالی ہے۔ اور اس کے باسٹھ عدد ہیں۔ صاحبِ باطن بننے اور مقبولِ خدا و منظورِ خلق ہونے کے لئے اس اسم شریف کی ہر روز گیارہ ہزار بار تلاوت کسی قبرستان میں بیٹھ کر کرنا اور اکٹالیس دن کرنا اکیر کا حکم رکھتی ہے۔ اور ہمیشہ مداومت کرنے والا جہان میں عزیز ہو گا۔

یا والی۔ جمالی اسم ہے اور سینتالیس اعداد رکھتا ہے۔ ہر نماز کے بعد ہر روز سینتالیس بار اس کا پڑھنا نور ایمان کو بڑھاتا ہے۔ اور بے آباد مکان میں اگر پانی پر دم کر کے چھڑکا جائے تو آباد و بار دق ہو۔ تسخیرِ خلائق کے لئے بھی بعض حضرات نے اس کو مفید بیان فرمایا ہے۔ مگر فقیر کا تجربہ نہیں ہے۔

یا متعالی۔ یہ اسم مبارک جلالی ہے اور اس کے پانچو اعداد ہیں۔ اس کو ہر گھڑی تلاوت کرنے والا اور بہت زیادہ پڑھنے والا ہر میدان میں کامیاب ہوتا ہے۔ جس عورت کا حیض بند ہو تخمیناً ان ایام کا اندازہ لگا کر بہت زیادہ تلاوت کرے تو حیض جاری ہو جائے۔ اور تمام رنجی بیماریوں سے محفوظ رہے۔

یا سیر۔ یہ اسم پاک بھی جلالی اسماء الحسنیٰ سے ہے اور اس کے دو سو تیرہ اعداد ہیں۔ نشہ دالی اشیاء سے بچنے اور شراب وغیرہ کی عادت کو دور کرنے کیلئے اس اسم پاک کا پانی کے کنارے بعد نماز عصر کھڑے ہو کر دو سو تیرہ بار پڑھنا اور دو سو تیرہ ہی دن پڑھنا بفضلہ تعالیٰ کامیاب فرماتا ہے۔ شہرِ خوار بجے یا اگر اسی تعداد میں پڑھ کر دم کر دیا جائے تو اسکی برکت سے جوان ہو۔ تک اکثرافات و بلیات سے مامون و محفوظ رہے۔ اور دوائی امراض سے بچنے کیلئے تو ایام بیماری میں پڑھنا بجد نافع اور امان

بخشنے والا ہے۔

يَا تَوَّابُ۔ یہ اسم مبارک جمالی ہے۔ اس کے چار سو نو عدد ہیں۔ اس اسم شریفیت کے تین سو ساٹھ بار پڑھنے سے سچی توبہ اور اعمال صالحہ کی توفیق حاصل ہوتی ہے۔ پڑھنے کا وقت بعد نماز چاشت ہے۔ بزرگان دین نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اس کا عامل محتاج نہیں رہتا۔

يَا مُنْتَقِمُ۔ یہ جمالی اسماء سے ہے اور چھ سو تیس اعداد ہیں۔ اگر اعداد کی تعداد کے مطابق ہر روز جمعہ تلاوت کیا جائے ہر دشمن پر غلبہ ہو۔ کسی حاجت کے پورا ہونے کے لئے بعد نماز تہجد تلاوت کرنا اکیس ہے۔ اگر بدلہ لینے کی نیت سے دشمن کے تصور پر پھونکا جائے تو دشمن ہلاکت میں پڑے یا جگہ چھوڑ کر بھاگ جائے۔

يَا عَفُو۔ یہ اسم مقدس اسمائے جلالیہ سے ہے۔ اور اکیس سو چھپتین اعداد ہیں۔ عفو معصیت کیلئے اس پر مداومت کرنا اور ایک سو چھپن دن ہر روز سات سو چھیاسی بار پڑھنا گناہ کی توفیق ہی سے نجات دیدیتا ہے۔ اگر کسی بار پڑھ کر بشرطیکہ پہلے اس کا عمل کیا ہو کسی تلوار چھری یا تیز دھار آلہ پر دم کر دیا جائے وہ جگمگاتی قطعی اثر نہ کرے گا۔

يَا رَوْفُ۔ جلالی اسم ہے۔ اس کے دو سو چھیاسی عدد ہیں۔ سفارش کیلئے اس کا دس بار پڑھنا مطلب براری کیلئے گیارہ بار پڑھ کر کسی کے سامنے جانا، ظالم اور قید سے نجات حاصل کرنے کیلئے ہر روز بعد نماز فجر تیرہ بار پڑھنا اور کسی کی محبت میں کامیابی کیلئے بہ پابندی اکتالیس دن تک آٹھ نمازوں کے بعد چودہ بار تلاوت کرنا خدا کے فضل سے کامرانی بخشتا ہے۔

يَا مَالِكُ الْمُلْكِ۔ جلالی اسمائے مبارکہ سے وہ جلالی اسم ہے جس کا جلال بے پناہ ہے۔ اس کے دو سو بارہ عدد ہیں۔ مہمات و حاجات کیلئے اس کی تلاوت کی مداومت کرنا دین و دنیا میں کامیاب کرتا ہے اس کا وظیفہ گنتی کے ایام میں تو نگر کر دیتا ہے اور محتاجی نام کو نہیں رہتی۔ غریبی سے بچنے کیلئے چار سو بیس بار یہ اسم شریف کسی جنگل میں بیٹھ کر پڑھنا چاہئے۔

يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ۔ یہ اسم پاک بھی جلالی ہے اور ایک ہزار چورانوے اعداد رکھتا ہے بعض بزرگان دین نے اس کو اسم اعظم فرمایا ہے۔ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں۔ کہ اگر بیماری کے لئے سو دفعہ یہ اسم مبارک باقی ان الفاظ **يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ** کے ساتھ پڑھا جائے تو

هُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ سے ملا کر پڑھیں اور پانی پر دم کر کے مریض کو پلائیں تو خدا کے فضل سے شفا کلی حاصل ہو۔

یَا مُقْسِطُ۔ یہ اسم مبارک بھی جلالی ہے۔ اس کے دو سو نو اعداد ہیں۔ شیطانی و سوسہ سے محفوظ رہنے کیلئے اس اسم کا ایک سو ایک بار پڑھنا اور کسی دیگر کام کے لئے سات سو بار تلاوت کرنا اور دفعہ سوچ و پریشانی کے لئے بعد ہر نماز شرباً و عمل رکھنا نہایت خوشی بخش تا اور کامیاب فرماتا ہے۔

یَا جَامِعُ۔ یہ اسم جلالی ہے اور ایک سو چودہ عدد ہیں۔ جس کے کوئی عزیز و اقارب کسی حادثہ سے منتشر ہو گئے ہوں انسان کا پتہ نہ چلتا ہو تو یہ اسم شریف بوقت چاشت غسل کر کے اور کسی ایسی جگہ بیٹھ کر جہاں آسمان دکھائی دیتا ہو یعنی چھت نہ ہو اور آسمان کی طرف منہ کر کے ایک لاکھ چوبیس ہزار بار پڑھے بفضلہ تعالیٰ ایک ہی دن کے کرنے سے چند دنوں میں سب اقارب اور منتشر افراد جمع ہو جائیں گے۔ پرانندہ قلبی کے لئے بھی اسکا ہر نماز کے بعد ایک سو چودہ بار تلاوت کرنا اکسیر کا حکم رکھتا ہے۔

یَا غَنِيُّ۔ اسمائے جلالیہ سے ایک اسم متبرک ہے۔ جس کے ایک ہزار ساٹھ عدد ہیں۔ جو شخص اس کو بروز جمعرات بعد نماز تہجد یا اشراق اس کے اعداد کے مطابق پڑھے غنی ہو جائے۔ ہر زمانہ کے بعد شرباً و اس کی تلاوت کرنے والا ہمیشہ کی برکات پاتا ہے۔ اور محتاجی اس کے قریب نہیں چھٹکتی۔

یَا مُعْنِي۔ یہ اسم شریف جمالی ہے اور اعداد کے لحاظ سے ایک ہزار ایک سو عدد رکھتا ہے۔ یہ دونوں اسماء ملا کر پڑھنے سے غائبانہ رزق ملتا ہے اور حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہوتی ہے۔ جو شخص باذن جمعہ یعنی پورے سال کے جمعوں میں ہر جمعہ کو ایک لاکھ چوبیس ہزار مرتبہ بطور وظیفہ پڑھے اس پر اللہ کریم کی وہ رحمتیں ہوں کہ الہی جہان اس کے قدموں سے برکت حاصل کریں۔ اور وہ دنیا و مافیہا سے بے پرواہ ہو جائے فقیر کے ایک عزیز کو ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ تم اگر عورت کے معاملہ میں علاج سے مایوس ہو گئے ہو۔ تو اسم **یَا مُعْنِي** جماع سے قبل اکثر بار پڑھ کر اپنے سر کی پشت سے لے کر کمر کی ہڈی تک دامنہ مانتے پڑھو دم کر کے پھیر لیا کرو۔ بغیر کسی دوائی کے اساک کی لذت پاؤ گے۔

یَا مَالِعُ۔ یہ جلالی اسم شریف ہے۔ اور اس کے ایک سو اسی عدد ہیں۔ ہر انسان کی خفگی کو دور کرنے میں

بیوی کی کشیدگی کو رفع کرنے اور محتاجی سے بچنے اور بڑے بھیانک خوابوں سے محفوظ رہنے کے لئے سوتے وقت صرف پچپن بار پڑھنا بھی مفید ہے۔

یا ضار یہ اسم شریف بھی جمالی ہے۔ اور ایک ہزار ایک عدد ہیں۔ اس کو ہر گھڑی با وضو رکھ کر کسی تنہا جگہ میں پڑھنا اور اس پر مداومت کرنا تقرب الہی کا مستحق بناتا ہے۔ اور اہل قرب سے کر دیتا ہے۔ بعض اہل اللہ نے لکھا ہے کہ حال کو مقام میں بدلنے اور مقام کے جلدی حاصل کرنے کیلئے بہترین وظیفہ ہے۔

یا نافع۔ یہ بھی جمالی اسم شریف ہے اور دو سو ایک اعداد ہیں۔ کسی کام میں کامیابی اور حصول مطالب کے لئے اسکا بے تعداد تلاوت کرنا اور کشتی میں سوار ہوئے وقت دو سو ایک بار پڑھ کر سوار ہونا انتہائی حفاظت اور کامرانی بخشتا ہے۔ شب معراج اس کی تلاوت ہر قسم کی پاکیزگی کے ساتھ اسرار الہی کے کشف کا موجب ہوتی ہے۔

یا نور۔ یہ اسم مکرم جمالی ہے اور اس کے دو سو پچپن عدد ہیں۔ اس اسم مکرم کا وظیفہ اگر طلوع سورج یا چاند کے وقت سے لیکر اس کے غروب تک غیر معین تعداد میں پوری کیوٹی کے ساتھ کیا جائے۔ یا ہر شب جمعہ میں ایک ہزار ایک سو ایک بار کھلی فضا میں بیٹھ کر پڑھا جائے اور اس کے اول آخر سات سات بار سورہ نور بھی تلاوت کی جائے تو دل اور سینہ انوار الہی سے منور ہو جائے ہیں اور طالب کو ایک وہ نور عطا ہوتا ہے جس سے وہ پہلے آشنا نہ تھا۔

یا ہادی۔ جمالی اسم ہے۔ بیس اعداد ہیں۔ اس اسم کو ہر نماز کے بعد بیس بیس بار پڑھنا اور بیس یوم پڑھنا اور پھر کیسویں دن اتنا پڑھنا جتنا کل بیس یوم میں پڑھا گیا اور پھر اس کے بعد ایک بار دعائے مغنی حضرت خواجہ اولیس قرنی رضی اللہ عنہ پڑھنا قاری کو اہل معرفت سے بناتا ہے۔ اور ظاہری و باطنی دشمنی بختا ہے۔

یا بدیع۔ یہ اسم پاک جمالی ہے۔ اور اس کے چھیالیس اعداد ہیں۔ جو کوئی کسی مصیبت یا اہم کے حل کرنے کے لئے اس اسم شریف کو ستر ہزار مرتبہ پڑھے تو یکبارگی کے وظیفے سے مقصود پورا ہو۔ اور اگر ہر روز بعد نماز تہجد **یا بدیع السموات والارض** ایک ہزار بار پڑھے نورانیت سے بہرہ وافر پانے کے علاوہ دنیوی زندگی بھی باعزت و احترام گزارے۔ اگر یہی وظیفہ رات کو سوتے وقت پڑھ کر سوئے خواب میں وہ سیر روحانی کرے جو پاکباز لوگوں کا حصہ ہے۔

یَا بَاقِی۔ یہ اسم معظم بھی جدالی ہے۔ اور اس کے ایک سوتیرہ عدد ہیں۔ جو شخص اس اسم معظم کی ہمیشہ غیر معین تعداد میں تلاوت کرے اور بلا ناغہ پڑھتا رہے وہ اس قابل ہو جائے کہ باقی رہنے والوں میں اسکا نام ہو۔ اعمال صالحہ اسکے یقیناً قبول ہوں اور دشمنوں سے بچنے کے لئے اسکی تلاوت اکیر ہے۔

یَا وَارِثُ۔ جمالی اسم شریف ہے۔ اور سات سو چودہ اس کے اعداد ہیں۔ اگر کوئی بے اولاد شخص اس کو ہر روز اسکے اعداد کی تعداد کے مطابق بعد نماز فجر یا طہر لب دریا بیٹھ کر اور جمالی و جمالی پر ہنر کر کے حصول اولاد کیلئے اول آخر یہ اور درمیان میں رَبِّ لَا تَذَرْنِي فَرْدًا وَأَنْتَ خَيْرُ الْوَارِثِينَ ط اسی تعداد کے برابر پڑھے۔ اور دریا سے پانی لیکر اس پر دم کر کے بیوی کو پلائے اور خود بھی پیئے۔ بحکم الہی اولاد صالح پیدا ہو۔ نیز کسی کام کے کرنے کیلئے پڑھتا اور مصیبت و رنج کے دفعیہ کے لئے مداومت کرنا بحد فائدہ بخش ہے۔

یَا رَاسِدُ۔ یہ بھی جمالی اسم ہے۔ پانچو پانچ اعداد ہیں کسی مطلب کے حصول کیلئے نو ہزار بار پڑھنا مطلب میں کامیاب فرماتا ہے۔ اور نماز مغرب کے بعد کسی مقام بلند پر بیٹھ کر پڑھنا عقدہ کشائی کرتا ہے۔ غرضیکہ مہات کے سرانجام دینے کے لئے بہترین وظیفہ ہے۔

یَا صَبُورُ۔ جدالی اسم شریف ہے اور دو سو اٹھانوے اعداد ہیں۔ ہر نماز کے بعد سترتیس بار پڑھنے سے روزی غیب سے ملتی ہے۔ اور اگر کوئی چاہے کہ اس کے دشمن کی زبان بندی ہو جائے تو اس اسم شریف کا ہمیشہ وظیفہ کرے۔ دشمنوں کی طرف سے اطمینان پائے گا۔

یہ وہ درود شریف ہے جس کی اجازت شاید اس فقیر کے سوا کسی دوسرے درویش کو نہ ہو۔ کیونکہ یہ خاص الخاص حقائق کے

عجیب و غریب درود شریف | ماتحت اس فقیر کو تلقین فرمایا گیا تھا جب بہ شرائط خلوت بحالت تجرد کسی پرخطر مقام میں معتکف تھا۔ اس کی جو برکات طور پذیر ہوئیں بیان قلم سے قاصر ہے فقیر درج کتاب ہذا تو کر دیتا ہے۔ مگر ہر قاری کو اجازت حاصل کرنا شرط ہے۔ تاکہ اس کی شرائط و مخصوص ہدایات حاصل کر کے عمل کی سعی کرے۔ ہر شخص ہر جائز و مستحسن غرض کے لئے بطور عمل بھی اس درود شریف کو پڑھ سکتا ہے۔ خلاف شرع اور ناجائز کام کے لئے پڑھنے سے آدہ بہاد ہو جاتا ہے۔ لہذا احتیاط سے پڑھنا چاہئے۔ درود شریف یہ ہے۔ **یَا مُحَمَّدُ وَجْہُ الصَّلَاتِ**۔

۸۔ سورۃ یسین شریف | عالمین حضرات نے عمل سورۃ یسین شریف کے متعلق بہت سے طریق بیان فرمائے ہیں۔ مگر وہ اس قدر مشکل اور تعداد کے لحاظ سے اس قدر دشوار ہیں کہ

ہر خواستہ مند ان کو پورا نہیں کر سکتا۔ فقیر ایک سادہ اور سہل طریق لکھتا ہے۔ جو حضرات چاہیں کہ عمل کریں، ان کو اجازت ہے۔ طریق یہ ہے کہ ہر روز بعد نماز تہجد پہلے بسم اللہ شریف سات سو چھیاسی بار پھر سورۃ فاتحہ اکیس بار پھر درود شریف ابراہیمی گیارہ بار، پھر ایک مرتبہ سادہ سورۃ یسین پڑھے۔ پھر اس کے بعد عمل کے طور پر شروع کرے اور ہر مہینہ تک جس وقت پہنچے پھر شروع سے شروع کر کے اگلی مہینہ تک جائے اور اسی طرح سات مہینہ تک ہر بار شروع سے لگ کر ختم کرے۔ پھر اس کے بعد ایک سو اکیس بار یا خفی الا لطاف بخنی مما اخاف پڑھے اور دعا مانگے۔ اکتالیس دن ایسا ہی کرنا چاہئے۔

۹۔ سورۃ منزل شریف | سورۃ منزل شریف کے پڑھنے کا مشہور اور اچھا طریق یہ ہے کہ عامل پہلے تین سو تیرہ بار اعوذ باللہ پڑھے۔ پھر سات سو چھیاسی بار بسم اللہ شریف، پھر

باتیں بار درود شریف ہزارہ پھر سورۃ منزل شریف کو شروع کرے اور تین بار پڑھے یا ایتھا المزمّل صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر چوتھی بار آگے چلے اور درود شریف درمیان میں نہ پڑھے۔ اور ہر آیت کے اختتام پر اس کے آخری لفظ کا گیارہ بار تکرار کرے۔ پھر اس تکرار کے بعد اگلی آیت تلاوت کرے۔ اس طرح سے اٹھارہ مقام ہیں۔ جہاں اس کو تکرار کرنا پڑے گا۔ اس قاعدے سے ایک بار پڑھ چکنے کے بعد پھر آخر میں درود شریف باتیں بار۔ بسم اللہ شریف سات سو چھیاسی بار اور اعوذ باللہ تین سو تیرہ بار پڑھے۔ اور سر کو سجود میں رکھ کر جو چاہے دعا مانگے۔ اس طرح اکتالیس دن بطور عمل کے پڑھنے سے بعد پھر ہر روز صرف تکرار کے ساتھ ایک مرتبہ پڑھ لیا کرے۔ پھر پہلے اور پیچھے بسم اللہ و اعوذ وغیرہ کی پابندی نہیں۔ ان درود شریف پڑھ لینا چاہئے۔ یا ایک ایک بار اعوذ و بسم اللہ۔

۱۰۔ سورۃ فاتحہ | سورۃ فاتحہ نہایت باہکت سورت ہے۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سورت فاتحہ موت کے سوا تمام آفات و بلیات اور جمیع امراض و اعراض کا علاج ہے۔ اگر اس قاعدے پر اس کو بطور وظیفہ معمول بنایا جائے کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کی آخری میم کو الحمد کے

لام سے طا کر پڑھیں اور تین بار "الرحمن الرحیم" کا تکرار کریں اور تین بار ایاک نعبد و ایاک نستعین کا تکرار کریں اور تکرار کرتے وقت مقصود کو سامنے رکھیں اور پھر بقیہ سورت پوری کر کے اس طرح اکتالیس بار ہر روز پڑھیں۔ اللہ کریم ہر حاجت پوری فرمائے گا۔

بعد نماز تہجد یا عین نماز تہجد میں سورۃ یوسف کی تلاوت پر ہمیشگی کرنا بحکیم خدا محتاجی سے بچاتا ہے

سورۃ یوسف اور پڑھنے والوں کو مخلوق سے بے نیازی حاصل ہو جاتی ہے۔ حضور محبوب سبحانی عزت الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں کہ اول درود شریف دس بار۔ بسم اللہ شریف سات بار۔ اے اے ایت الکتب المبین دس بار۔ ویستم نعمتہ علیک کس بار۔ واللہ المستعان علی ما تصفون ایک سو بار واللہ غالب علی امرک دس بار۔ فہو کظیم کس بار۔ لا الہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین دس بار۔ افوض امری الی اللہ دس بار پڑھ کر سر زمین پر رکھے اور بصورت سجدہ نعلامولی ولعمدہ الوکیل غفر انک چالیس بار اور بارک وسلم چالیس بار پڑھے۔ پھر سورت شریفہ شروع کرے اور جب انی لطیف لما یشاء پر پہنچے تو اس کا سو بار تکرار کرے۔ اسی طرح انت ولی فی الدنیا سورۃ پڑھے اور سورۃ کو ختم کر کے یہ دعا مانگے۔ تو فی مسلما والحقنی بالصلحین۔ رسالہ کیمیا میں حضور عزت الاعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ اس طریق سے سورۃ یوسف کی تلاوت کرے گا۔ مخلوق سے بے پرواہ ہو جائے گا ایک تابعی سے مروی ہے کہ سورۃ یوسف کو جو شخص کسی غم و الم میں پڑھے گا ذوق میں ترقی یافتہ۔ بلکہ سے محفوظ اور ہر شخص کے نزدیک معزز ہوگا۔ ایک بزرگ کے نزدیک پڑھنے کا طریق یہ بھی محقق ہے کہ سورۃ کو تلاوت کرتے وقت جہاں جہاں حضرت یوسف صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی آئے وہاں وہاں ایک سو چھپن بار یا عزیز پڑھنا اور مقصد کا خیال رکھنا مقصد میں کامیابی بخشتا ہے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
اللَّهُمَّ اشْرِكْنَا فِي دُعَاءِ صَالِحِ الْمُؤْمِنِينَ ط

دُعائے فیض

مُجَرَّبہ از ابوالفیض قلی سہروردی

سمعان اللہ رحمت اور کرم وہ بے نہایت اور رافت و رحم وہ بے حساب ہے کہ دینے والا نہ صرف یہ کہ مانگنے والوں کو اپنے آستان پر پہنچنے کا طریقہ سمجھائے۔ بلکہ انہیں حکم فرمایا کہ آنے والوں کو، میرے دروازے پر آؤ۔ مجھ سے مانگو مجھے پکارو میں تمہاری پکار سنوں گا۔ سنتا ہوں۔ تمہاری طلب پوری کروں گا۔ تم جو مانگو گے، جو کچھ مانگو گے میں تمہیں دوں گا۔ اور یاد رکھو مجھ سے مانگو۔ جو نہیں مانگیں گے ان کے لئے ایک خوفناک سزا تیار ہے
وَقَالَ رَبُّكُمْ ادْعُونِي اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ۔ ایک کائنات ہے کہ لٹائی جا رہی ہے۔ اور کیا کچھ ہے جو نہیں دیا جا رہا۔ نہ اس کائنات کی کوئی حد، نہ اس دولت کا کوئی حساب۔ نہ دینے والے کے دیئے ہوئے کا کچھ شمار۔ حکم فرمایا کہ لوگو بہت مانگو۔ بہت پکارو۔ بار بار مانگو۔ کیونکہ تم اس سے مانگ رہے ہو جو بندوں کی طرح بار بار سوال کئے جانے سے اکتا نہیں جاتا۔ اور نہ اس کے خزانے محدود ہیں۔

بندگی یہی ہے کہ مالک کے سامنے اس کی طرف سے عائد کیا ہوا تقاضائے بندگی پورا ہوتا رہے۔ آقا وہ ہے جو سب دینے والوں سے بڑا دینے والا، کروڑوں ستاروں کا مالک، مکان و لامکان کا مختار مطلق ناظم کل، ازل و ابد کا حاکم۔ اس کائنات کا جہاں حد و جہت ہے اور اس کائنات کا جہاں حد و جہت نہیں۔ قابض و مالک۔ اتنے بڑے آقا کا بندہ اپنے مولیٰ کی جو دو کرم کی کائنات سمیٹنے کے لئے اس کے آستان پر عرض گزار نہ ہو تو یہ اپنے مولا کی رافت و رحمت سے روگردانی نہیں تو اور کیا ہے

فَسُبْحَانَ الَّذِي بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيْءٍ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ - إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ صَرِيفٌ يَدِي بَلْكَ اس کی رحمت ہر محسوس اور غیر محسوس چیز سے کہیں زیادہ وسیع ہوئی۔ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ہاں رحمت کو اپنی ذات کا لازمہ بنایا۔ إِنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ اپنی رحمت کو وہ کچھ فرمایا جیسے کسی آن، کسی لمحہ، کسی موقعہ، کسی مقام پر، کسی صورت میں، کسی حیثیت میں اپنی ذات سے علیحدہ نہیں بتایا۔ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ۔

اس کی رحمت ہی ہے کہ اپنے مقبولانِ بارگاہ کے وسیلے سے مانگنے والوں کو یہ بھی بتایا۔ کہ کس طرح مانگیں۔ اپنے مقربین کی زبان سے پکار کے الفاظ ارشاد فرمائے۔ کبھی وہ الفاظ آدم و نوح علیہما السلام کی زبان پر رواں فرمائے، کبھی یونس موسیٰ علیہما السلام کی وساطت سے ظاہر کئے اور کبھی یہ بھی ہوا کہ رحمت نے اپنی رحیمی کے صدقے رحمت طلب کرنے کا طریق بتانے کا کرم بھی فرمایا۔ صفات آئندہ پر مندرج دعا بھی ایک مقبول بارگاہ رحمت کی دعا ہے۔ رحمت وسیع ہے۔ رحمت کے لئے پکار بھی وسیع ہے۔ یہ بھی پکارنے کا ایک انداز ہے۔ پکارنے والے ان الفاظ میں رحمت کو پکاریں اور اپنے دامن ایمان کو رحمت کی فراوانیوں اور دونوں جہان کی شاد کامیوں سے منتسب کر لیں۔ کیونکہ لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ فَمَا كَرَّمَ رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ کو رحمت مجسم بنا کر اس جہان آب و گل میں بھیج دیا۔ تاکہ متلاشی مٹھو کر نہ کھائیں۔

یہ دعائے مبارک دین و دنیا کی ہر طرح کی خیر و برکت کے لئے مفیض و مجرب ہے۔ یہ دعا خلوص قلب سے جس مقصد کے لئے بھی بطور وظیفہ پڑھی جائے گی رحمتِ عالمین کی طفیل کامیابی ہوگی رحابِ جہاتِ دینی و ضروریاتِ دنیوی کے لئے کفالت کرے گی۔ ہاں کسی خاص مطلب کے تحت پڑھنا ہو تو فقیر سے اس کی اجازت طلب کر لی جائے۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ ط

اللہ کا نام لیکر شروع کرتا ہوں جو رحمان اور رحیم ہے۔

اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ يَا أَوَّلَ الْأَوَّلِينَ وَيَا آخِرَ الْآخِرِينَ أَنْ تُصَلِّيَ وَسَلِّمْ عَلَيَّ

اے اللہ۔ اے اول الاولین و آخرین میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ ہمارے

سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِينَ يَا رَبَّ الْعَالَمِينَ وَ أَسْأَلُكَ

سرور اپنے محمد پر اور حضور کی ساری آل اور سالے اصحاب پر درود اور سلام بھیجے اس کے جہانوں کے پروردگار اور میں تجھ سے

بِالْقُرْآنِ وَ تِلَاوَتِهِ وَ بِالْعَرْشِ وَ رِفْعَتِهِ وَ الْكُرْسِيِّ وَ سِعَتِهِ وَ الْوُجُوحِ وَ حِفْظَتِهِ

قرآن پاک اور اس کی تلاوت کے صدقہ اور عرش اور اس کی بلندی کے صدقہ اور کرسی اور اس کی کشادگی کے صدقہ اور لوح اور اس کی نگہداری کے صدقہ

وَ الْقَلَمِ وَ جَرِّئَتِهِ وَ مِيكَائِيلَ وَ رِسَالَتِهِ وَ جِبْرِئِيلَ وَ أَمَانَتِهِ وَ عِزِّ رَاسِيْلَ وَ

اقدس اور اس کے چلنے کے صدقہ اور میکائیل اور ان کی پیغام رسانی کے صدقہ اور جبرائیل اور ان کی امانت کے صدقہ اور عزرائیل اور

قَبْضَتِهِ وَ إِسْرَافِيْلَ وَ نَفْخَتِهِ وَ رِضْوَانِ وَ جَنَّتِهِ وَ مَالِكَ وَ شَرِيَانِيَّتِهِ وَ

انکے قبضہ کے صدقہ اور اسرافیل اور انکے پھونکنے کے صدقہ اور رضوان اور ان کی جنت کے صدقہ اور مالک اور ان کی زبانہ کے صدقہ اور

آدَمَ وَ صَفْوَتِهِ وَ إِدْرِيسَ وَ رِفْعَتِهِ وَ صَالِحَ وَ نَاقَتِهِ وَ نُوحَ وَ

آدم اور ان کی بزرگی کے صدقہ اور حضرت ادریس اور ان کی بلندی کے صدقہ اور حضرت صالح اور ان کی اونٹنی کے صدقہ اور حضرت نوح اور ان

سَفِيْنَتِهِ وَ هُوْدَ وَ ذُرِّيَّتِهِ وَ إِبْرَاهِيْمَ وَ خَلَّتِهِ وَ عِيْسَى وَ رَهْبَانِيَّتِهِ وَ

کی کشتی کے صدقہ اور حضرت ہود اور ان کی اولاد کے صدقہ اور حضرت ابراہیم اور ان کی خلعت کے صدقہ اور حضرت عیسیٰ اور ان کی تنہائی کے صدقہ

وَ الْخَضِرَ وَ سِيَّاحَتِهِ وَ لُقْمَانَ وَ حِكْمَتِهِ وَ لُوطَ وَ عَزْلَتِهِ وَ شُعَيْبَ

اور حضرت خضر اور ان کی سیاحت کے صدقہ اور حضرت لقمان اور ان کی دانائی کے صدقہ اور حضرت لوط اور ان کی گوشہ نشینی کے صدقہ اور حضرت شعیب

وَ إِبْنَتِهِ وَ مُوسَى وَ تَكْلِيْمِهِ بِالْأَوْحَى وَ زَكَرِيَّا وَ دَعْوَتِهِ وَ سُلَيْمَانَ

اور ان کی بیٹی کے صدقہ اور حضرت موسیٰ اور آپ کے کلام بلا وحی کے صدقہ اور حضرت زکریا اور آپ کی دعوت کے صدقہ اور حضرت سلیمان

وَمَمْلُكَتِهِ وَدَاوُدَ وَعِيسَىٰ وَآيُوبَ وَبَلُوْتَهُ وَيَعْقُوبَ وَ

اور آپ کی مملکت صدف اور حضرت داؤد اور آپ کی عبادت کے صدف اور حضرت ایوب اور آپ کی آزمائش کے صدف اور حضرت یعقوب اور آپ کی

حَسْرَتِهِ وَيُوسُفَ وَغُرَبَاتِهِ وَمُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حسرت کے صدف اور حضرت یوسف اور آپ کی بے وطنی کے صدف اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ

وَشَفَاعَتِهِ وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ وَتِلَاوَتِهِ وَالْعِلْمَ وَدِرَاسَتِهِ

کی شفاعت کے صدف اور قرآن عظیم اور اس کی تلاوت کے صدف اور علم اور اس کے حصول کے صدف

وَإِنِّي بَكْرٌ وَخِلَافَتِهِ وَعُمَرُ وَفَارُوقِيَّتِهِ وَعُثْمَانُ وَخِزَانَتِهِ

اور حضرت ابوبکر اور آپ کی خلافت کے صدف اور حضرت عمر اور آپ کی فاروقیت کے صدف اور حضرت عثمان اور آپ کے خزانہ کے صدف

وَعَلِيٌّ وَشَجَاعَتِهِ وَالْحَسَنَ وَعِفَّتِهِ وَالْحُسَيْنَ وَصَحْبَتِهِ وَأَسْأَلُكَ

اور حضرت علی اور آپ کی بہادری کے صدف اور حضرت حسن اور آپ کی پاکدامنی کے صدف اور حضرت حسین اور آپ کی صحبت کے صدف سوال کرتا ہوں

اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ الْعَظِيمِ الْكَرِيمِ الْأَكْرَمِ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ بِسْمِ

اور اے اللہ میں تجھ سے تیرے بڑے نام اور عزت والے بہت عزت والے نام کے صدف سوال کرتا ہوں۔ اے میرے رب میں تجھ سے

اللَّهُ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْفَاتِحَةِ

بسم اللہ الرحمن الرحیم کے اس حق کے صدف جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ فاتحہ کے اس حق کے صدف جو تجھ پر ہے

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْبَقَرَةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَ

کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ بقرہ کے اس حق کے صدف میں سوال کرتا ہوں جو تجھ پر ہے اور اے میرے رب میں تجھ سے

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ

سورۃ آل عمران کے اس حق کے صدف میں سوال کرتا ہوں جو تجھ پر ہے۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نساء کے اس حق کے صدف

سُورَةِ النَّسَاءِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْبَايِنَاتِ

میں جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ مائدہ کے اس حق کے صدف جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْأَنْعَامِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ الانعام کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْأَعْرَافِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

سے سورۃ اعراف کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ انفال کے

بِحَقِّ سُورَةِ الْاِنْفَالِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ

اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ توبہ کے اس حق کے

سُورَةِ التَّوْبَةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ یونس کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر

يُونُسَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ هُودٍ عَلَيْكَ

ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ اہود کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ يُوسُفَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ یوسف کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ

بِحَقِّ سُورَةِ الرَّعْدِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ اِبْرَاهِيمَ

سے سورۃ رعد کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ابراہیم کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْحَجَرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ حجر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ النَّحْلِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ

میں تجھ سے سورۃ نحل کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ بنی اسرائیل کے

سُورَةِ بَنِي إِسْرَءِيلَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اسے میرے رب میں تجھ سے سورۃ کہف کے اس حق کے صدقے

الْكَهْفِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ مَرْيَمَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

جو تجھ پر سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ مریم کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ طه عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

میں تجھ سے سورۃ طہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ انبیاء کے اس حق کے صدقے جو

الْأَنْبِيَاءِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْحَجِّ عَلَيْكَ

تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ حج کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُؤْمِنُونَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ مومنوں کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ

بِحَقِّ سُورَةِ النُّوْمِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْفُرْقَانِ

نور کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ فرقان کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الشُّعْرَاءِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ شعراء کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ النَّمْلِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

تجھ سے سورۃ نمل کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ قصص کے اس حق کے صدقے

الْقَصَصِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْعَنْكَبُوتِ عَلَيْكَ

جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ عنکبوت کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الرُّومِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ روم کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ لقمان کے صدقے جو

لَقْمَانَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ السَّجْدَةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَ

تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ سجدہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ

اَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْاَحْزَابِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ السَّبَا

سے سورۃ احزاب کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ سبہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ فَاطِرٍ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ فاطر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ یس کے اس حق کے

يَسْ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الصّٰفّٰتِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ

صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ صافات کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ص

سُورَةِ صٰ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ زُمْرٍ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ زمر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ مؤمن

بِحَقِّ سُورَةِ مُّؤْمِنٍ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ السّٰجِدَةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ سجدہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں

وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ شُوْرٰی عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الزُّخْرُفِ عَلَيْكَ

تجھ سے سورۃ شوری کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ زخرف کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الدّٰخِرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ دھان کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ جاثیہ کے اس حق کے صدقے جو

الْجَاثِيَةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْاَحْقَافِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَ

تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ احقاف کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے

اَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ هٰمٍّ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْفَتٰحِ عَلَيْكَ

سورۃ محمد کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ فتح کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْحُجْرٰتِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ حجرات کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ق کے اس حق کے صدقے

قِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الذَّارِيَّاتِ عَلِيكَ يَا رَبِّ

جو تجھ پر سوال کرتا ہوں اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ذاریات کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الطُّورِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ النُّجْمِ

سے سورۃ طور کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نجم کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے

عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْقَمَرِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ

سوال کرتا ہوں اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ قمر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ الرحمن اور ہر

سُورَةِ الرَّحْمَانِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْوَاقِعَةِ

اس نام کی ہندی حق کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ واقعہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا

عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْحَدِيدِ عَلِيكَ يَا رَبِّ

ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ حدید کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُجَادِلَةِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

سورۃ مجادلہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ حشر

بِحَقِّ سُورَةِ الْكَافِرَاتِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ممتحنہ کے اس حق کے صدقے جو

الْمُتَّحِنَةِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الصَّفِّ عَلِيكَ

تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ صف کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں

يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْجُمُعَةِ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ جمعہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ منافق

بِحَقِّ سُورَةِ الْمُنَافِقُونَ عَلِيكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ التَّغَابُنِ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ تغابن کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الطَّلَاقِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ طلاق کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ تحریم

بِحَقِّ سُورَةِ التَّحْرِيمِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُلْكِ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ملک کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْقَلَمِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ قلم کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ مائدہ

بِحَقِّ سُورَةِ الْحَاقَّةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمَعَاجِدِ عَلَيْكَ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ معارج کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں

يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ نُوحٍ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نوح کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ جن کے اس حق کے صدقے

الْجِنِّ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُرْسَلِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَ

جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نزل کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُدَّثِرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

سورۃ مدثر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ قیامت کے اس حق کے صدقے جو

الْقِيَامَةِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الدَّهْرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ دہر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُرْسَلَاتِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ

تجھ سے سورۃ مرسلات کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نبا کے اس حق کے

سُورَةِ النَّبَاِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ النَّازِعَاتِ عَلَيْكَ

صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نازعات کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ عَبَسَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ عبس کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ التکویر کے اس حق کے

سُورَةِ التَّكْوِيرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْاِنْفِطَارِ عَلَيْكَ

صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ انفطار کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔

يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمُطَفِّينَ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ

اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ مطفین کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ انشقاق

بِحَقِّ سُورَةِ الْاِنْشِقَاقِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْبُرُوجِ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ بروج کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الطَّارِقِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ

کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ طارق کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ الغاشیہ

بِحَقِّ سُورَةِ الْاَغْلٰی عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْغَاشِيَةِ

کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ غاشیہ کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْفَجْرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ

کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ فجر کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ البلد

بِحَقِّ سُورَةِ الْبَلَدِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الشَّمْسِ عَلَيْكَ

اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ شمس کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے

رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ اللَّيْلِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ

رب میں تجھ سے سورۃ لیل کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ الضحیٰ کے اس حق کے صدقے

الضُّحٰی عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْاِنْشِرَاحِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاسْأَلْكَ

جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ انشراح کے اس حق کے صدقے جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں

بِحَقِّ سُورَةِ التِّينِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ عَلَقٍ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

سورۃ تین کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ علق کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب

وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْقَدْرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْبَيِّنَةِ

رب میں تجھ سے سورۃ قدر کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ بینہ کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الزَّلْزَالِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ زلزال کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ عادیات کے اس

بِحَقِّ سُورَةِ الْعَادِيَاتِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْقَارِعَةِ

حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ قارعہ کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ التَّكْوِيْنِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ

ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ تکوین کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ عہر کے اس حق

بِحَقِّ سُورَةِ الْعَصْرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْهُمَزَةِ عَلَيْكَ

کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ہمزہ کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور

يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْفِيلِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ

اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ فیل کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ قریش کے اس حق کے صدقہ

قُرَيْشٍ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْمَاعُونِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَ

جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ماعون کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ کوثر

أَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْكَوْثَرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْكَافِرُونَ

کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ کافرون کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا

عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ النَّصْرِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَأَسْأَلُكَ بِحَقِّ

ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ نصر کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ امب کے اس حق

سُورَةُ الْاٰلِهٰبِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْاِخْلَاصِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ

کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ اخلاص کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں

وَاَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ الْفَلَقِ عَلَيْكَ يَا رَبِّ وَاَسْأَلُكَ بِحَقِّ سُورَةِ النَّاسِ عَلَيْكَ

تجھ سے سورۃ فلق کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں۔ اور اے میرے رب میں تجھ سے سورۃ ناس کے اس حق کے صدقہ جو تجھ پر ہے سوال کرتا ہوں

يَا رَبِّ وَاَسْأَلُكَ بِحَقِّ عَظَمَةِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِينَ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْمُقَرَّبِينَ وَ

اور اے میرے رب میں تجھ سے انبیاء اور رسولوں اور فرشتوں اور تیرے قریب پہنچے ہوئے بندوں اور شہیدوں اور نیکوں

الشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَاَهْلَ طَاعَتِكَ اَجْمَعِينَ اَنْ تُصَلِّيَ وَتُسَلِّمَ عَلٰى سَيِّدِنَا

اور تیرے سارے فرما نبرداروں کی عظمت کے حق کے صدقہ میں سوال کرتا ہوں کہ تو ہمارے سرور حضرت محمد

مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِينَ وَاَنْ تُحَفِّظَ حَامِلَ كِتَابِيْ هَذَا وَاَنْ تُحَرِّسَهُ

صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل اور سارے ساتھیوں پر درود اور سلام بھیج۔ اور میری یہ کتاب پاس رکھنے والے کی حفاظت کرے

بِعَيْنِكَ الَّتِي لَا تَنَامُ وَمُلْكِكَ الَّذِي لَا يُضَامُ وَاَنْ تُشْفِيَهِ مِنْ جَمِيعِ

اور ہنس کی نگہبانی کرے اپنی اس آنکھ کے ساتھ جو سوتی نہیں۔ اور اس ملک کے ساتھ جو لازوال ہے۔ اور تو اسے ساری کی

الْاَمْرَاضِ بِالْفِ بِالْفِ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اَنْ تُحَفِّظَ

ساری بیماریوں سے کروڑوں لاکھوں و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کے طفیل شفا بخش۔ اور اے میرے

يَا رَبِّ مِنْ كُلِّ سُوءٍ وَبَلَاءٍ وَحَرَقٍ وَغَرَقٍ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ يُوزِيهِ وَمِنْ

رب تو اس کی حفاظت کر ہر ایک برائی سے اور مصیبت سے اور جلنے سے اور ڈوبنے سے اور ہر اس چیز سے جو اسے ایذا پہنچائے

جَمِيعِ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وَمِنْ شَرِّ كُلِّ اُنْثٰى وَزَكْرِ جَمِيعِ الْخَلْقِ اَجْمَعِينَ وَبِحَقِّ

تمام انس و جن اور ہر عورت اور ہر مرد اور ساری مخلوقات کی شر سے اور

الْاِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ اٰدَمُ فَرَجَعْتَهُ لِسَيِّدَتِنَا حَوَّاءَ وَبِحَقِّ الْاِسْمِ الَّذِي

اس نام کے صدقہ میں جس نام سے حضرت آدم علیہ السلام نے تجھے پکارا تو تو نے ہماری سرور حوا کو ملایا۔ اور اس نام کے حق سے

دَعَاكَ بِهِ الْخَضِرُ فَمَشَى عَلَى الْمَاءِ فَتَوَارَتْ الظُّلُمُاتُ وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ

مدتے جس نام سے حضرت خضرؑ نے تجھے پکارا اور وہ پانی پر چلے اور پیاس بجھائی۔ اور اس نام کے حق کے مدتے جس نام سے

بِهِ الْمُؤْمِنُونَ الْقَوِيُّ النَّارِ۔ فَاصْرَفْتَ الْخَضِرَ وَلَقِيتَ السَّمَاءَ مَعْلَقَةً

ان ایمان والوں نے جنہیں آگ میں ڈالا گیا تجھے پکارا۔ تو تو نے اسے سبزے میں بدل دیا۔ اور تو نے آسمان کو قدرت سے لٹکائے

بِالْقُدْرَةِ وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ إِبْرَاهِيمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَالْقِي فِي

رکھا۔ اور اس نام کے حق کے مدتے جس نام سے حضرت ابراہیمؑ نے تجھے پکارا اس حال میں کہ وہ آگ

النَّارِ فَكَانَتْ عَلَيْهِ بَرْدًا وَسَلَامًا وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ مُوسَى عَلَيْهِ

میں ڈالے گئے تھے۔ تو وہ آگ ان پر ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو گئی اور اس نام کے حق کے مدتے میں جس نام سے حضرت موسیٰؑ نے

السَّلَامُ فَانْفَلَقَ لَهُ الْبَحْرُ فَكَانَ كُلُّ فَرَقٍ كَالطُّورِ الْعَظِيمِ وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي

تجھے پکارا تو ان کے لئے سمندر بچھٹ گیا، تو ہر ٹکڑا بڑے تودے کے مانند بن گیا۔ اور اس نام کے حق کے مدتے میں

دَعَاكَ بِهِ نُوحٌ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَنَجَّيْتَهُ مِنَ الطُّوفَانِ وَأَغْرَقْتَ الْقَوْمَ

جس نام سے حضرت نوحؑ نے تجھے پکارا تو تو نے انہیں طوفان سے نجات بخشی اور ظالموں کی قوم کو غرق

الظَّالِمِينَ وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ إِدْرِيسُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَرَفَعْتَهُ

کر دیا۔ اور اس نام کے حق کے مدتے جس نام سے حضرت ادريسؑ نے تجھے پکارا تو تو نے انہیں بہت اونچے پر والے

مَكَانًا عَلِيًّا وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ يَعْقُوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ خَرَدَدَتْ

مکان کی بلندی بخشی۔ اور اس نام کے حق کے مدتے جس نام سے حضرت یعقوبؑ نے تجھے پکارا تو تو نے ان کی بینائی

عَلَيْهِ بَصَرُهُ وَوَلَدَهُ وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ يُوسُفُ عَلَيْهِ السَّلَامُ

اور ان کا بیٹا انہیں واپس دے دیا۔ اور اس نام کے حق کے مدتے جس نام سے حضرت یوسفؑ نے تجھے پکارا تو تو نے

فَنَجَّيْتَهُ مِنَ السِّجْنِ وَوَلَيْتَهُ مُلْكَ مِصْرَ وَبِحَقِّ الْإِسْمِ الَّذِي دَعَاكَ بِهِ

انہیں قید خانے سے نجات بخشی اور انہیں مصر کی بادشاہی عطا فرمائی۔ اور اس نام کے حق کے مدتے جس نام سے

اَيُّوبُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَكَشَفَتْ عَنْهُ الضَّرَّ وَاسْأَلَكَ بِحَقِّ اسْمِكَ الَّذِي

حضرت ایوب نے تجھے پکارا تو تو نے ان سے دکھ دور کر دیا۔ اور میں تجھ سے تیرے اس نام کے حق کے صدقے میں

سَمَّيْتُ بِهَا نَفْسَكَ وَأَنْزَلْتَهُ فِي كِتَابِكَ وَعَلَّمْتَهُ لِأَحَدٍ مِنْ

سوال کرتا ہوں جس نام سے تو نے اپنے آپ کو یاد کیا اور تو نے اپنی کتاب میں اُسے نازل فرمایا اور تو نے اپنی مخلوقات میں سے

خَلْقِكَ أَنْ تَجْعَلَ حَامِلٍ كِتَابِي هَذَا فِي مَكْنُونٍ حِرْزِكَ وَأَنْ

کسی ایک کو سکھایا کہ تو میری یہ کتاب اپنے پاس رکھنے والے کو اس طرح اپنی حفاظت میں رکھے جس طرح غول میں تصویر اور

تَرْزُقُهُ الْكَحْطُ الْجَمِيلُ وَالْعُمَرُ الطَّوِيلُ وَالنَّصْرُ وَالْعِزَّةُ وَالْهَيْبَةُ

یہ کہ اسے خوش بخشی نصیب کرے۔ اور لمبی عمر داد اور عزت اور رعب اور مقبولیت

وَالْقَبُولُ وَالْمُحِبَّةُ وَأَنْ تَجْعَلَهُ فِي هَيُوءٍ أَقْبَلُ وَلَا تَخَفُ إِنَّكَ

اور محبت عطا فرمائے اور اسے اس حقیقت میں رکھے کہ آگے بڑھ اور نہ ڈر تو ان لوگوں میں

مِنَ الْآمِنِينَ لَا تَخَفُ نَجَوْتَ مِنَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ لَا تَخَافَا إِنِّي

سے ہے جو امن میں ہیں۔ تو نہ ڈر تو ظالموں کی قوم سے نجات پا گیا تم دونوں نہ ڈرو بیشک

مَعَكُمْ أَسْمَعُ وَأَسْرَى لَا تَخَفُ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيْ الْمُرْسَلِينَ قَالَ

میں تم دونوں کے ساتھ ہوں۔ سنتا ہوں اور دیکھتا ہوں۔ تو نہ ڈر بیشک میرے پاس رسول نہیں ڈرتے۔ اُن

رَجُلَانِ مِنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا الْبَابَ

لوگوں میں سے جو ڈرتے تھے۔ ان دو مردوں نے جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا۔ کہا کہ دروازے سے ان لوگوں

فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ

پر داخل ہو جاؤ پس جب تم دروازے سے داخل ہو گئے تو بیشک تم غالب ہو۔ اور اللہ پر توکل رکھو۔ اگر تم ایمان

مُؤْمِنِينَ لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ

والے ہو۔ ان کا فریب تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچائے گا۔ تم جو عمل کرتے ہو بیشک اللہ اس کا احاطہ کئے ہوئے ہے

وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ حُبَّةً مِّنِّي اللَّهُمَّ يَا مَنْ خَلَقْتَ فِي السَّمَاءِ الرَّابِعَةَ

اور میں نے تجھ پر اپنی ذات سے محبت القا فرمائی۔ اے میرے اللہ اے وہ ذات جس نے چوتھے آسمان میں ایک فرشتہ

مَلَكَائِصْفَهُ مِنْ نَّارٍ وَنِصْفَهُ مِنْ ثَلِيجٍ فَلَا النَّارُ تَذِيبُ الثَّلِيجَ

پیدا فرمایا ہے کہ آدھا جسم اس کا آگ کا ہے اور آدھا برف کا۔ پس نہ آگ برف کو پگھلاتی ہے نہ برف

وَلَا الثَّلِيجُ يُطْفِئُ النَّارَ وَالْمَلَكُ يُنَادِي بِلِسَانِ الْأَقْدَارِ اللَّهُمَّ يَا

آگ کو بجھاتی ہے اور فرشتہ اپنی باعزت زبان سے پکارتا ہے۔ اے میرے اللہ اے وہ

مَنْ أَلْفَتْ بَيْنَ الثَّلِيجِ وَالنَّارِ أَلْفَ قُلُوبٍ الْخَلْقِ وَالْبَشَرِ مِنْ كُلِّ

جس نے برف اور آگ کو آپس میں جوڑ دیا۔ مخلوقات اور بشر سے آدم کے بیٹوں اور

أَنْثَى وَذَكَرٍ مِنْ أَوْلَادِ آدَمَ وَبَنَاتِ حَوَّاءَ وَمِنْ أَمِيرٍ وَوَزِيرٍ

خوّا کی بیٹیوں میں سے مرد اور مرد اور امیر اور وزیر اور ہر غنی اور

وَفَقِيرٍ عَلَى مَحَبَّةٍ حَامِلٍ كِتَابِي هَذَا اللَّهُمَّ ارْفَعْ عَنْهُ شَرَّ

ہر فقیر کے دلوں کو میری یہ کتاب رکھنے والے کی محبت پر آمادہ کر دے۔ اے میرے اللہ اس سے بڑے

الْأَشْرَارِ وَشَرِّ الْعَمِيِّ وَالرَّمَدِ وَالرَّعَافِ وَالْمُزَيَّفِ وَالشَّقِيقَةِ

لوگوں کی بُرائی دُور فرما اور اندھاپن اور آشوبِ چشم اور نکسیر اور دردِ سر اور آدمِ حاسر

وَالصَّدَاعِ وَالنَّظْرَةِ وَوَجْعَ الْقَلْبِ وَالطَّحَالِ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ بَدْرِ الْقَامِ

اور مرگی اور نظر بد اور دل کا درد اور تلی کا درد دُور فرما۔ حضرت محمد الرسول اللہ کے

عَلَيْهِ أَفْضَلُ الصَّلَاةِ وَالسَّلَامُ وَاجْعَلْ كَيْدَ مَنْ عَادَاهُ فِي نَجْرِهِ وَ

حق کے صدرِ حق جو چودہویں کا پورا چاند ہیں۔ ان پر بہتر سے بہتر درود اور سلام ڈو۔ اور جو شخص اس سے دشمنی کرے

أَعْقِدْ عَنْهُ السِّنَةَ أَوْلَادِ آدَمَ وَبَنَاتِ حَوَّاءَ هَذَا يَوْمَ لَا يَنْطِقُونَ وَ

اسکے مکر و خریب کو اسکے اپنے گلے کا پھندا بنائے۔ اور آدم کے بیٹوں اور خوّا کی بیٹیوں کی زبانیں اس سے بند رکھے یہ

مُحِيطٌ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ وَبِحَقِّ أَلْفِ أَلْفِ

ہوئے ہے۔ بلکہ وہ قرآن ہے بزرگی والا لوح محفوظ میں اور کدوڑوں لاجول ولاقوة اللہ

لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ اللَّهُمَّ يَا سَلَامُ

یا اللہ العلی العظیم کے حق کے صدقے میں اے میرے اللہ اے سلام اس شخص کو

سَلِمٌ حَامِلٌ كِتَابِي هَذَا وَاعْقِدْ عَنْهُ لِسَانَ الْحَيَّةِ وَزَبَانَ

جس کے پاس میری یہ کتاب ہو سلامت رکھ اور اس سے سانپ کی زبان اور بچھو کا ڈنگ بند رکھ

الْعَقْرَبِ بِحَقِّ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ اللهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ وَ

ان آیتوں کے حق کے صدقے میں کہہ دو یا رسول اللہ کہ وہ اللہ یکتا ہے اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس کی کوئی اولاد ہے نہ وہ کسی

لَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ - بِسْمِ اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ - قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ

کی اولاد ہے اور نہ ہو اس کیلئے کوئی قرابتدار۔ بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ فرما دیجئے یا رسول اللہ کہ میں

الْفَلَقِ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَبَ وَمِنْ شَرِّ

پناہ مانگتا ہوں۔ ساتھ صبح کے پروردگار کے ہواں چیز کی بُرائی سے جو اس نے پیدا کی اور اندھیرا کرنے والی رات کی بُرائی سے جب وہ

النَّفَّاثَاتِ فِي الْعُقَدِ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ - بِسْمِ

پھیل جائے اور کانٹھوں میں پھونکیں مارنے والی عورتوں کی بُرائی سے اور حاسد کی بُرائی سے جب وہ حسد کرے۔ بسم

اللهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ مَلِكِ النَّاسِ

اللہ الرحمن الرحیم فرما دیجئے یا رسول اللہ میں پناہ مانگتا ہوں۔ ساتھ پروردگار کو گونگے۔ لوگوں کے

إِلَهُ النَّاسِ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي

بادشاہ کے۔ لوگوں کے خدا کے۔ اس کی بُرائی سے جو دوسو سہ ڈالتا ہے۔ لوگوں کے سینوں میں جنوں سے

صُدُورِ النَّاسِ مِنَ الْجَنَّةِ وَالنَّاسِ قَرْدٌ جَبَّارٌ شَكُورٌ ثَابِتٌ

اور انسانوں سے۔ یکتا ہے۔ زبردست ہے۔ شکر قبول کرنے والا ہے۔ ثابت ہے۔

تصحیح ضروری

کتاب ہذا کا نام (جس کا پہلے اعلان کتاب "صحیفہ غوثیہ" میں ہو چکا ہے)
 "خیر فقیر" رکھا گیا تھا۔ مگر بعد میں بعض اجباب کی فمائش پر وہ نام تبدیل
 کر کے "الفقر فخری" تجویز کیا گیا ہے۔ مولا کریم شرف اجابت بنے
 لہذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ "خیر فقیر" کے نام پر فقیر کی
 تصانیف میں کوئی دوسری کتاب تلاش نہ فرمائیں۔ فقط
 فقیر ابوالفیض

تتمت تشریف

حضرت خواجگان سہروردیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین

۷۸۶ بار	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
۵۱۱ بار	وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰی حَبِیْبِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِهِ وَاصْحَابِهِ وَسَلَّمَ
۱۱۱ بار	سورۃ فاتحہ
۱۱۱ بار	سورۃ الم نشرح لک
۱۱۱ بار	سورۃ اخلاص
۱۰۱۱ بار	اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰی سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ
۱۱۱ بار	یَعْدِدُ کُلَّ ذَرَّةٍ مِّائَاتٍ اَلْفِ اَلْفِ مَرَّةٍ وَیَا رِکَّ وَسَلَامٌ
۱۱۱ بار	یا قاضی الحاجات
۱۱۱ بار	یا کافی المہات
۱۱۱ بار	یا شافی الامراض
۱۱۱ بار	یا حل المشکلات
۱۱۱ بار	یا سامع المناجات
۱۱۱ بار	یا عجیب الدعوات

یا رافع الدرجات

یا مسیب الاسباب

یا مفتح الابواب

یا غالب علی امرہ

یا ارحم الراحمین

یا حی یا قیوم برحمتک استغیث

لا اله الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین

حال ماخستہ دلال للشد نگر

المدو شیخ شہاب الدین عمر

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمد للہ رب العلمین

یہ ختم شریف صلقہ بگو شان سہروردیہ کو با وضو پورے خشوع و خضوع سے بعد نماز فجر یا عصر حلقہ کی صورت میں بیٹھ کر پڑھنا چاہئے۔ رب العزت جل شانہ کے فضل و کرم سے حمد دینی و دنیوی حاجات کے لئے ازیں کافی ہے۔



خاتمہ الکتاب

قارئین کرام آگاہ رہیں کہ توفیق ایزدی سے سابقہ اوراق میں جو کچھ ذکر کیا گیا ہے اس کا مقصد محض یہ ہے کہ طالب حق کو گروہات دنیا سے آزاد ہو کر بھنور و شہود حق سے اپنا دل معمور و آباد کرنے کی صحیح راہ مل جائے۔ اور وہ کامل رہنمائی سے طمانیت قلب کا حامل ہو کر قرب ربانی کا شرف حاصل کر سکے۔ جو عین منتہائے عبودیت ہے۔ کیونکہ جب متلاشی حق اپنے آپ میں شان عبودیت پیدا کر کے استقامت قلبی کے ساتھ راہ عرفان طے کرتا ہے تو چپے چپے پر معرفت الہی کے جلوے اور قدم قدم پر فیضان ربی کے آثار اسکا استقبال کرتے ہیں۔ اور وہ تجلیات حق کا کبھی متمنی تھا، خود بخود اس پر پر نور افگن ہو کر منزل مقصود تک پہنچا دیتی ہیں۔ صحیح راہ کی تمیز یہی ہے کہ اس کے اختیار کرنے والا بطالت و ضلالت سے محفوظ و مصنون رہتا ہے۔ اور صداقت و حقیقت کے عکس اس کے سر پر ہر لمحہ سایہ کناں و محیط ہوتے ہیں جن سے وہ ساعت بساعت منزل محبوب کے قریب تر ہوتا جاتا ہے۔

صحیح راستہ معلوم ہونے پر کسی حسد و تعصب کے ماتحت غلط راہ کا اختیار کرنا محض دھڑائی اگراہی اور اغوائے شیطانی ہے۔ ہر ذی شعور راستی سے دیدہ دانستہ اعراض اور ہدایت و صداقت سے کبھی اغماض نہیں کر سکتا۔ ہٹ و صرمی، بد عقیدگی، جماعتی افتراق اور ضد کو چھوڑ کر حق کو قبول کرنا اس کا فطری حق ہوتا ہے۔ تاکہ ممالک و خطرات سے سلامتی ہو۔ اور مولاکریم حل و علا شانہ اپنی رحمت نامتناہیہ سے راہ کی مشکلیں آسان فرما کر اپنے مقامات قرب سے حسب استقرا و کوئی مقام رحمت عطا فرمائے۔

وَذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ط

جمال رسول ﷺ

از: ابوالفضل قلندر علی سہروردی

یہ کتاب ایسے شخص کے لئے نہیں لکھی گئی جو سرور کائنات، مشارکش جہات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا منکر، معجزات میں طعنہ زن، معین آثار و نشانات سے محروم، دقیق خصائل و جمیع کمالات سے روگرداں اور خصائص کبریٰ و فضائل عظمیٰ میں شک و شبہ کرنے والا ہو۔ اس میں جو کچھ لکھا گیا ہے اہل محبت کے لئے ہے۔ جو حضور کی ہر دعوت پر لبیک کہنے والے اور نبوت محتمہ و رسالت نامہ کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ تاکہ ان کی محبت میں تاکید ایمان میں مضبوطی اور اعمال میں زیادتی ہو۔

خداوند عالم جل مجدہ اس پر قادر ہے کہ وہ نبوت محمدیہ علیہ الصلوٰات و التسلیمات کے اس روشن پہلو ہی سے لوگوں میں وہ نور معرفت نبوت پیدا فرمادے۔ جو بغیر کسی واسطہ کے ان کو اس کا اہل بنا دے۔ اور بے ساختہ بول اٹھیں۔

خدا کو مانا ہے دیکھ کر تجھ کو اس کی شان جمیل تو ہے

خدا کی ہستی پہ میرے نزدیک سب سے روشن دلیل تو ہے

اس کتاب میں سیرت خیر الخلق، ختم نبوت، آدابِ رسالت، عظمتِ مصطفیٰ، مسئلہ علم غیب، معجزات علم غیب، نظامِ احیائے ملت، مسئلہ جہاد اور اسلام وغیرہ پر نہایت دیانتداری سے صحیح روشنی ڈالی گئی ہے۔ کاغذ، طباعت نہایت عمدہ، نو شمارنگین سرورق۔ قیمت: پانچ روپے

ملنے کا تہ

چوہدری محمد یوسف بی۔ اے سیکرٹری مکان B.A

گلی نمبر ۳۰۔ دھرم پورہ لاہور

فہرست تصانیف حضرت ابوالفضل قلی علی سہروردی مدظلہ العالی

سیاح الامکاں۔ اس کتاب میں مسئلہ فلسفہ معراج پر سیر حاصل تبصرہ کیا گیا ہے اور معتزلیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب دیا گیا ہے۔ قیمت صرف دو روپے (ع)

موعظۃ المومنین۔ اس کتاب کے متعلق چند علماء کی رائے ہے کہ یہ کتاب لکھ کر حضرت مصنف نے علماء پر احسان کیا ہے۔ قیمت دو روپے (ع)

صحیفہ غوثیہ۔ قصیدہ غوثیہ کی شرح ہے۔ اس کا مطالعہ سالکان راہ طریقت کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے۔ قیمت چار روپے (ع)

دعوت المحتفیہ۔ یہ وہ رسالہ ہے جس میں اصلاح عقائد شیعہ کے لئے وضاحت سے لکھا گیا ہے۔ قیمت ۱۲ روپے

پروہ نسواں۔ اس کتاب میں قرآن و حدیث کی روشنی میں بے پردگی کے حامیوں کے لئے مسکت جواب ہے۔ قیمت ۲ روپے

حلیۃ النبیؐ۔ یہ چھوٹی سی کتاب پنجابی اشعار میں بڑے مقبول طریقہ پر لکھی گئی ہے۔ قیمت ۲ روپے

بہاس التقویٰ۔ یہ رسالہ ڈارلہی کی شرعی حقیقت پر بڑی وضاحت سے لکھا گیا ہے۔ قیمت ۲ روپے

رسالہ علم غیب۔ یہ رسالہ حضور علیہ السلام کے علم غیب کے متعلق ایک فہمید کن تحریر ہے۔ قیمت ۱۰ روپے

الفقر فخری۔ اس کتاب میں حقیقت قصوف پر تفصیلی بحث ہے۔ قیمت

قیمت ۱۰ روپے۔ یہ ہیروارت شاہ کے وزن پر پنجابی زبان میں ایک نہایت درد انگیز قصہ لکھا گیا ہے۔ جو زیر طبع ہے۔

تذکرہ سہروردیہ۔ جس میں صوفیائے کرام کے دینی کارناموں پر ایک سیر حاصل تبصرہ ہے۔ قیمت ایک روپیہ

تعارف سہروردیہ۔ اس میں دعائے معنی، شجرہ عالیہ سہروردیہ، حضرت میاں صاحبؒ، سہروردی حیات گرامی کی مختصر سوانح حیات، دعائے مناجات وغیرہ تحریر ہے۔ قیمت ایک روپیہ

سوانح حیات، دعائے مناجات وغیرہ تحریر ہے۔ قیمت ایک روپیہ

متفرق تصانیف

میداد الرسولؐ۔ شعبان المعظم۔ کتاب الصوم۔ صوت ہادی۔ رمضان المبارک۔ اسلامی عورت، زکوٰۃ کا اسلامی نظام

یہ مختلف رسائل مختلف موضوعات پر چھپوا کر مرکزی مجلس سہروردیہ نے محض اللہ تقسیم کئے۔

نہ خط و کتابت کا پتہ

چوہدری محمد یوسف بی۔ اے۔ سیکریٹری

مکان B.A گلی نمبر ۳، دھرم پورہ، لاہور

انفقہ فخری

کہوں مال و زر کی میں کیوں ہوں مجھے اپنے فقر پہ فخر بس
یہی حوزہ جان فستیر ہے یہی قول شاہ حجاز ہے

از اعلیٰ حضرت واقف امر از حق و علی مولانا الحاج ابو ایض
قلندر علی صاحب قبلہ سہروردی مدظلہ العالی

کائنات

مرکزی محلہ سہروردیہ، لاہور

DATA ENTERED